

فہم القرآن سیریز نمبر 1

وما ابریٰ 13

www.KitaboSunnat.com



سوال و جواب کی صورت میں
قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی رومہ
محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 library@mohaddis.com

رکوع نمبر 1

﴿وَمَا أَرْبَىٰ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۗ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (53)

”اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، بلاشبہ نفس تو یقیناً برائی کا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے، یقیناً میرا رب بے حد بخشنے

والا، نہایت رحم والا ہے۔“ (53)

سوال 1: ﴿وَمَا أَرْبَىٰ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ﴾ ”اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، بلاشبہ نفس تو یقیناً برائی کا حکم دینے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا أَرْبَىٰ نَفْسِي﴾ ”اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی“، عزیز مصر کی بیوی نے اعتراف کیا کہ میں اپنے نفس کو بری الذمہ قرار نہیں دیتی۔ میں نے برائی کا ارادہ کیا، میں نے یوسف علیہ السلام کو پھسلانے کی کوشش کی۔ میں نے ان کے ساتھ برائی کی شدید خواہش رکھی، میں نے ہی سازشیں کیں اور انہیں قید خانے ججھوایا۔ ہاں وہ میں تھی جس نے یوسف علیہ السلام کی پاک زندگی کو داغ دار کرنے کی کوشش کی، جس نے ان کی متاع گراں بہا، عمر عزیز کے قیمتی سال قید خانے کی نذر کر دیے۔ میں اپنے آپ کو بری نہیں کہتی۔ (2) اس کلام کا عزیز کی بیوی کا کلام ہونا ہی زیادہ قوی اور زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ اوپر سے انہی کا کلام چلا آ رہا ہے۔ (ابن کثیر: 4/3) (3) ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ﴾ ”بلاشبہ نفس تو یقیناً برائی کا حکم دینے والا ہے“، یعنی انسانی نفس برائی پر آمادہ کرتا ہے۔ (ایر القافیر: 683) (4) نفس امارہ سے مراد وہ نفس ہے جو شہوات کی طرف مائل رہتا ہے۔ (سمرقندی: 205/2) (5) یعنی نفس انسان کو بہت کثرت سے برائی، یعنی بے حیائی اور دیگر تمام گناہوں کا حکم دیتا ہے۔ نفس شیطان کی سواری ہے اور شیطان نفس کے راستے سے انسان میں داخل ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1264/2) (6) رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک سوال فرمایا کہ ایسے رفیق کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کا حال یہ ہو کہ اگر تم اس کا اعزاز و اکرام کرو، کھانا کھلاؤ، کپڑے پہناؤ تو وہ تمہیں بلاء اور مصیبت میں ڈال دے، اور اگر تم اس کی توہین کرو، بھوکا نکار کھو تو تمہارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس سے زیادہ برا تو دنیا میں کوئی ساتھی ہو ہی نہیں سکتا، آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمہارا نفس جو تمہارے پہلو میں ہے وہ ایسا ہی ساتھی ہے۔ (قرطبی) (7) نفس بنیادی طور پر انسان کے اندر دو قوتوں کو لیے ہوئے ہوتا ہے ایک غضب یعنی غصہ اور دوسری شہوت یعنی خواہشات۔ یہ دو چیزیں نفس کے اندر ہوتی ہیں۔ اگر عموماً دیکھیں تو نفس منفی انداز میں استعمال ہوتا ہے جیسے نفس امارہ۔ اگر عام طور پر نفس کے لفظ کو استعمال کریں کہ میرا نفس مجھے یہ کہتا ہے تو یہ نفس مثبت انداز میں استعمال نہیں ہوتا حالانکہ اس کا مثبت استعمال بھی ہے جیسے نفس مطمئنہ۔ اطمینان والی جان کے لیے جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ بھی نفس ہی کا ہے لیکن دو قوتیں جو کام کرتی ہیں غضب اور شہوت کی، وہ نفس کی علامتیں ہیں۔ ان

چیزوں کا استعمال نفس کو یا تو امارہ بنائے گا یا لؤ امہ یا مطمئنہ۔ وہ دو قوتیں کون سی ہیں؟ قوت غضب اور قوت شہوت۔ نفس بنیادی طور پر ان دو خصوصیات کی وجہ سے اپنے کمال کو بھی پہنچتا ہے اور اس کو زوال بھی آتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک انسان کے دل پر شیطان کا قبضہ ہو جاتا ہے اور وہ ایسے غصے میں آتا ہے جس کو وہ کنٹرول نہیں کر سکتا۔ اس غصے پر کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے اس سے برائیاں سرزد ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے اپنے نفس کو ابلیس کے ہاتھ میں دے دیا، سوچ دیا۔ اب برائی کا حکم ہے جو اس کی جانب سے آ رہا ہے کیونکہ انسان یا تو اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کر سکتا ہے یا شیطان کے۔ جب انسان کے اندر غضب کی آگ بھڑکتی ہے تو اس کی وجہ سے وہ شیطان کے ہاتھ میں کھلونا بن جاتا ہے جس سے وہ کھیلتا ہے اور ایسے ہی خواہشات کی محبت کا معاملہ ہے۔ انسان کی خواہشات سے شیطان کھیلتا ہے اور خواہشات کی وجہ سے اسے رب کے راستے سے دور لے جاتا ہے۔ نفس کی تین اقسام ہیں: نفس امارہ، نفس لؤ امہ اور نفس مطمئنہ۔ نفس امارہ سرکش نفس ہے جو اپنے غضب کو، شہوت کو کنٹرول نہیں کرتا اور لؤ امہ وہ ہے جو غضب اور شہوت کی قوتوں کو کبھی صحیح استعمال کر لیتا ہے، کبھی غلط اور جب غلط استعمال ہوتا ہے تو اس پر پچھتاوا ہوتا ہے۔ جب صحیح جگہ پر استعمال نہیں ہوتا تب بھی اسے پچھتاوا ہوتا ہے۔ (نفس، روح، قلب، عقل)

سوال 2: نفس کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: نفس انسانی کی تین قسمیں ہیں: (1) نفس مطمئنہ: اطمینان والی جان، جو نفس اپنی اصل پر لوٹ آئے، مطمئن ہو جائے۔ (2) نفس لؤ امہ: غلطی کرنے والا نفس، جو نیکی کرنا چاہتا ہے لیکن غلطی کر بیٹھتا ہے اور پھر پچھتااتا ہے۔ حسرت، ندامت اور افسوس اس نفس کا خاصہ ہے۔ یہ ملامت کرنے والا نفس ہے۔ (3) نفس امارہ: سرکشی کا حکم دینے والا نفس، فطرت کے بالکل خلاف، انسانیت سے بالکل متضاد دوسرے کنارے پر جا کے کھڑا ہونے والا، اپنے رب کے حکم سے سرتابی کرنے والا۔ اگر لفظ سرکش کو دیکھیں تو ”کش“ کا مطلب ہے ”اٹھانا“ اور سرکش وہ ہے جو اپنے رب کے سامنے سرائٹھا لیتا ہے۔ اگر ہم اسے نفس امارہ کہیں تو یہ وہ نفس ہے جو برائی کا حکم دیتا ہے، جہاں سے ہر وقت وسوسے اور شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ انسان ہر وقت ایک مسئلے، ایک آزمائش کا شکار رہتا ہے اور اس کا دل رب کی بات پر نہیں ٹھہرتا۔ نفس کی تین اقسام ہیں۔ یہ بنیادی طور پر ایک سفر ہے۔ یہ سفر کیسے جاری رہتا ہے؟ ایک **cyclical process** ہے۔ ایک طرف تو انسان نفس امارہ سے نفس لؤ امہ اور نفس مطمئنہ تک کا سفر کر سکتا ہے اور دوسری طرف نفس مطمئنہ سے نفس لؤ امہ اور نفس امارہ کا سفر کر لیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ انسان کے اندر کی قوت ہے۔ اگر تقویٰ کی قوت بڑھتی جائے تو یہ سفر نفس مطمئنہ کی جانب ہے اور اگر فجور کی قوت بڑھتی جائے تو اس کا مطلب ہے تقویٰ کی قوت کمزور پڑے گی۔ فجور کی قوت بنیادی طور پر انسان کے اندر سرکشی کا جذبہ ابھارتی ہے اور انسان سے نفس امارہ کی طرف کا سفر کرواتا ہے۔ (ملامت سے اطمینان تک)

سوال 3: نفس امارہ، نفس لؤ امہ اور نفس مطمئنہ کے کیا کام ہیں؟

جواب: (1) نفس امارہ: نفس امارہ سرکشی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیتا ہے۔ اس کا بنیادی کام فسوق ہے۔ نفس امارہ کی خصوصیات میں سے دوسری چیز شرک ہے۔ (الاساس: 2665, 2666/5) (2) نفس لوامہ: اس شخص کا نفس نفس لوامہ ہو سکتا ہے اور ملامت کر سکتا ہے جو اپنے معاملات کو کم از کم اللہ تعالیٰ کے سپرد ضرور کر دے۔ اس نے اسلام ضرور قبول کیا ہوا ہو، اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا سیکھ لے، اس کے اندر کی دنیا، اندر کے معاملات اور اندر کے احساسات یہ ہوں کہ میرا کوئی معاملہ میری وجہ سے نہیں بلکہ میرے رب کی وجہ سے سدھرے گا اس لئے میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔ ﴿لَا أُقْسِمُ بِبَيْتِهِ الْقَيْمَةِ ۗ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۗ﴾ میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی! اور میں قسم کھاتا ہوں بہت ملامت کرنے والے نفس کی! (القیمة: 1، 2) (3) نفس مطمئنہ: نفس مطمئنہ کا معاملہ انسان کے اندر کب شروع ہوتا ہے؟ اطمینان والی جان کیا کام کرتی ہے کہ اس کے اندر اطمینان اترتا ہے؟ احسان۔ جو انسان رب کی طرف نظریں لگانا سیکھ لے اور رب کی نظروں کو محسوس کرنا شروع کر لے یعنی امید اور خوف کے بین بین رہے تو اس کا نفس مطمئن ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر وہ رب کی رضا پر راضی رہنا شروع ہو جاتا ہے۔ رب کے خوف سے اس کے ناپسندیدہ کام چھوڑنے شروع کر دیتا ہے۔ یہ سفر ہے وصول الی اللہ کا، اطمینان کا، فطرت کا۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۖ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۖ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۗ﴾ اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ، راضی ہونے والی، پسند کی ہوئی ہو۔ چنانچہ میرے بندوں میں شامل ہو جاؤ۔ اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (سورۃ الفجر: 27، 30) آپ نے اپنی ذات کے لیے جو کام شروع کرنا ہے اس میں پہلی بات یہ ہے کہ تشخیص کریں۔ آپ اس وقت کہاں ہیں؟ اور دوسری بات یہ کہ ٹارگٹ بنائیں جانا کہاں ہے؟ سفر کس طرف کو کرنا ہے؟ (لامت سے اطمینان تک)

سوال 4: کیا کام ہوتا ہے جس کی وجہ سے کوئی نفس نفس امارہ بنتا ہے؟

جواب: نفس پر کون کام کرتا ہے؟ مثال کے طور پر اگر نفس امارہ کو دیکھیں تو اس پر کس کا قبضہ ہوتا ہے؟ شیطان کا۔ شیطان انسان سے کیا کام کرواتا ہے؟ جادو، فسق، نافرمانی کے کام اور انسان شیطانی اغوا کا شکار ہو جاتا ہے۔ شیطان انسان کی سوچ handle کر لیتا ہے اور اس کے اندر کبر اور غرور بھر جاتا ہے جس کی وجہ سے دو خصوصیات پیدا ہوتی ہیں ظلم اور جہالت۔ (لامت سے اطمینان تک)

سوال 5: نفس انسان کو کیسے بدی پراکساتا ہے؟

جواب: (1) انسان کا دشمن شیطان جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، وہ انسان کو وسوسہ ڈال کر اکساتا ہے۔“ (بخاری) گویا وسوسہ ڈالنے کا عمل شرک کا آغاز ہے۔ (لامت سے اطمینان تک) (2) دل ایک قلعہ کی طرح ہے۔ اس قلعے کی بیرونی دیواریں ہیں اور اس میں دروازے لگے ہوئے ہیں۔ مزید اس میں شگاف اور رخنے بھی بنے ہوئے ہیں۔ اس قلعے میں عقل رہائش پذیر ہے اور فرشتے اس قلعے میں بکثرت آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس قلعے کے باہر ایک طرف ایک اور پناہ گاہ

بھی موجود ہے جس میں خواہش رہتی ہے۔ اس پناہ گاہ میں شیاطین بلا روک ٹوک آتے جاتے رہتے ہیں۔ اہل قلعہ اور اہل پناہ گاہ کے مابین لڑائی ہوتی رہتی ہے اور شیاطین مسلسل قلعے کے گردہ گرد قلعے کے محافظوں کی غفلت اور کسی شگاف کے ذریعے اندر داخل ہونے کی تلاش و فکر میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ لہذا قلعے کے محافظوں کو چاہیے کہ قلعے کے ان تمام دروازوں کی اور تمام شگافوں کی پوری پوری نگہبانی اور حفاظت رکھیں جن کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی ہے اور ایک لحظہ اور لمحہ کے لیے بھی پہرے داروں کو پہرے داری اور نگہبانی سے سستی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ دشمن کسی وقت بھی سستی اور غفلت نہیں دکھا رہا۔ (3) ایک آدمی نے حسن بصری سے دریافت کیا: کیا ابلیس بھی سوتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: ”اگر وہ سو جائے تو ہمیں راحت نہ مل جائے؟“ (4) یہ قلعہ ذکر سے منور اور ایمان سے روشن رہتا ہے۔ اس میں ایک ایسا پالش شدہ آئینہ نصب ہے جس میں ہر گزرنے والے کی تصویر آسانی دیکھی جاسکتی ہے۔ (5) شیطان قلعے پر حملہ آور ہونے سے قبل بیرونی پناہ گاہ میں بیٹھ کر دھواں ہی دھواں بنا دیتا ہے جس سے قلعے کی دیواریں کالی سیاہ ہو جاتی ہیں، اور آئینہ دھندلا جاتا ہے۔ کثرت غور و فکر سے وہ دھواں ختم ہو جاتا ہے اور ذکرا الہی کی پالش سے آئینہ روشن اور صاف ہوتا ہے۔ (6) دشمن کے حملہ آور ہونے کے مختلف انداز ہیں: بعض اوقات تو وہ حملہ کرتے ہی قلعے میں داخل ہو جاتا ہے لیکن دروازے کے نگہبان اور محافظ اس پر بھرپور جوابی کارروائی کر کے اسے بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں، اور کبھی وہ قلعے میں داخل ہو کر حیران و سرگرداں ہی کر ڈالتا ہے، اور نگہبان کی غفلت کی بنا پر وہ اندر قیام بھی کر لیتا ہے، اور بعض اوقات دھوئیں کو چلانے والی اور دھکیلنے والی ہوا ہی تھم جاتی ہے، قلعے کی دیواریں کالی بھجنگ ہو جاتی ہیں۔ آئینہ دھوئیں سے اٹ جاتا ہے۔ تو ایسی صورت حال میں شیطان اس طرح قلعے میں گھس جاتا ہے کہ کسی کو خبر تک نہیں ہوتی۔ اور بعض اوقات محافظ اپنی غفلت اور سستی کی بنا پر زخم خوردہ بھی ہو جاتے ہیں۔ اور قیدی بن کر ان کے آلہ کار بھی بن جاتے ہیں۔ اور شیطان ادھر قیام کر کے خواہش نفسانی کی موافقت میں کئی نئے حیلے بھی دریافت کرنے لگتا ہے یا اس کی مدد اور اعانت ہی کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔ اور بعض اوقات شر اور شرارت کا فنیہ ہی بن جاتا ہے۔ سلف میں سے کسی نے فرمایا ہے: میں نے شیطان کو دیکھا، اس نے مجھے یوں کہا: پہلے میں لوگوں کو ملتا تھا اور ان کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ اب صورت حال اس کے برعکس ہو گئی ہے، کہ میں لوگوں کو ملتا ہوں لیکن میں خود ان سے سیکھتا ہوں۔ (7) بعض دفعہ شیطان کسی ہوشیار، باخبر، سمجھ دار آدمی پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس کے پاس خواہشات کی دلہن ہوتی ہے، جسے اس نے بناؤ سنگھارا اور میک اپ کیا ہوتا ہے۔ وہ سمجھ دار اور ذہین و فطین آدمی اس کو دیکھنے میں مشغول ہو جاتا ہے، تو اسی اثناء میں شیطان اسے اپنا قیدی بنا لیتا ہے۔ (8) شیطان کا سب سے مضبوط پھندا جس سے وہ اسیروں اور قیدیوں کو مضبوطی سے باندھتا ہے وہ جہالت ہے۔ درمیانے درجے کا پھندا خواہش نفسانی اور اس کا کمزور ترین حربہ غفلت ہے۔ جب تک ایمان والے پر ایمان کی زرہ رہتی ہے دشمن کا کوئی تیر بھی کارگر نہیں ہوتا بلکہ نشانے پر لگتا ہی نہیں ہے۔ (9) حسن بن صالح نے فرمایا ہے: ”شیطان بندے کے لیے نیکی کے ننانوے دروازے کھولتا ہے ان تمام سے شیطان برائی کا ایک دروازہ کھولنا چاہتا ہے۔“ (10) اعمش بیان کرتے ہیں ہم سے اس آدمی نے بیان کیا جو

جنوں سے باتیں کیا کرتا تھا، ان جنوں کا کہنا تھا: ہمارے لیے سنت کے پیروکار سے بڑھ کر کوئی آدمی زیر کرنا مشکل نہیں ہے۔ رہے یہ خواہش و ہوا کے صاحبان ہم تو ان سے جیسے چاہتے ہیں کھیلتے رہتے ہیں۔ (تلمیس اہلس: ابن جوزی) (11) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے اٹھ کر چلے گئے، مجھے اس پر غیرت آئی۔ پس آپ ﷺ تشریف لائے اور میرا حال دیکھا تو فرمایا: ”اے عائشہ! تجھے کیا ہوا؟ کیا تجھے غیرت آئی؟“ میں نے عرض کیا: ”مجھے کیا ہے کہ مجھ جیسی عورت کو آپ ﷺ جیسے مرد پر غیرت نہ آئے۔“ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تیرے پاس تیرا شیطان آیا؟“ میں نے کہا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں!“ میں نے کہا: ”کیا ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔“ میں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں لیکن میرے رب نے اس کے خلاف میری مدد کی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا۔“ (صحیح مسلم: 7110) (12) سیدنا سمیرہ بن فاکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان کے راستوں پر بیٹھتا ہے پھر اس کو اسلام کے راستے سے روکتا ہے اور اس کو کہتا ہے کیا تو مسلمان ہوتا ہے اور اپنے اور اپنے باپ دادوں کے دین کو چھوڑتا ہے؟ پھر آدمی اس کی بات نہیں سنتا اور مسلمان ہو جاتا ہے اور اس کو ہجرت کے راستے سے روکتا ہے اور کہتا ہے کہ تو ہجرت کرتا ہے اور اپنی زمین اور آسمان کو چھوڑتا ہے اور کہتا ہے کہ مہاجر کی مثال ایسی ہے جیسے گھوڑا اپنے لم ڈور میں، پھر انسان اس کی بات کا انکار کرتا ہے اور ہجرت کرتا ہے۔ پھر اس کو جہاد سے روکتا ہے اور کہتا ہے تو جہاد کرتا ہے اور وہ جان اور مال کے لیے ایک آفت ہے۔ اب تو لڑے گا اور مارا جائے گا پھر لوگ تیری بیوی کا نکاح کر دیں گے اور تیرا مال بانٹ لیں گے، پھر انسان اس کی بات نہیں سنتا اور جہاد کرتا ہے۔ اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے یہ کام کیے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے اگر وہ مارا جائے یا اس کو سواری گرائے یا ڈوب کر مر جائے تو بھی اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں لے جائے۔ (سنن نسائی: 3139) (13) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا کہ ہمارے دلوں میں وہ وہ خیال گزرتے ہیں کہ جن کا بیان کرنا ہم میں سے ہر ایک کو بڑا گناہ معلوم ہوتا ہے (یعنی اس خیال کو کہہ نہیں سکتے کیونکہ معاذ اللہ! وہ خیال کفر یا فسق کا خیال ہوتا ہے جس کا منہ سے نکالنا مشکل معلوم ہوتا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم کو ایسے وسوسے ہوتے ہیں؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو عین ایمان ہے۔ (مسلم)

سوال 6: اگر کوئی نفس امارہ سے نفس لوامہ تک کا سفر کرنا چاہے تو وہ کیا کرے؟

جواب: (1) ایسے انسان کو بہت شدید اور بہت سخت قسم کا مجاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ان غلطیوں کو معاف کیا ہے جن کا صرف دل میں وسوسہ گزرے یا دل میں اس کے کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ مگر ان کے مطابق عمل نہ ہو اور نہ بات کی ہو۔ (صحیح بخاری: 6664) (2) نبی ﷺ سے وسوسے کے بارے میں پوچھا گیا تو

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو محض ایمان ہے۔ (خالص ایمان) (صحیح مسلم: 342) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ پھر اس کی بدی اور اس کا تقویٰ اس کے دل میں ڈال دیا۔ (الشمس: 8) (4) نبی ﷺ سے کسی نے پوچھا تھا گناہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: مَا سَاكَ فِى صَدْرِكَ ”جو تیرے سینے میں کھٹک پیدا کر دے جسے تم لوگوں کے سامنے کرنے سے کتر اؤ اور اکیسے میں کر لو“۔ (مسلم: 6516) (5) یہاں پر دو باتیں پتہ چلتی ہیں کہ: (الف) کھٹک انسان کو پہلے آگاہ کرتی ہے۔ (ب) انسان اجتماعی ماحول کے اندر ایسا کام کرنے سے گریز کرتا ہے۔ یعنی ماحول اس کے لیے مددگار ثابت ہوتا ہے، دوسرے انسان اندر سے اٹھنے والے سوال کا جواب دے سکتا ہے، اس پہ کان دھر سکتا ہے لیکن جس وقت وہ اس پر کان نہیں دھرتا، دبا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس دبانے کے بارے میں فرمایا: ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّهَا﴾ اور یقیناً نامراد ہوا وہ جس نے اسے مٹی میں دبا دیا۔ (الشمس: 10) (6) جس نے اندر سے اٹھنے والی نیکی کی اس پکار کو، کھٹک کو دبا دیا وہ نامراد ہو گیا، اسی طرح سے دوسرا رویہ بھی انسان اختیار کر سکتا ہے، اگر انسان عین اس موقع پر، اس کھٹک پر محتاط ہو جاتا ہے اور برائی کرنے سے رک جاتا ہے تو یہ رکنا کیا ہے؟ اپنے آپ کو برائی سے پاک کرنا۔ تزکیہ کرنا۔ اسی کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ دَسَّهَا﴾ یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جس نے اسے پاک کیا۔ (الشمس: 9) کھٹک پیدا ہوئی اور انسان نے اس کھٹک کی وجہ سے اپنے آپ کو برائی سے پاک کر لیا تو وہ کامیاب ہے۔ آپ نے کس طرح سے اس نفس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا ہے؟ بڑی بات تو اللہ تعالیٰ کی مدد ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے دو بڑے خاص راستے ہیں۔ (7) پہلی چیز جیسے رب العزت نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا کہ اگر نفس اکسائے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لو۔ ﴿وَمَا يَأْتِيَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْءٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ﴾ اور اگر شیطان کی طرف سے آپ کو کوئی اکساہٹ ابھار دے تو آپ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ (الاعراف: 200) (8) دوسری چیز: اللہ تعالیٰ کی مدد مانگنا مسنون طریقے سے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے مد مانگی، نبی ﷺ اپنے اکثر خطبات کے آغاز میں نفس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے آپ ﷺ کے الفاظ ہیں کہ: وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ”اور ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کے شر سے اور اپنے برے اعمال کے شر سے“ اور اسی طرح سے نبی ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلَى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ ”اے اللہ میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں پھر مجھے میرے نفس کے حوالے ایک لمحے کے لیے نہ کرنا۔ میرے حالات کی اصلاح کر دینا تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“ (ابوداؤد: 5090)

سوال 7: ﴿اَلَا مَأْرَجَ لَهَا رَبِّيْ﴾ ”مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی انسان کا نفس تو شیطان کی سواری ہے۔ شیطان نفس کے راستے ہی انسان کے اندر داخل ہوتا ہے مگر جس پر رب کی رحمت ہو۔ (2) یعنی جسے رب تزکیہ کی توفیق دے دے اور نفس کی تطہیر کے لیے ایمان اور اعمال صالحہ کی توفیق دے دے تاکہ نفس امارہ، نفس مطمئنہ بن جائے، وہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ (ایسر التفسیر: 683، 684) (3) یعنی اسے اس کے نفس امارہ سے نجات دے دے اور اس

طرح اس کا نفس امارہ نفس مطمئنہ میں بدل جائے۔ ہلاکت کے داعی کی نافرمانی کر کے ہدایت کے داعی کی آواز پر لبیک کہے۔ اس میں نفس کا کوئی کمال نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر بے انتہا فضل و کرم اور اس کی بے پایاں رحمت ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1264) (4) یعنی جس پر میرا رب رحم کرے اور اس کو بچالے تو وہ نفس کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ اس کا مقابلہ کرتا ہے اسی جہاد نفس کی وجہ سے اس کو ملائکہ پر برتری حاصل ہو جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری: 6/109)

سوال 8: ﴿إِنَّ رَبِّيَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”یقیناً میرا رب بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ رَبِّيَ غَفُورٌ﴾ ”یقیناً میرا رب بے حد بخشنے والا ہے“ جو بھی نادم ہو کر رب کے سامنے جھک جائے وہ اسے معاف فرما دیتا ہے۔ (2) وہ غفور ہے تو بے کر کے لوٹ آنے والے کو بخش دیتا ہے۔ (3) ﴿رَّحِيمٌ﴾ ”نہایت رحم والا ہے“ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر کے اور اسے نیک اعمال کی توفیق عطا کر کے اس پر رحم کرتا ہے۔ ان آیات کریمہ کی تفسیر میں قرین صواب یہی ہے کہ یہ عزیز مصر کی بیوی کا قول ہے یوسف علیہ السلام کا نہیں، کیونکہ یہ بات عورت کے کلام کے سیاق میں آئی ہے اور یوسف علیہ السلام تو اس وقت قید میں تھے۔ (تفسیر سعدی: 4/1264) (4) یہ انقلاب، انسان کی ذات میں، اس کے بطون میں اندھیرے کا نور سے بدل جانا صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ممکن ہے۔ یہ عورت مومن بن چکی ہے اور اعلان کرتی ہے کہ وہ رب جس نے مجھے ڈوبنے سے اس وقت بچایا جب میں ڈوبنے کے بالکل قریب تھی، واقعی خطاؤں کا بخشنے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ (تعارف الفرقان: 88) (5) یہاں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ عزیز مصر کی بیوی جناب یوسف علیہ السلام کے شب و روز سے بے خبر نہ تھی وہ ہر لمحے کی خبر رکھتی ہوگی۔ اسے یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ جناب یوسف زنداں میں اللہ تعالیٰ کے دین کی، توحید کی اور تقویٰ کی دعوت دے رہے ہیں۔ وہ اس دعوت پر ایمان لے آئی اور ”ہیت لک“ کہنے والی یہ کہنے لگی: ﴿إِنَّ رَبِّيَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ جب گناہ گار یہ لفظ کہتا ہے تو سارے وجود کی صداقت ان میں سمٹ آتی ہے۔ یقیناً عزیز مصر کی بیوی توبۃ النصوح کر چکی تھی اور اللہ تبارک و تعالیٰ یہاں یہی بتانا چاہتا ہے۔ (تعارف الفرقان: 88) (6) ﴿إِنَّ رَبِّيَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ سے بندے اور رب کے تعلق کا اندازہ ہوتا ہے کہ بندہ کیسے خطائیں کرتا ہے، گناہوں میں آلودہ ہو جاتا ہے لیکن رب کی رحمت اسے ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اپنی خطاؤں کی معافی مانگ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتے ہیں۔

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ اشْتَوِي بِيَّ اسْتَخْصِمْ لِنَفْسِي فَلَئِن كَلِمَةُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَكِنِّيَأَمْكِينُ أَمِينٌ (54)﴾

”اور بادشاہ نے کہا: ”اس کو میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے لیے خالص کر لوں۔“ پھر جب اس نے اس سے بات کی تو کہا: ”بلاشبہ آج سے آپ ہمارے ہاں صاحب اقتدار، امانت دار ہیں۔“ (54)

سوال 1: ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ اشْتَوِي بِيَّ اسْتَخْصِمْ لِنَفْسِي﴾ ”اور بادشاہ نے کہا: ”اس کو میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے لیے خالص کر لوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ﴾ شاہ مصر نے تحقیق کرنے کے بعد یوسف علیہ السلام کو بلانے کے لیے قاصد سے کہا۔ (2) ﴿اَسْتَوِي بِهَا اسْتَعْرَضَهُ لِتَقْسُو﴾ ”اس کو میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے لیے خالص کر لوں“ جب بادشاہ پر سیدنا یوسف علیہ السلام کا علم، ان کے کردار کی بلندی اور پاک دامنی واضح ہو گئی تو اس نے انہیں بلوایا تاکہ وہ انہیں اپنا ذاتی دوست اور مشیر بنا لیں۔ شاہ مصر نے یوسف علیہ السلام کو عزت اور احترام کے ساتھ لانے کا حکم دیا۔

سوال 2: ﴿فَلَمَّا كَلَمَهُ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ اَمِيْنٌ﴾ ”پھر جب اس نے اس سے بات کی تو کہا: ”بلاشبہ آج سے آپ ہمارے ہاں صاحب اقتدار، امانت دار ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا كَلَمَهُ﴾ ”پھر جب اس نے اس سے بات کی“ شاہ مصر نے جب یوسف علیہ السلام سے گفتگو کی تو اس نے یوسف علیہ السلام کی فراست، دانائی، دوراندیشی، علم، کمال اور حسن اخلاق کو پہچان لیا تھا۔ اس لیے انہیں اپنا خاص مشیر بنا نا چاہتا تھا۔ (2) ﴿قَالَ﴾ ”کہا“ شاہ مصر کے نزدیک سیدنا یوسف علیہ السلام کی قدر و منزلت اور وقعت زیادہ ہو گئی تو اس نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے کہا۔ (3) ﴿اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ اَمِيْنٌ﴾ ”بلاشبہ آج سے آپ ہمارے ہاں صاحب اقتدار، امانت دار ہیں“ آپ ہمارے یہاں عزت و احترام والے، بلند مرتبہ اور محترم ہیں۔ آپ ہمارے رموز مملکت کے اور رازوں کے امین ہیں۔

﴿ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۗ اِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ (55) ﴾

”یوسف نے کہا: ”مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں یقیناً میں پوری طرح حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں۔“ (55)

سوال 1: ﴿قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۗ اِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾ ”یوسف نے کہا: ”مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں یقیناً میں پوری طرح حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ﴾ ”یوسف نے کہا: ”مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر سے کہا: اگر آپ مجھے امین اور عزت و احترام کے قابل سمجھتے ہیں تو مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے۔ (2) میں امین ہونے کی وجہ سے اپنی اس ذمہ داری کو پوری امانت اور دیانت سے ادا کروں گا۔ میں خزانوں کی نگرانی بھی کروں گا اور اپنے علم کے مطابق ایسی تدابیر اختیار کروں گا جس کی وجہ سے قحط کی تباہیوں سے مصر کو بچائیں گے۔ (3) لفظ ﴿خَزَائِنِ الْأَرْضِ﴾ زمین کے خزانے سے مراد روپیہ اور غلوں کے خزانے نہیں ہیں بلکہ سلطنت کے تمام ذرائع آمدنی و پیداوار ہیں۔ قرآن حکیم میں خزان کا لفظ عموماً اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ”وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ (ابن کثیر) (اشرف الحواشی: 291/1) (4) سیدنا یوسف علیہ السلام نے عوام کے فائدے کے لیے بادشاہ سے مطالبہ کیا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام بادشاہ کے خواب کی تعبیر کی وجہ سے یہ جانتے تھے کہ عنقریب قحط سالی کے دن آنے والے ہیں اور ان دنوں کے لیے مناسب انتظامات کرنے کی ضرورت ہے سو انہوں نے خزانے اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش ظاہر کی۔ (5) ﴿اِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾ ”یقیناً

میں پوری طرح حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں، یعنی جس چیز کا آپ مجھے نگران بنائیں گے میں اس کی حفاظت کروں گا، اس میں سے کچھ بھی بے محل استعمال ہو کر ضائع نہیں ہوگی، میں ان محاصل کے داخل خارج کو منضبط کر سکتا ہوں۔ میں ان کے انتظام کی کیفیت کا پورا علم رکھتا ہوں۔ میں یہ بھی خوب جانتا ہوں کہ کسے عطا کرنا ہے کسے محروم رکھنا ہے اور ان میں تصرفات کی پوری طرح دیکھ بھال کر سکتا ہوں۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرف سے اس عہدے کا مطالبہ، عہدے کی حرص کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ نفع عام میں رغبت کی وجہ سے تھا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے بارے میں اپنی کفایت اور حفظ و امانت کے متعلق جو کچھ جانتے تھے وہ لوگ نہیں جانتے تھے۔ بنا بریں سیدنا یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں زمین کے محاصل کے خزانوں کے انتظام پر مقرر کر دے۔ چنانچہ بادشاہ نے انہیں زمین کے محاصل کے خزانوں کا والی اور منتظم مقرر کر دیا۔ (تفسیر سعدی: 2/1265) (6) ان دو لفظوں میں سیدنا یوسف علیہ السلام نے ان تمام اوصاف کو جمع کر دیا جو ایک وزیر خزانہ میں ہونے چاہئیں کیونکہ پہلی ضرورت تو امین خزانہ کے لئے اس کی ہے کہ وہ سرکاری اموال کو ضائع نہ ہونے دے اور دوسری ضرورت اس کی ہے کہ جہاں جس قدر خرچ کرنا ضروری ہے، اس میں نہ کوتاہی کرے۔ (معارف القرآن: 5/88,89) (7) سیدنا یوسف علیہ السلام نے عہدے کی طلب اس لئے کی تاکہ وہ ملک میں احکام الہیہ کا اجراء کریں، حق کو قائم کریں، عدل کا بول بالا کریں اور ان مقاصد کی تکمیل کریں جن کے لیے انبیاء کرام مبعوث کیے جاتے ہیں۔ (انوار البیان: 3/105) (8) سیدنا عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امیر بننے کا سوال نہ کرنا کیونکہ اگر تیرے سوال کرنے پر امارت تیرے سپرد کر دی گئی تو تو اس کے سپرد کر دیا جائے گا (یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو جانے اور وہ جانے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیری مدد نہ ہوگی) اور اگر تجھے بغیر سوال کے امارت دے دی گئی تو اس پر تیری مدد کی جائے گی۔ (بخاری) (9) جب انسان کو اپنی اہلیت پر اعتماد و یقین ہو اور کوئی دوسرا شخص قومی امانت کا بوجھ نہ اٹھا سکتا ہو تو اپنے آپ کو عہدہ کے لئے پیش بھی کر سکتا ہے۔ (ابن کثیر) (10) صحابہ کرام سیدنا علی اور معاویہ اور سیدنا حسین اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہم کے جو اختلافات پیش آئے وہ سب اسی پر مبنی تھے کہ ان میں ہر ایک یہ خیال کرتا تھا کہ اس وقت فرانس خلافت کو میں اپنے مقابل سے زیادہ حکمت و قوت کے ساتھ پورا کر سکوں گا، جاہ و مال کی طلب کسی کا مقصد اصلی نہ تھا۔ (معارف القرآن: 5/91) (11) کافر یا فاسق حکمران کی حکومت کا عہدہ قبول کرنا خاص حالات میں جائز ہے لیکن امام ہصاص رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ ”فلن اکون ظھیرا۔۔“ کے تحت لکھا ہے کہ اس آیت کی رو سے ظالموں، کافروں کی اعانت کرنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن: 5/91)

﴿ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۖ يَتَّبِعُونَ إِلَّا مَرَضًا ۖ يَكْتُمُونَ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۖ لِيُؤْتِيَهُمُ الْبُرْصَةَ ۖ وَرَحْمَتًا مِنْ رَبِّهِمْ ۚ إِنَّهُمْ أَكْفَرُ مَا ظَهَرُوا ۚ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (56) ﴾

الْمُحْسِنِينَ (56) ﴿

” اور اس طرح ہم نے اس سرزمین میں یوسف کو اقتدار دیا وہ اس میں جگہ بنا تا تھا جہاں چاہتا تھا۔ ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور نیکی کرنے والوں کا اجر ہم ضائع نہیں کرتے۔“ (56)

سوال 1: ﴿وَكَذَلِكَ مَنَّ اللَّهُ يَوْسُفَ فِي الْأَمْثَلِ وَيَتَمَوُّا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ﴾ ” اور اس طرح ہم نے اس سرزمین میں یوسف کو اقتدار دیا وہ اس میں جگہ بناتا تھا جہاں چاہتا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكَذَلِكَ﴾ ” اور اس طرح“ یعنی ان اسباب اور تدابیر کی وجہ سے۔ (2) ﴿مَنَّ اللَّهُ يَوْسُفَ فِي الْأَمْثَلِ﴾ ” ہم نے اس سرزمین میں یوسف کو اقتدار دیا“ سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے اقتدار کا راستہ ہموار کیا گیا: (الف) سیدنا یوسف علیہ السلام کو الزام سے بری کر دیا گیا۔ (ب) بادشاہ کے دل میں ان کی قدر و منزلت پیدا کی گئی۔ (ج) سیدنا یوسف علیہ السلام کے طلب کردہ عہدے پر انہیں فائز کر دیا گیا۔ (3) اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کے ذریعے سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے مصر کی سرزمین میں قدم جما نے ممکن کر دیے۔ (4) ﴿يَتَمَوُّا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ﴾ ” وہ اس میں جگہ بناتا تھا جہاں چاہتا تھا“ اب انہیں اختیار تھا کہ وہ ملک میں جو چاہیں کریں، جہاں چاہیں رہیں۔ ایک وہ دور تھا کہ قید خانے میں زندگی محبوس تھی اور یہ دوسرا دور تھا جس میں سارا ملک، سارے خزانے ان کے قبضے میں تھے یوں وہ نعمتوں اور جاہ و جلال میں رہنے لگے۔ (5) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو سلطنت مصر میں ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے اور وہ ایک کافر بادشاہ کے وزیر اور ملازم نہ تھے۔ ہوسکتا ہے کہ بادشاہ (ریان بن ولید) نے از خود ہی زمام حکومت ان کے سپرد کر دی ہو۔ (روح المعانی) (اشرف الخواشی: 1/291)

سوال 2: ﴿يُؤْتِيكَ بِرَحْمَتِهِ مِنْ شَاءَ وَلَا نُؤْتِيهِمْ أَجْرًا مُمْسِكِينَ﴾ ” ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور نیکی کرنے والوں کا اجر ہم ضائع نہیں کرتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يُؤْتِيكَ بِرَحْمَتِهِ مِنْ شَاءَ﴾ ” ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں“ یعنی ہمارے احسان، رحمت اور نعمت کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کو یہ مقام ملا۔ (2) اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے، اپنی رحمت اور احسان سے جس پر چاہتے ہیں رحمتیں فرماتے ہیں۔ (3) یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام کو نعمت نبوت، اسلام اور نجات عطا فرمائی۔ (شرح قدی: 2/206) (4) ” ہم اپنی رحمت سے جسے چاہتے ہیں نوازتے ہیں“ اس سے اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ زمین پر ہونے والی تبدیلیوں کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مشکلات سے نکال کر آسانیوں میں لاتے ہیں، خوف کے بدلے امن عطا کرتے ہیں، قید سے نکال کر آزادی دیتے ہیں، لوگوں کے دلوں میں جگہ بناتے ہیں، پریشانیوں کے بدلے خوشیاں عطا کرتے ہیں۔ (5) ﴿وَلَا نُؤْتِيهِمْ أَجْرًا مُمْسِكِينَ﴾ ” اور نیکی کرنے والوں کا اجر ہم ضائع نہیں کرتے“ اللہ تعالیٰ نیک انسانوں کا صلہ برباد نہیں کرتے۔ چونکہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے ظلم کی وجہ سے جلا وطنی اور عزیز مصر کی بیوی کی وجہ سے قید کی زندگی پر صبر سے کام لیا تھا، اس لیے صبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں مصر پر حکمران بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ مخلص بندوں کا اجر ضائع نہیں کرتے اور سیدنا یوسف علیہ السلام کا شمار تو محسنین کے سرداروں میں ہوتا ہے۔ (6) سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل کتاب میں سے ایک شخص سے، جو مسلمان ہو گیا تھا، سنا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی ”اے داؤد مصیبت پر صبر کرتے میری طرف سے مدد پہنچے

گی۔“میمون بن مهران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر انسان نے صبر کے ذریعے ہی خیر سے حصہ پایا ہے۔ چاہے وہ نبی ہو یا کوئی اور ہو۔ مختصر بن بلال انصاری کے اشعار ہیں: ”کوئی بھی سخت دن ایسا نہیں (اگرچہ اس میں آنے والی مصیبت شدید ہو) جس کے بعد آسانی نہ آجاتی ہو اگر آدمی پر کسی دن ضرورت کا پورا کرنا مشکل ہو اور ضرورت اسے جکڑ لے تو وہ صبر کی چابی سے اسے کھولے۔“

﴿وَلَا جُزْءَ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ (57)

”اور یقیناً آخرت کا اجر ان لوگوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے ہیں۔“ (57)

سوال: ﴿وَلَا جُزْءَ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ ”اور یقیناً آخرت کا اجر ان لوگوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا جُزْءَ الْآخِرَةِ خَيْرٌ﴾ ”اور یقیناً آخرت کا اجر بہت ہی بہتر ہے“ یعنی آخرت کا اجر دنیا کی عطا سے بہتر ہے۔ (2) یعنی ایسے ایمان اور تقویٰ والے آخرت میں بڑا ہی انعام و اکرام پائیں گے، دنیا میں اقتدار و تصرف ملا اور آخرت میں جو کچھ ملے گا وہ بیان سے باہر ہے۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۗ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَكُلِّ نَفْسٍ وَحُسْنَ مَّآءٍ ۗ﴾ یہ ہماری عطا ہے سو احسان کرو یا روک رکھو، کوئی حساب نہیں ہے۔ اور بلاشبہ اس کا ہمارے یہاں یقیناً بڑا قرب ہے اور بہترین ٹھکانہ ہے۔ (س: 39، 40) (3) ﴿لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے“ یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کی۔ (4) ﴿وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے ہیں“ یعنی وہ شرک سے بچتے رہے۔ (5) یعنی جن لوگوں میں تقویٰ اور ایمان جمع ہے۔ پس تقویٰ کے ذریعے سے حرام امور، یعنی کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کو ترک کیا جاتا ہے اور ایمان کامل کے ذریعے سے ان امور میں تصدیق قلب حاصل ہوتی ہے جن امور کی تصدیق کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور فرض و مستحب، اعمال قلوب اور اعمال جوارح، تصدیق قلب کی پیروی کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1266/2) (6) مطلب یہ ہے کہ آدمی کو آخرت کی کامیابی کے لیے اصل کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ دنیا کا جاہ جلال اور عزت و شہرت سب عارضی ہے اور آخرت کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ (تیسیر الرحمن: 1/687)

رکوع نمبر 2

﴿وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ﴾ (58)

”اور یوسف کے بھائی آئے، پھر اس کے پاس داخل ہوئے تو اس نے انہیں پہچان لیا اور وہ اس کو پہچاننے والے نہ تھے۔“ (58)

سوال 1: ﴿وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ﴾ ”اور یوسف کے بھائی آئے“ مصر میں برادران یوسف کی آمد کا کیا سبب تھا؟

جواب: (1) سیدنا یوسف علیہ السلام کے دور میں جب قحط کے دور کا آغاز ہوا تو فلسطین بھی اس کی لپیٹ میں آگیا۔ قحط کا اثر کنعان کے شہروں پر

بھی پڑا جہاں یعقوب ؑ رہتے تھے۔ (2) سیدنا یوسف ؑ نے جب مصر کی وزارت سنبھالی تو اپنے حسن تدبیر سے پہلے سات سالوں میں اناج کو محفوظ رکھا۔ پھر سات سالہ قحط کے دور میں انہوں نے غریبوں اور قحط زدہ لوگوں میں غلہ بانٹنا شروع کر دیا۔ سیدنا یوسف ؑ کے پاس اناج کے لیے دو دراز سے لوگ آتے تھے اور وہ انہیں قیمت لے کر غلہ دیتے تھے۔ سیدنا یعقوب ؑ نے بھی بیٹوں کو اناج کے لیے مصر بھیجا۔ یوں برادران یوسف ؑ بھی قیمت لے کر دس اونٹوں پر سوار ہو کر مصر کی طرف چل پڑے۔ سیدنا یوسف ؑ نے بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا۔

سوال 2: ﴿فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَّفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ﴾ ”پھر اس کے پاس داخل ہوئے تو اس نے انہیں پہچان لیا اور وہ اس کو پہچاننے والے نہ تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَّفَهُمْ﴾ ”پھر اس کے پاس داخل ہوئے تو اس نے انہیں پہچان لیا“ جب دس بھائی سیدنا یوسف ؑ کے پاس آئے تو انہوں نے بھائیوں کو پہچان لیا۔ (2) ﴿وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ﴾ ”اور وہ اس کو پہچاننے والے نہ تھے“ برادران یوسف ؑ انہیں پہچان نہ پائے کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ جب انہوں نے یوسف ؑ کو کنوئیں میں پھینکا اس کے بعد ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ (3) اس وقت سیدنا یوسف ؑ کی عمر بھی چھوٹی تھی اور اب وہ مصر کے تحت سلطنت کے مالک بن جائیں گے، یہ بات تو بھائیوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ قَالَ اسْتُونِي بِآخِ لَكُمْ مِنْ آبَائِكُمْ اَلَا تَتَرَوْنَ اَنِّي اُودِي الْكَيْلَ وَاَنَا حَبِيْبٌ اَلْمُتَزَلِّينَ﴾ (59)

”اور جب اس نے ان کے سامان کے ساتھ انہیں تیار کر دیا تو کہا: ”اپنے اس بھائی کو میرے پاس لانا جو تمہارے باپ سے ہے کیا تم دیکھتے نہیں ہو یقیناً میں پورا ماپ دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں۔“ (59)

سوال 1: ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ قَالَ اسْتُونِي بِآخِ لَكُمْ مِنْ آبَائِكُمْ اَلَا تَتَرَوْنَ اَنِّي اُودِي الْكَيْلَ وَاَنَا حَبِيْبٌ اَلْمُتَزَلِّينَ﴾ ”اور جب اس نے ان کے سامان کے ساتھ انہیں تیار کر دیا تو کہا: ”اپنے اس بھائی کو میرے پاس لانا جو تمہارے باپ سے ہے کیا تم دیکھتے نہیں ہو یقیناً میں پورا ماپ دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ﴾ ”اور جب اس نے ان کے سامان کے ساتھ انہیں تیار کر دیا“ سیدنا یوسف ؑ نے ان کا سامان تیار کروا دیا جیسے وہ اناج ناپ کر دیتے تھے۔ انہوں نے ہر بھائی کو ایک اونٹ غلہ دیا اور ان سے ان کا حال پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ان کا ایک بھائی جنگل میں ہلاک ہو گیا تھا اور اس کا حقیقی بھائی ہے جو والد کے پاس ہے۔ (2) ﴿قَالَ﴾ ”کہا“ سیدنا یوسف ؑ نے فرمایا۔ (3) ﴿اسْتُونِي بِآخِ لَكُمْ مِنْ آبَائِكُمْ﴾ ”اپنے اس بھائی کو میرے پاس لانا جو تمہارے باپ سے ہے“ یعنی تم نے اپنے جس بھائی کا ذکر کیا ہے

اسے ساتھ لے آنا۔ (4) ﴿الْاَكْرَبُونَ اَبَاؤُ فِي الْكَيْدِ﴾ ”کیا تم دیکھتے نہیں ہو یقیناً میں پورا ماپ دیتا ہوں“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو رغبت دلاتے ہوئے فرمایا کہ تم نے دیکھا نہیں میں پورا پورا غلہ دیتا ہوں۔ (5) ﴿وَاَنَّا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ﴾ ”اور میں بہترین مہمان نواز ہوں“ میں نے تمہاری عزت و اکرام سے مہمان نوازی کی ہے، تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دی تو اپنے بھائی کو ساتھ لے آنا اگر اس کے حصے کا غلہ چاہئے۔ (6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کوئی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔“ (صحیح بخاری: 6018) (7) سیدنا ابو شریح خویلد بن عمرو خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے مہمان کی عزت کرتے ہوئے اس کا حق ادا کرنا چاہیے۔“ صحابہ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! اس کا حق کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایک دن اور ایک رات (یعنی اس میں اپنی طاقت کے مطابق بہتر کھانا تیار کرے) اور مہمان نوازی تین دن ہے۔ پس جو اس کے علاوہ ہو، وہ صدقہ ہے۔“ (صحیح بخاری: 6135)

سوال 2: ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا وعید ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيَلِّ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝﴾ ”ہلاکت ہے کمی کرنے والوں کے لیے۔“ (الطافین: 1)

﴿فَاِنْ لَّمْ تَأْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ (60)﴾

”پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لاؤ گے تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی ماپ نہیں اور نہ ہی تم میرے قریب آنا۔“ (60)

سوال: ﴿فَاِنْ لَّمْ تَأْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ﴾ ”پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لاؤ گے تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی ماپ نہیں اور نہ ہی تم میرے قریب آنا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاِنْ لَّمْ تَأْتُوْنِيْ بِهٖ﴾ ”پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لاؤ گے“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے یہ بات اپنا بھائی ساتھ نہ لانے کی صورت میں ڈراتے ہوئے ان سے کہی۔ (2) ﴿فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ﴾ ”تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی ماپ نہیں اور نہ ہی تم میرے قریب آنا“ یعنی بھائی کو نہیں لاؤ گے تو غلہ بھی نہیں ملے گا بلکہ تمہیں میرے پاس آنا ہی نہیں چاہئے۔ (3) یہ بات سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس لئے کہی، کیونکہ انہیں علم تھا کہ وہ مصران کے پاس ضرور آئیں گے اور اپنے بھائی کو ساتھ لانے پر مجبور ہوں گے۔ (تفسیر سعدی: 1268/2)

﴿قَالُوْا سُبْحٰنَ اٰبٰهٖ وَاٰنَا لَفٰعِلُوْنَ (61)﴾

”انہوں نے کہا: ”ہم اس کے بارے میں اس کے باپ کو ضرور آمادہ کریں گے اور بلاشبہ ہم ضرور کرنے والے ہیں۔“ (61)

سوال: ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَ اٰبٰهٖ وَاٰنَا لَفٰعِلُوْنَ﴾ ”انہوں نے کہا: ”ہم اس کے بارے میں اس کے باپ کو ضرور آمادہ کریں گے اور بلاشبہ ہم ضرور کرنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا سُبْحٰنَ اٰدَمِۦمۡۗ وَدَعْنٰهُ اَبٰۤاۗةً﴾ ”انہوں نے کہا: ”ہم اس کے بارے میں اس کے باپ کو ضرور آمادہ کریں گے“ برادران یوسف ﷺ بولے: ہم پوری طرح سے کوشش کریں گے کہ ہمارے والد بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ (2) اس آیت میں سیدنا یعقوب ﷺ کی بنیامین سے محبت کی دلیل ہے اسی لیے برادران یوسف ﷺ نے کہا کہ ہم بنیامین کو لانے کی تدبیر کریں گے۔ (3) ﴿وَاِنَّا لَفَاعِلُونَ﴾ ”اور بلاشبہ ہم ضرور کرنے والے ہیں“ یعنی برادران یوسف ﷺ نے بھائی کو لانے کا وعدہ کر لیا۔

﴿وَقَالَ لِفَتٰیۡنٰہِ اِجْعَلُوۤاۤ اِیۡضًا عَتَمَہُمۡ فِیۡ رَحٰلِہِمۡ لَعَلَّہُمۡ یَعْرِفُوۡنَہَاۗ اِذَا اُنۡقَلِبُوۡاۤ اِلٰیۤ اٰہْلِہِمۡ لَعَلَّہُمۡ یَرْجِعُوۡنَ (62)﴾

”اور یوسف نے اپنے جوانوں سے کہا کہ ان کی رقم ان کے کجاووں میں رکھ دو تا کہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں تو اس کو پہچان لیں، شاید وہ لوٹ آئیں۔“ (62)

سوال 1: ﴿وَقَالَ لِفَتٰیۡنٰہِ اِجْعَلُوۤاۤ اِیۡضًا عَتَمَہُمۡ فِیۡ رَحٰلِہِمۡ لَعَلَّہُمۡ یَعْرِفُوۡنَہَاۗ اِذَا اُنۡقَلِبُوۡاۤ اِلٰیۤ اٰہْلِہِمۡ لَعَلَّہُمۡ یَرْجِعُوۡنَ﴾ ”اور یوسف نے اپنے جوانوں سے کہا کہ ان کی رقم ان کے کجاووں میں رکھ دو تا کہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں تو اس کو پہچان لیں، شاید وہ لوٹ آئیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالَ لِفَتٰیۡنٰہِ﴾ ”اور یوسف نے اپنے جوانوں سے کہا“ سیدنا یوسف ﷺ نے بھائیوں کے واپس آنے کی ایک اور تدبیر کی، انہوں نے اپنے غلاموں اور خادموں سے کہا۔ (2) ﴿اِجْعَلُوۤاۤ اِیۡضًا عَتَمَہُمۡ فِیۡ رَحٰلِہِمۡ﴾ ”ان کی رقم ان کے کجاووں میں رکھ دو“ ان کی رقم چپکے سے ان کے کجاووں میں رکھ دو، جس کے بدلے میں انہوں نے غلہ خریدا تھا۔ (3) ﴿لَعَلَّہُمۡ یَعْرِفُوۡنَہَاۗ اِذَا اُنۡقَلِبُوۡاۤ اِلٰیۤ اٰہْلِہِمۡ﴾ ”تا کہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں تو اس کو پہچان لیں“ یعنی گھر جا کر جب وہ سامان میں اپنی قیمت دیکھیں گے تو ہو سکتا ہے کہ اس احسان کو پہچان لیں۔ (4) سیدنا یوسف ﷺ نے اپنے بھائیوں سے غلے کے پورے تول کے ذریعے بھلائی کی، پھر قیمت واپس لوٹادی یہ احسان بھی ان پر واجب ٹھہراتا تھا کہ احسان کرنے والے یوسف ﷺ سے وفاداری کریں اور بھائی کو لے کر دوبارہ مصر پہنچیں۔ (5) ﴿لَعَلَّہُمۡ یَرْجِعُوۡنَ﴾ ”شاید وہ لوٹ آئیں“ یعنی شاید وہ احسان دیکھ کر لوٹ آئیں یا وہ اپنے مال کی واپسی کو گناہ سمجھ کر واپس کرنے کے لیے مصر آئیں۔ (6) کیونکہ جب ان کے پاس غلہ خریدنے کے لئے پونجی ہوگی تو آنے کی راہ میں رکاوٹ دور ہو جائے گی۔ (روح اشرف: 1/292)

﴿فَلَمَّا رَجَعُوۡاۤ اِلٰیۤ اٰہْلِہِمۡ قَالُوۡۤاۤ اٰیٰۤاۤ بَاۤاۤنَاۤ مِیۡمَۡنَاۤ لَکِیۡلٌۢ فَاٰرۡسَلۡ مَعَنَاۤ اَخٰۤاۤنَاۤ کٰتِبًاۙ وَ اِنَّا لَخٰطِیۡۡۡنُوۡنَ (63)﴾

”چنانچہ جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹ آئے تو انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! ہم سے ماپ روک دیا گیا ہے لہذا ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم (غلے کا) ماپ لائیں اور بلاشبہ ہم ہی اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔“ (63)

سوال: ﴿فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ آيَاتِهِمْ قَالُوا يَا بَانَ مَنِ مِمَّا نَكِيدُ فَلَمَّا سئلَ مَعَنَا آخَانًا كُنْتُمْ وَإِنَّا لَكُلْفُظُونَ﴾ ”چنانچہ جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹ آئے تو انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! ہم سے ماپ روک دیا گیا ہے لہذا ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم (غلے کا) ماپ لائیں اور بلاشبہ ہم ہی اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ آيَاتِهِمْ قَالُوا يَا بَانَ مَنِ مِمَّا نَكِيدُ﴾ ”چنانچہ جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹ آئے تو انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! ہم سے ماپ روک دیا گیا ہے“ جب برادران یوسف علیہ السلام مصر سے واپس کنعان اپنے والد یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو بولے کہ مصر سے مزید غلے کو اس وقت تک کے لیے روک دیا گیا ہے جب تک ہم بنیامین کو ساتھ نہیں لے جاتے۔ (2) ﴿فَلَمَّا سئلَ مَعَنَا آخَانًا كُنْتُمْ﴾ ”لہذا ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم (غلے کا) ماپ لائیں“ برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا: ہمارے بھائی بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ایک اونٹ مزید غلہ ہمیں مل جائے۔ اس کی وجہ سے ہمیں مزید اناج حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔ (3) ﴿وَإِنَّا لَكُلْفُظُونَ﴾ ”اور بلاشبہ ہم ہی اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں“ برادران یوسف علیہ السلام نے بھائی کی حفاظت کی ذمہ داری لی اور کہا کہ ان شاء اللہ ہم خیر و عافیت سے اسے واپس لائیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے۔

﴿قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا آمَنُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِن قَبْلُ ۗ قَالَ اللَّهُ حَيْثُ حَفِظْتُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ﴾ (64)

”یعقوب نے کہا: ”نہیں میں اس کے بارے میں تم پر اعتبار کرتا مگر جیسا اعتبار میں نے اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تم پر کیا تھا؟“ سوال اللہ تعالیٰ ہی بہترین حفاظت کرنے والا ہے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“ (64)

سوال: ﴿قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا آمَنُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِن قَبْلُ﴾ ”یعقوب نے کہا: ”نہیں میں اس کے بارے میں تم پر اعتبار کرتا مگر جیسا اعتبار میں نے اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تم پر کیا تھا؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ”سیدنا یعقوب علیہ السلام نے ان سے کہا۔ (2) ﴿هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا آمَنُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِن قَبْلُ﴾ ”نہیں میں اس کے بارے میں تم پر اعتبار کرتا مگر جیسا اعتبار میں نے اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تم پر کیا تھا؟“ یعنی جس طرح آپ لوگوں نے اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کی حفاظت کی ذمہ داری کا وعدہ کیا تھا اور اسے پورا نہیں کیا تھا اسی طرح اب تم اس کی بھی حفاظت کرو گے؟ (3) یعنی تم نے پہلی حفاظت کے وعدے کو نہیں نبھایا اب مجھے تمہارے عہد پر اعتماد نہیں۔ (4) بغرض اصلاح خطا کا روکتلا دینا بھی مناسب ہے کہ تمہارے معاملہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ تمہاری بات نہ مانی جاتی، مگر ہم اس سے درگزر کرتے ہیں تاکہ وہ آئندہ شرمندہ ہو کر اس سے تائب ہو جائے۔ (معارف القرآن: 105/5) (5) ﴿قَالَ اللَّهُ حَيْثُ حَفِظْتُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ﴾ ”سوال اللہ تعالیٰ ہی بہترین حفاظت کرنے والا ہے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے“ یعنی میں تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر بھروسہ کرتا ہوں۔ وہ

بہترین حفاظت کرنے والا ہے۔ مجھے اس کی حفاظت چاہئے۔ اسے میرے حالات کا علم ہے وہ ضرور مجھ پر رحم کرے گا۔ یقیناً وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے اور وہ ضرور اس کی حفاظت فرمائے گا اور اسے میرے پاس لے آئے گا اور میری مدد فرمائے گا۔ (6) حفاظت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو طاقت حاصل نہیں ہے۔ اس کے چاہنے سے حفاظت ہوتی ہے اور نہ چاہنے سے نہیں ہوتی۔

﴿وَلَبَّاتِمَّحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ مُرَدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا بَنَاتَ مَا نَبِئُكِ هُنَّ بِضَاعَتُنَّ مُرَدَّتْ إِلَيْنَا وَنَبِيُّهُنَّ أَهْلُكَاو نَحْفَظُ أَخَاكَ وَنَزِدَا دُكَيْنًا بَعِيرًا ۖ ذَلِكَ كَيْدٌ لِّسَيِّئٍ (65)﴾

”اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے پایا کہ انہیں ان کا مال بھی واپس کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ ہے ہمارا مال، ہماری طرف لوٹا دیا گیا ہے اور ہم اپنے اہل و عیال کے لیے غلہ لائیں گے اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ہم ایک اونٹ کا (غلہ) ماپ زیادہ لائیں گے اور یہ تو آسان ماپ ہے۔“ (65)

سوال 1: ﴿وَلَبَّاتِمَّحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ مُرَدَّتْ إِلَيْهِمْ﴾ ”اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے پایا کہ انہیں ان کا مال بھی واپس کر دیا گیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے پایا کہ انہیں ان کا مال بھی واپس کر دیا گیا ہے“ جب برادران یوسف علیہ السلام نے گھر واپس پہنچ کر سامان کھولا تو اس میں سے وہ رقم نکلی جو چلتے ہوئے یوسف علیہ السلام نے اپنے خادموں سے رکھوائی تھی۔ (2) یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ انہیں معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام نے یہ مال قصداً واپس کیا تھا اور وہ اس مال کا واپس بھائیوں کو مالک بنانا چاہتے تھے۔ (تفسیر سعدی: 2/1269)

سوال 2: ﴿قَالُوا يَا بَنَاتَ مَا نَبِئُكِ هُنَّ بِضَاعَتُنَّ مُرَدَّتْ إِلَيْنَا وَنَبِيُّهُنَّ أَهْلُكَاو نَحْفَظُ أَخَاكَ وَنَزِدَا دُكَيْنًا بَعِيرًا ۖ ذَلِكَ كَيْدٌ لِّسَيِّئٍ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ ہے ہمارا مال، ہماری طرف لوٹا دیا گیا ہے اور ہم اپنے اہل و عیال کے لیے غلہ لائیں گے اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ہم ایک اونٹ کا (غلہ) ماپ زیادہ لائیں گے اور یہ تو آسان ماپ ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا يَا بَنَاتَ مَا نَبِئُكِ هُنَّ بِضَاعَتُنَّ مُرَدَّتْ إِلَيْنَا﴾ ”انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ ہے ہمارا مال، ہماری طرف لوٹا دیا گیا ہے“ انہوں نے اپنی رقم دیکھ کر خوشی کے مارے کہا کہ ہمیں اتنے عزت و احترام کے ساتھ رقم بھی واپس کر دی گئی ہے اور ہمیں کیا چاہئے۔ (2) انہوں نے اپنے والد کو ترغیب دلائی کہ ہمیں اناج بھی مل گیا، رقم بھی مل گئی۔ یہ دینے والے کے

اخلاص اور حسن اخلاق پر دلیل ہے۔ (3) ﴿وَتَبَيَّنُوا أَهْلَنَا﴾ ”اور ہم اپنے اہل و عیال کے لیے غلہ لائیں گے“ اب آپ ہمارے ساتھ بھائی کو بھیج دیں تو ہم غلہ بھی لے آئیں گے کیونکہ گھر والے خوراک کے سخت محتاج ہیں۔ (4) ﴿وَوَحَّفَظَ أَخَانَا﴾ ”اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے“ اور اپنے بھائی کی نگرانی بھی کریں گے۔ (5) ﴿وَنَزَّادُ كَيْلَ بَعِيرٍ﴾ ”اور ہم ایک اونٹ کا (غلہ) ماپ زیادہ لائیں گے“ یعنی جب ہمارا بھائی ہمارے ساتھ ہوگا تو ہمیں زیادہ غلہ ملے گا کیونکہ یوسف علیہ السلام ہر شخص کو ایک اونٹ یا ایک گدھا غلہ دیا کرتے تھے۔ دقینطی زبان میں گدھے کو بھی بھیر کہا جاتا ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 890/1) (6) ﴿ذَلِكَ كَيْلَ بَيْسُوتٍ﴾ ”اور یہ تو آسان ماپ ہے“ یعنی یہ غلہ حاصل کرنے کا بڑا آسان طریقہ ہے جس سے نقصان نہیں ہوگا۔ اسی میں فائدہ ہے اور زیادہ عرصہ نہیں لگے گا۔

﴿قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا

نَقُولُ وَكَيْلٌ (66)﴾

”یعقوب نے کہا: ”میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کے نام کا پختہ عہد نہ دے دو کہ تم ضرور اس کو میرے پاس لاؤ گے مگر یہ اور بات ہے کہ تم سب ہی گھیر لیے جاؤ۔“ پھر جب انہوں نے اس کو اپنا پختہ عہد دے دیا تو اس نے کہا: ”جو ہم سب کہہ رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ضامن ہے۔“ (66)

سوال 1: ﴿قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ﴾ ”یعقوب نے کہا: ”میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کے نام کا پختہ عہد نہ دے دو کہ تم ضرور اس کو میرے پاس لاؤ گے، مگر یہ اور بات ہے کہ تم سب ہی گھیر لیے جاؤ“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”یعقوب نے کہا: ”میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کے نام کا پختہ عہد نہ دے دو کہ تم ضرور اس کو میرے پاس لاؤ گے، مگر یہ اور بات ہے کہ تم سب ہی گھیر لیے جاؤ“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ جب تک تم بنیامین کو واپس لانے کی قسم نہیں کھاؤ گے میں اسے تمہارے ساتھ بھیجنے کے لیے ہرگز راضی نہیں ہوں گا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کہیں تم سب گھیر لیے جاؤ اور چھڑا نہ پاؤ تو اور بات ہے یعنی ایسی صورت حال جس پر تمہارا بس نہ چلتا ہو اور تم اسے ہٹانے کی قدرت نہ رکھتے ہو۔

سوال 2: ﴿فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكَيْلٌ﴾ ”پھر جب انہوں نے اس کو اپنا پختہ عہد دے دیا تو اس نے کہا: ”جو ہم سب کہہ رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ضامن ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ﴾ ”پھر جب انہوں نے اس کو اپنا پختہ عہد دے دیا“ جب برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کی خواہش کے مطابق قسمیں کھا کر پختہ عہد و پیمان دے دیا۔ (2) ﴿قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكَيْلٌ﴾ ”اس نے کہا: ”جو ہم سب کہہ رہے ہیں اس

پر اللہ تعالیٰ ضامن ہے، سیدنا یعقوب علیہ السلام نے قسموں کے بعد اس قول و قرار کی مضبوطی کے لیے فرمایا کہ ہماری باتوں پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔ اس کی حفاظت کے ہم محتاج اور اس کی رحمت کے تمنائی ہیں۔ یوں سیدنا یعقوب علیہ السلام کو مجبوراً بنیامین کو بھیجنا پڑا کیونکہ غلے کے بغیر گزارا نہ تھا اور بیٹے کے جائے بغیر اناج کا ملنا ممکن نہیں تھا۔

﴿ وَقَالَ يَبْنَى لَا تَدْخُلُوا مِن بَابٍ وَاحِدٍ وَاذْخُلُوا مِن أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۗ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا

لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۗ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ (67) ﴾

”اور یعقوب نے کہا: ”اے میرے بیٹو! تم سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (آنے والی) کسی چیز کو نہیں ہٹا سکتا، حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور لازم ہے کہ بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کریں۔“ (67)

سوال 1: ﴿ وَقَالَ يَبْنَى لَا تَدْخُلُوا مِن بَابٍ وَاحِدٍ وَاذْخُلُوا مِن أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ﴾ اور یعقوب نے کہا: ”اے میرے بیٹو! تم سب

ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا یعقوب علیہ السلام نے چلتے وقت بیٹوں کو وصیت کی کہ جب وہ مصر میں داخل ہوں تو ایک ہی دروازے سے نہ جائیں بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہوں۔ ان کے دل میں یہ اندیشہ غالب تھا کہ اگر ایک دروازے سے جائیں گے تو شاید کسی آفت میں گرفتار ہو جائیں جب کہ الگ الگ جانے میں نسبتاً عافیت ہے۔ (2) یعنی وہ بھائیوں کی کثرت کی وجہ سے نظر لگنے سے ڈرتے تھے۔ (3) صحیح احادیث سے بھی یہ ثابت ہے: العین حق یعنی نظر بد کا لگ جانا ایک حقیقت ہے۔ عہد نبوی میں بہت سے لوگوں کو نظر بد سے نقصان کا پہنچنا ثابت ہے۔ ایک حدیث میں نظر بد کی شدت تاثیر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ”اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر سکتی تو نظر بد سبقت لے جاتی۔“ (فتح القدر، روح اشرف)

سوال 2: نظر لگنے کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: (1) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”الْعَيْنُ حَقٌّ“ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نظر لگنا برحق ہے۔“ (صحیح بخاری: 5740) (2) سیدنا ابو مامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ”میرے باپ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے خزار جگہ میں بہتے ہوئے پانی میں غسل کے ارادے سے اپنا کپڑا اتارا تو عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ انھیں دیکھ رہے تھے، میرے والد محترم بہت زیادہ خوب صورت اور گورے چٹے تھے۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اس کی خوب صورتی ایک ماہ پارہ دو شیزہ کی طرح ہے، اتنا خوب صورت جسم میں نے آج تک نہیں دیکھا۔“ بس یہ کہنا تھا کہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ وہیں گر پڑے اور انھیں سخت بخار ہو گیا، ان کی بیماری کی

خبر رسول اکرم ﷺ کو دی گئی اور بتایا گیا کہ وہ سر نہیں اٹھا رہے (یعنی بہت زیادہ بیمار ہیں)۔ آپ ﷺ نے پوچھا ”کیا تم لوگوں کو کسی آدمی پر شک ہے کہ اس کی وجہ سے ایسا ہوا ہے؟“ لوگوں نے کہا: ”ہاں! عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔“ آپ ﷺ نے انہیں بلایا اور غصے سے فرمایا: ”آخر تم میں سے کوئی اپنے ہی بھائی کو کیوں ہلاک کرتا ہے؟ اس کے لیے تم نے برکت کی دعا کیوں نہیں کی؟ اس کے لیے غسل کرو۔“ تب جناب عامر رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ، دونوں کہنیاں، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں اور اپنی تہ بند کا اندرونی حصہ ایک برتن میں دھویا۔ پھر وہی پانی جناب سہل رضی اللہ عنہ پر پیچھے سے انڈیل دیا گیا اور وہ اسی وقت شفا یاب ہو گئے۔“ (موطا امام مالک، کتاب العین، باب الوضوء، عین: 1، سنن ابن ماجہ کتاب الطب باب العین: 3509)

سوال 3: نظر بد کا علاج کیا ہے؟

جواب: (1) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لیے پناہ طلب کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمہارے بزرگ دادا (ابراہیم علیہ السلام) بھی ان کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی پناہ اسماعیل اور اسحاق علیہ السلام کے لیے مانگا کرتے تھے: اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ۔ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے پورے پورے کلمات کے ذریعہ ہر ایک شیطان سے اور ہر زہریلے جانور سے اور ہر نقصان پہنچانے والی نظر بد سے۔ (صحیح بخاری: 3371) (2) سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایسے دموں میں کوئی حرج نہیں جن میں شرک نہ ہو۔ (مسلم: 5732) (3) اگر یہ پتہ چل جائے کہ کس کی نظر لگی ہے تو اسے غسل کرنے کے لئے کہا جائے۔ پھر غسل والے پانی سے نظر بد کے متاثرہ شخص پر پانی بہا دیا جائے۔ اس طرح شفا نصیب ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ: 3509) (ii) سورة الاخلاص، سورة الفلق، سورة الناس (بخاری: 5017) اور یہ دعائیں پڑھ کر مریض پر دم کیا جائے: بِاسْمِ اللّٰهِ يُرِيكَ وَمِنْ كُلِّ دَاءٍ يَّشْفِيكَ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ وَشَرِّ كُلِّ ذِي عَيْنٍ۔“ اللہ تعالیٰ کے نام سے میں مدد چاہتا ہوں۔ وہ تمہیں ہر بیماری سے اچھا کرے گا۔ تمہیں ہر حسد کرنے والے کی برائی سے محفوظ رکھے گا اور ہر بری نظر ڈالنے والے کی نظر سے تمہیں بچائے گا۔“ (مسلم: 5699) اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْهِبَ النَّاسِ اَشْفِ اَنْتَ الشَّافِي لَا شَافِيَ اِلَّا اَنْتَ شَفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا۔“ اللہ تعالیٰ کے نام سے ہر اس چیز کے شر سے جو آپ کو تکلیف دینے والی ہو اور ہر نفس یا حسد کرنے والی آنکھ کے شر سے میں آپ کو دم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔“ (بخاری: 5742)

سوال 4: نبی ﷺ نے نظر سے بچنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے؟

جواب: (1) جب کوئی چیز اچھی لگے تو بارک اللہ کہیں۔ (موطا امام مالک) (2) اسی طرح ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ پڑھنا قرآن حکیم سے ثابت ہے۔ (الکھف: 37)

سوال 5: ﴿وَمَا اَعْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور میں تم سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (آنے والی) کسی چیز کو نہیں ہٹا سکتا، کی

وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور میں تم سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (آنے والی) کسی چیز کو نہیں ہٹا سکتا“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بھی یہ وضاحت کر دی کہ میری تدبیر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتی۔ تقدیر میں جو لکھا ہے ہو کر رہے گا۔ (2) مفسر ابو السعد دیکھتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کا مقصد یہ نہیں تھا کہ احتیاط بے کار چیز ہے۔ (تفسیر ابی السعد) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَا تُنْفِقُوا اَمْوَالِكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ (البقرہ: 195) (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿خُذُوا حِذْرَكُمْ﴾ اپنے بچاؤ کا سامان پکڑے رکھو۔ (النساء: 102) (5) ان کا مقصد یہ بتانا تھا کہ احتیاط ہی مقصود اصلی نہیں ہے۔ بلکہ محض تدبیر ہے جسے مفید بنانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اور تدبیر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی ہے، وہ اللہ سے مدد حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اور اس سے بھاگ کر اسی کی جناب میں پناہ لینے والی بات ہے۔ (تیسر الرحمن: 690/1)

سوال 6: ﴿اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ ”حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ الْحُكْمَ﴾ یعنی امر اور قضاء۔ (2) ﴿اِلَّا لِلّٰهِ﴾ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ (3) یعنی فیصلہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور حکم وہی ہے جو اس کا حکم ہے۔ پس جس چیز کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کر دے وہ ضرور واقع ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1270/2) (4) جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ کائنات میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ (5) اللہ تعالیٰ کی چاہت پوری ہو کر رہتی ہے۔

سوال 7: ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ ”میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور لازم ہے کہ بھروسہ کرنے والے اسی پر

بھروسہ کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ ”میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو میں نے تمہیں جن اسباب کو اختیار کرنے کی وصیت کی ہے میں ان پر اعتماد نہیں کرتا میں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہوں۔ (2) یعنی میں تو اپنے معاملات اسی کے سپرد کرتا ہوں۔ (ایسر التفسیر: 687) (3) ﴿وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ ”اور لازم ہے کہ بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کریں“ توکل کرنے والوں کو اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے چاہئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کافی ہے اس کے سوا کوئی کفایت کرنے والا نہیں۔

سوال 8: توکل کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا ایمان کے بڑے واجبات میں سے ہے جس کے زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ توکل رب رحمن کے قریب کرنے والے افضل اعمال اور دل کی عبادت میں سے ہے۔ توکل توحید کا اعلیٰ مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس سے استعانت طلب کئے بغیر بندہ سارے کاموں کو انجام دینے کے قابل نہیں ہوتا۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: توکل آدھا دین ہے اور آدھا دین انابت ہے۔ یقیناً دین استعانت (اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا) اور عبادت ہے۔ توکل استعانت ہے اور انابت عبادت ہے۔ (ابن قیم،

مدارج السالکین (2/113) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا جماع الایمان ہے۔ (ابن ابی شیبہ: 202/7) (2) توکل کا تعلق واجبات، مستحبات اور مباحات سبھی سے ہے۔ مسلمان اپنے تمام کاموں میں توکل کرنا مستحب ہی نہیں بلکہ دینی فریضہ سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (i) ﴿قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا خُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابُ ۖ فَاِذَا دَخَلْتُمُْوهُ فَاِنَّكُمْ عَلَيْهِمْ مُّوَكَّلُونَ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فْتُو كَلُّوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ ان لوگوں میں سے دو آدمیوں نے کہا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا تھا ”ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ پھر جب تم اس سے داخل ہو جاؤ گے تو یقیناً تم ہی غالب ہونے والے ہو اور اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرو، اگر تم مومن ہو۔“ (المائدہ: 23) (ii) ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَعَلَى اللَّهِ فُتُو كَلِّ الْمُوْمِنُوْنَ ۝﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ایمان والوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں۔ (التہابن: 13) (3) توکل کے لغوی معنی: اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا، اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا، توکل اپنی عاجزی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا نام ہے۔ (4) توکل کے اصطلاحی معنی: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بندے کا اپنے رب پر توکل کرنے سے مراد یہ ہے کہ بندہ جانتا ہے کہ وہ قابل اعتماد ہے۔ ابن رجب کہتے ہیں کہ توکل دنیا اور آخرت کے تمام امور میں نفع کے حصول اور نقصان سے دور رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر دل کا سچا اعتماد ہے۔ (جامع العلوم والقلم: 437) ابو بکر الجزازی لکھتے ہیں: اسباب کو کام میں لاتے ہوئے نتیجہ کو رب تعالیٰ کے حوالے کر دینا اور ساتھ ہی یہ ایمان اور یقین رکھنا کہ کامیابی کا مدار اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی رحمت پر ہے توکل کہلاتا ہے۔ (عقیدۃ المؤمن: 153) (5) توکل دل کی عبادت ہے۔ دل کا یہ اعتماد کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔ توکل کرنے والا دل میں اس یقین کو جما کر کوشش کرتا ہے لیکن کوشش پر بھروسہ کرنے کی بجائے رب پر اعتماد کرتا ہے کہ میں جو کچھ بھی کر لوں، ہوگا وہی جو رب چاہے گا یا جس پر وہ راضی ہوگا اور جو وہ نہیں چاہے گا نہیں ہوگا۔ وہ کامل قدرت رکھنے والا، رازق، خالق، زندگی دینے والا، موت سے ہم کنار کرنے والا، کامل علم والا، کامل حکمت والا اپنے بندوں کے لئے کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا کوئی رب نہیں۔ توکل میں استعانت شامل ہے۔ استعانت عبادت کے لئے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ میں: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ میں اپنی عبادت اور استعانت اور اپنے اوپر توکل کو جمع کر دیا۔ توکل میں دو باتیں اکٹھی ہوتی ہیں: اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین اور اعتماد اور تدبیر کرنا۔ حافظ ابن قیم رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں: توکل کا راز اور اس کی حقیقت دل کا اللہ وحدہ پر اعتماد کرنا ہے جس کو تدبیروں کا جمع کرنا نقصان نہیں دیتا لیکن اس کے ساتھ دل کا صرف ایک اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور اس کی طرف جھکنا ہے۔ (الفوائد: 87) اسی وجہ سے اگر اسباب ختم بھی ہو جائیں تو توکل کرنے والے پر اثر انداز نہیں ہوتے کیونکہ وہ دل کی گہرائیوں سے یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی اور موجود ہے۔ (6) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تدبیر اختیار کرنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والے تھے۔ (i) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن دوزر ہیں نہیں۔ (ii) فتح مکہ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر پر خود پہنی۔ (iii) ہجرت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام راستے سے ہٹ کر راستہ اختیار فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بھی یہی تعلیم دی۔ (7) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول

ﷺ نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو بھی ایسے رزق دیا جائے جیسا کہ پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ صبح کو وہ گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔ (ترمذی: 2344) (8) سیدہ مریم علیہا السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا تھا جب کہ وہ حاملہ تھیں اور کمزور بھی جب کہ کھجور کا درخت مضبوط تھا۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَهُذِيَ إِلَيْكَ بِجَذْعِ النَّخْلَةِ نُسِقَتْ عَلَيْكَ مُطَابًا جَنِينًا﴾ اور تم کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، تمہارے اوپر تروتازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا۔ (مریم: 25) (9) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ: توکل اللہ تعالیٰ کے واجبات میں سے بڑا واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توکل کرنے کا حکم دیا ہے جیسے جنابت سے وضو اور غسل کرنے کا حکم دیا ہے اور غیر اللہ پر توکل کرنے سے منع کیا ہے۔ (مجموع الفتاویٰ: 16) (10) نبی ﷺ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے تھے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کلمہ حسنا اللہ نعم الوکیل ابرہیم علیہ السلام نے کہا تھا اس وقت جب ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور یہی کلمہ محمد ﷺ نے اس وقت کہا تھا جب لوگوں نے مسلمانوں کو ڈرانے کے لیے کہا تھا کہ لوگوں (یعنی قریش) نے تمہارے خلاف بڑا سامان جنگ اکٹھا کر رکھا ہے ان سے ڈرو لیکن اس بات نے ان مسلمانوں کا (جوش) ایمان اور بڑھا دیا اور یہ مسلمان بولے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کام بنانے والا ہے۔ (بخاری: 4563)

﴿وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةٌ فِي نَفْسٍ يَعْقُوبَ قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَكُدُو

عَلِمَ لِمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (68)﴾

”اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے ان کو ہدایت کی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کوئی چیز ان سے ہٹا نہیں سکتا تھا مگر یعقوب کے دل میں ایک تمنا تھی جس کو اس نے پورا کیا اور بلاشبہ وہ یقیناً صاحب علم تھا اس لئے کہ ہم نے اسے سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“ (68)

سوال 1: ﴿وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةٌ فِي نَفْسٍ يَعْقُوبَ قَضَاهَا﴾ اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے ان کو ہدایت کی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کوئی چیز ان سے ہٹا نہیں سکتا تھا مگر یعقوب کے دل میں ایک تمنا تھی جس کو اس نے پورا کیا، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَمَّا﴾ اور جب، یعنی جب برادران یوسف وہاں سے روانہ ہو گئے۔ (2) ﴿دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ﴾ ”وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے ان کو ہدایت کی تھی“ تو سب بھائی اپنے والد یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے مطابق کئی دروازوں سے داخل ہونے کے لیے الگ ہو گئے۔ (3) ﴿مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ”وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کوئی چیز ان سے ہٹا نہیں سکتا تھا“ سیدنا یعقوب علیہ السلام کی تدبیر سے تقدیر ٹل نہیں سکی۔ وہ تدبیر جو آفت سے بچنے کے لیے انہوں نے اپنے بیٹوں کے لیے اختیار

کی تھی۔ (4) ﴿الْأَحَابَةُ فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا﴾ ”مگر یعقوب کے دل میں ایک تمنا تھی جس کو اس نے پورا کیا“، یعنی وہ خواہش تو اولاد کی محبت کے باعث تھی جس کی وجہ سے انہیں اطمینان ہو گیا۔ بس ان کے دل میں ایک خیال تھا جسے انہوں نے پورا کر لیا۔

سوال 2: ﴿وَرَأَيْتُ لُذُوعِلِمَ لِمَا عَمِلْتُمْ وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”اور بلاشبہ وہ یقیناً صاحب علم تھا اس لئے کہ ہم نے اسے سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے یعقوب علیہ السلام کے علم کی تعریف فرمائی ہے ﴿وَرَأَيْتُ لُذُوعِلِمَ﴾ ”اور بلاشبہ وہ یقیناً صاحب علم تھا“، وہ عظیم علم کے مالک تھے۔ (2) ﴿لِمَا عَمِلْتُمْ﴾ ”اس لئے کہ ہم نے اسے سکھایا تھا“، یعنی انہوں نے اپنی قوت و اختیار سے اس کا ادراک نہیں کیا تھا، بلکہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا عطا کردہ علم کا فرما تھا۔ (تفسیر سعدی: 2/1271) (3) ﴿وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں“، یعنی وہ چیز نہیں جانتے جو یعقوب علیہ السلام اپنے دینی معاملات کے بارے میں جانتے تھے۔ (قرطبی: 5/160، 161) (4) یعنی اکثر لوگ نہیں جانتے کہ کیسے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی ایسے علوم کی طرف راہ نمائی فرماتا ہے جو دنیا اور آخرت میں ان کے لیے نفع مند ہوتے ہیں اور ان علوم میں سے ہے ظاہری اسباب کو اختیار کر کے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔ (تفسیر مزیر: 7/281) (5) اکثر لوگ معاملات کے انجام اور اشیاء کی باریکیوں کو نہیں جانتے۔ اسی طرح اہل علم پر بھی علم، احکام اور اس کے لوازم میں سے بہت کچھ مخفی رہ جاتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1271)

رکوع نمبر 3

﴿وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا خُوكَ فَلَا تَتَّبِعُنِي بِهَا كَانُوا يَعْبُدُونَ﴾ (69)

”اور جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ہی جگہ دی، اس نے کہا: ”بلاشبہ میں ہی تمہارا بھائی ہوں، سوان باتوں کا غم نہ کرو جو وہ کرتے رہے ہیں۔“ (69)

سوال 1: ﴿وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا خُوكَ فَلَا تَتَّبِعُنِي بِهَا كَانُوا يَعْبُدُونَ﴾ ”اور جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ہی جگہ دی، اس نے کہا: ”بلاشبہ میں ہی تمہارا بھائی ہوں، سوان باتوں کا غم نہ کرو جو وہ کرتے رہے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ﴾ ”اور جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے“ جب برادران یوسف علیہ السلام ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ سیدنا یوسف علیہ السلام کا حقیقی بھائی بنیامین بھی تھا۔ (2) ﴿أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ﴾ ”تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ہی جگہ دی“، سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو پاس بلا کر بٹھایا۔ انہیں شاہی مہمان خانے میں رکھا۔ ان کی خوب مہمان نوازی کی اور انتہائی محبت

سے پیش آئے۔ (3) یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو بھائیوں سے الگ کر لیا اور کھانے اور رات کے اوقات میں انہیں اپنے پاس رکھا۔ (4) سیدنا یوسف علیہ السلام نے ہر کمرے میں سونے کے لیے دودو افراد کو رکھا اور وہ گیارہ بھائی تھے۔ بنیامین بچ گیا تو سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا یہ میرے ساتھ سوئے گا۔ (ایسر التفاسیر: 687) (5) ﴿قَالَ اِنِّیْ اَنَا اَحْوَكُ﴾ ”اس نے کہا: ”بلاشبہ میں ہی تمہارا بھائی ہوں“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جب بنیامین کو اپنے پاس جگہ دی تو اسے بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔ (6) ﴿فَلَا تَتَّبِعُنَّ بِمَا كَانُوا یَعْمَلُونَ﴾ ”سوان باتوں کا غم نہ کرو جو وہ کرتے رہے ہیں“ بھائیوں نے آپ کے ساتھ جو کچھ بھی کیا اس پر غم نہ کرنا، ان کی باتوں سے دل برانہ کرنا۔ (7) یعنی غم زدہ نہ ہو کیونکہ ہماری عاقبت اچھی ہے، پھر انہوں نے بنیامین کو اپنے اس منصوبے اور حیلے سے آگاہ کیا جس کے مطابق یوسف علیہ السلام، بنیامین کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے جب تک کہ معاملہ اپنے انجام کو نہیں پہنچ جاتا۔ (تفسیر سعدی: 1272/2)

سوال 2: سیدنا یوسف علیہ السلام کا کردار ایک مثالی بھائی کا کردار ہے، وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا یوسف علیہ السلام کی شخصیت کے نمایاں اوصاف ان کا علم، حلم، حیا، مکارم اخلاق اور اس کے دین کی طرف دعوت ہے۔ (2) بطور بھائی کے سیدنا یوسف علیہ السلام کا کردار مثالی ہے۔ وہ جن بھائیوں کے درمیان رہتے تھے وہ ایک نبی کے بیٹے تھے مگر جھوٹ بولتے تھے اور حسد میں مبتلا تھے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام اور ان کے والد کو جدا کرنے کے لیے انہوں نے بار بار جھوٹ بولا اور یوسف علیہ السلام کی قمیص اور خون کے سلسلے میں والد کے سامنے جھوٹا فسانہ گھڑا۔ اس افسانے کو گھڑنے کے لیے ان کے درمیان بحث ہوئی ہوگی اور بحث میں افترا پر دازی اور جھوٹی خبریں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ گناہوں کی نحوستیں ہیں۔ (3) سیدنا یوسف علیہ السلام کا یہ قول ﴿فَلَا تَتَّبِعُنَّ بِمَا كَانُوا یَعْمَلُونَ﴾ ”سوان باتوں کا غم نہ کرو جو وہ کرتے رہے ہیں“ دلیل ہے کہ ان کے اندر عفو اور تسامح، بھائی کے لیے محبت کا اظہار، ماضی کو بھلا دینے اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرنے کی صفات پائی جاتی تھیں۔ ان صفات کی وجہ سے وہ ان کے ساتھ آئندہ وقت گزارنا چاہتے تھے۔ (تفسیر منیر: 36,37/7) (4) سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے ماں باپ کے ساتھ عظیم حسن سلوک کرنے والے اور اپنے بھائیوں اور ساری مخلوقات کے ساتھ بھلائیوں کرنے والے تھے۔ (5) سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے گناہ گار بھائیوں کو معاف کر دیا اور اس معافی کو یہ کہہ کر مکمل کر دیا کہ وہ ان سے مواخذہ نہیں کریں گے اور انہیں ان کے جرم کی عار نہیں دلائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ مثالی بھائی وہ ہے جو مکارم اخلاق کا حامل ہو، معاف کر سکتا ہو۔ علم اور حلم کے بغیر ایسے کردار کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ سیدنا یوسف علیہ السلام پر اپنی ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے۔ ان کی زندگی ہر بھائی کے لیے مثال ہے۔ وہ علم میں بھی بے مثال تھے، عفو و درگزر اور حیا میں بھی۔ اللہ تعالیٰ ہر بھائی کو علم، حلم، حیا اور عفو و درگزر کے لیے کوششیں کرنے والا بنائے۔ (آمین)

﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَاذِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَاحِلِ اَخِيهِمْ اَدْنٰى مُّوَدَّةٍ اَيُّهَا الْعَبْدُ الرَّكْبُ لَكُمْ اَسْرِقُونَ﴾ (70)

”پھر جب یوسف نے انہیں ان کے سامان کے ساتھ تیار کر دیا تو اپنے پینے کا برتن اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھ دیا۔ پھر ایک اعلان

کرنے والے نے اعلان کیا: ”اے قافلے والو! بلاشبہ یقیناً تم لوگ چور ہو۔“ (70)

سوال 1: ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَاحِلِ أَخِيهِ﴾ ”پھر جب یوسف نے انہیں ان کے سامان کے ساتھ تیار کر دیا تو اپنے پینے کا برتن اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھ دیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ﴾ ”پھر جب یوسف نے انہیں ان کے سامان کے ساتھ تیار کر دیا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کو رخصت کرنے کا ارادہ کیا تو ہر ایک کے اونٹ پر غلہ لدا دیا، ان میں بنیامین بھی تھا۔ (2) ﴿جَعَلَ السَّقَايَةَ﴾ ”تو اپنے پینے کا برتن یعنی وہ پیالہ جس سے انانج کو بھی ناپا جاتا ہے اور اس میں پانی بھی پیا جاتا ہے۔“ (3) ﴿فِي رَاحِلِ أَخِيهِ﴾ ”اپنے بھائی کے کجاوے میں“ یعنی بنیامین کے سامان میں۔ (4) سیدنا یوسف علیہ السلام نے ایک غلام کو حکم دیا کہ شاہی کٹورا جو چاندی یا سونے کا تھا بنیامین کے سامان میں چھپا دیا جائے۔ (مختصر ابن کثیر: 89/1) (5) سیدنا یوسف علیہ السلام کے غلام نے انتہائی ہوشیاری سے وہ پیالہ بنیامین کے سامان میں رکھ دیا۔

سوال 2: ﴿لَمَّا أَذُنَ مُوَدَّنَ أَيُّهَا الْعَبْرَاءُ لَكُمْ لَسْرِقُونَ﴾ ”پھر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا: ”اے قافلے والو! بلاشبہ یقیناً تم لوگ چور ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: پھر جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنا سامان سمیٹ لیا اور قافلہ چل پڑا تو ایک اعلان کرنے والے نے کہا: اے قافلے والو! تم چور ہو۔ ان لوگوں نے جب وہ پیالہ نہ پایا تو قافلے والوں پر چوری کا الزام لگا دیا۔

﴿قَالُوا وَقَبُلُوا عَلَيْهِنَّ مَاذَا اتَّفَقُوا ۗ (71)﴾

”انہوں نے کہا، اور وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے: ”تم کیا چیز گم پاتے ہو؟“ (71)

سوال 1: ﴿قَالُوا وَقَبُلُوا عَلَيْهِنَّ مَاذَا اتَّفَقُوا ۗ (71)﴾ ”انہوں نے کہا، اور وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے: ”تم کیا چیز گم پاتے ہو؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا﴾ ”انہوں نے کہا“ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا۔ (2) ﴿وَقَبُلُوا عَلَيْهِنَّ﴾ ”اور وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے“ اعلان کرنے والے کی آوازیں کر بھائیوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ ان کے پاس واپس آ گئے۔ (3) ﴿مَاذَا اتَّفَقُوا ۗ﴾ ”تم کیا چیز گم پاتے ہو؟“ انہوں نے اعلان کرنے والوں سے پوچھا کیا بات ہے؟ تمہاری کیا چیز کھو گئی ہے؟ (4) یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے تہمت کو دور کرنے کے لیے اعلان کرنے والوں کی طرف رخ کیا۔ (5) چور ہمیشہ اس شخص سے دور ہونے کی کوشش کرتا ہے جس کی اس نے چوری کی ہوتا کہ اس کی چوری پکڑی نہ جائے اور یہ لوگ ان کے پاس آ گئے۔ تہمت کے ازالے کے سوا ان کا کوئی

ارادہ نہ تھا۔ (تفسیر سعدی: 2/1273)

﴿قَالُوا انْفِقُوا صَٰوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حُمْلٌ بَعِيرٌ وَّاٰنَابُهُ رَعِيْمٌ (72)﴾

”انہوں نے کہا: ”ہم بادشاہ کا پیمانہ گم پاتے ہیں اور جو اسے لائے گا اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ) ہوگا اور میں اس کا ضامن ہوں۔“ (72)

سوال: ﴿قَالُوا انْفِقُوا صَٰوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حُمْلٌ بَعِيرٌ وَّاٰنَابُهُ رَعِيْمٌ﴾ ”انہوں نے کہا: ”ہم بادشاہ کا پیمانہ گم پاتے ہیں اور جو اسے لائے گا اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ) ہوگا اور میں اس کا ضامن ہوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا انْفِقُوا صَٰوَاعَ الْمَلِكِ﴾ ”انہوں نے کہا: ”ہم بادشاہ کا پیمانہ گم پاتے ہیں“ انہوں نے شاہی پیمانے کے گم ہو جانے کی اطلاع دی۔ (2) ﴿وَلِمَن جَاءَ بِهِ حُمْلٌ بَعِيرٌ﴾ ”اور جو اسے لائے گا اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ) ہوگا“ یعنی جو بادشاہ کا پیمانہ ڈھونڈ کر لائے گا اس کو ایک اونٹ کے وزن کے مطابق اناج ملے گا اور یہ اس کا انعام ہوگا۔ (3) ﴿وَّاٰنَابُهُ رَعِيْمٌ﴾ ”اور میں اس کا ضامن ہوں“ تلاش کرنے والے نے کہا کہ میں اس اناج کو دلوانے کا ذمہ لیتا ہوں۔

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ لَعَدُوْعٰلَيْكُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا بِبٰقِيْنَ (73)﴾

”انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم! بلاشبہ یقیناً تم جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں اس لیے نہیں آئے کہ فساد کریں اور ہم چوری کرنے والے نہیں ہیں۔“ (73)

سوال: ﴿قَالُوا تَاللّٰهِ لَعَدُوْعٰلَيْكُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا بِبٰقِيْنَ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم! بلاشبہ یقیناً تم جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں اس لیے نہیں آئے کہ فساد کریں اور ہم چوری کرنے والے نہیں ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم! بلاشبہ یقیناً تم جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں اس لیے نہیں آئے کہ فساد کریں اور ہم چوری کرنے والے نہیں ہیں“ برادران یوسف نے تلاشی لینے والوں سے کہا کہ ہم ملک میں بد امنی پھیلانے، چوری اور گناہ کے کام کرنے نہیں آئے۔ (2) ﴿وَمَا كُنَّا بِبٰقِيْنَ﴾ ”اور ہم چوری کرنے والے نہیں ہیں“ یعنی ہم فساد فی الارض کا برا کام چوری کرنے نہیں آئے۔ (3) انہوں نے قسم اس لئے اٹھائی تھی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ فساد پھیلانے والے ہیں نہ چور۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے احوال کی خوب جانچ پڑتال ہوئی ہے جو ان کی پاکیزگی اور پرہیزگاری پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ یہ کام ان کے علم سے نہیں ہو سکتا جن پر وہ چوری کی تہمت لگا رہے ہیں۔ یہ پیرایہ چوری کی تہمت کی نفی میں اس فقرے سے زیادہ بلیغ ہے۔ تَاللّٰهِ لَم نَفْسِدْ فِي الْاَرْضِ وَلَم نَسْرِقْ اللّٰهَ كِي تَمَّ هَم نَے زمین میں فساد کیا ہے نہ ہم نے چوری کی ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1273)

﴿قَالُوا مَجْرَأُؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ لَدَيْهِمْ﴾ (74)

انہوں نے کہا: ”اگر تم جھوٹے ہوئے تو اس کی جزا کیا ہے؟“ (74)

سوال: ﴿قَالُوا مَجْرَأُؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ لَدَيْهِمْ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اگر تم جھوٹے ہوئے تو اس کی جزا کیا ہے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: تلاشی لینے والوں نے جواب دیا: اگر بادشاہ کا پیمانہ تم لوگوں میں سے کسی کے پاس نکلا تو اسے کیا سزا ملنی چاہیے؟

﴿قَالُوا جَزَاءُؤُهُ مَنْ وَجَدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاءُؤُهُ ۗ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ﴾ (75)

انہوں نے کہا: ”اس کی جزا یہ ہے کہ جس کے کجاوے میں وہ پایا جائے سو وہی اس کی جزا ہے، ہم ظالموں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔“

(75)

سوال: ﴿قَالُوا جَزَاءُؤُهُ مَنْ وَجَدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاءُؤُهُ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اس کی جزا یہ ہے کہ جس کے کجاوے میں وہ پایا جائے سو وہی اس کی جزا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا جَزَاءُؤُهُ مَنْ وَجَدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاءُؤُهُ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اس کی جزا یہ ہے کہ جس کے کجاوے میں وہ پایا جائے سو وہی اس کی جزا ہے“ برادران یوسف علیہ السلام نے جواب دیا جس کے سامان میں بیالہ دیا جائے اس کی جزا یہ ہے کہ جس کی چوری کی گئی ہے اس کے حوالے کر دیا جائے۔ (2) ﴿كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ﴾ ”ہم ظالموں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں“ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا یہ تھی کہ چور مال مسروقہ کے مالک کی ملکیت بن جاتا تھا جب اس پر چوری کا الزام ثابت ہو جاتا تھا۔ (3) مفسرین کہتے ہیں کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں چور کی یہی سزا مقرر تھی کہ وہ ایک برس تک اس شخص کی غلامی میں دے دیا جائے جس کا مال اس نے چرایا ہو۔ (فتح القدیر) (اشرف) (4) یوسف علیہ السلام کی غرض بھی یہ تھی کہ بنیامین ان کے پاس رہیں۔

﴿فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ آخِيهِمْ فَاسْتَخْرَجَهُمْ مِنْهُمْ إِذْ هُمْ يُسْأَلُونَ ۖ فَذَرَوْهُمْ حَبْرًا ۗ ثُمَّ جَاءَ إِخْيَاهُ يُسَوِّفُ لِمَا كَانُوا لِيَا خُدَّاءَ فِي دِينِ

الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ اللَّهُ لِيُزَكِّيَهُمْ مِنْ نِسَاءِ قَوْمِهِمْ لِيُجْزِيَ الظَّالِمِينَ﴾ (76)

”چنانچہ اس نے اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں سے ابتدا کی، پھر اپنے بھائی کے تھیلے سے اسے نکال لیا، اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی وہ بادشاہ کے قانون کی رو سے اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتا تھا سو اسے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایسا چاہے، ہم جس

کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں، اور ہر صاحب علم سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے۔“ (76)

سوال 1: ﴿فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ آخِيهِمْ أَشْخَرُ جَهَامُونَ وِعَاءِ آخِيهِ﴾ ”چنانچہ اس نے اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں سے ابتدا کی، پھر اپنے بھائی کے تھیلے سے اسے نکال لیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ آخِيهِمْ أَشْخَرُ جَهَامُونَ وِعَاءِ آخِيهِ﴾ ”چنانچہ اس نے اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں سے ابتدا کی، پھر اپنے بھائی کے تھیلے سے اسے نکال لیا“ تلاشی لینے والوں نے بنیامین کے سامان سے پہلے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے سامان کی یکے بعد دیگرے تلاشی لی تا کہ شک نہ رہے کہ یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا گیا ہے۔ (2) ﴿لَمَّا اسْتَشْرَجَهُمُونَ وِعَاءِ آخِيهِ﴾ ”پھر اپنے بھائی کے تھیلے سے اسے نکال لیا“ پھر جب برادران یوسف علیہ السلام کے سامان سے کچھ نہ ملا تو شاہی پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد کر لیا۔ (3) یعنی حقیقت واقعہ کی رعایت رکھتے ہوئے (وجدھا) یا (سرقھا) نہیں کہا۔ اس طرح یوسف علیہ السلام کے اس منصوبے کی تکمیل ہو گئی جس کے مطابق وہ اپنے بھائی کو اس طرح اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے کہ ان کے بھائیوں کو اصل صورت حال کا علم نہ ہو۔ (تفسیر سعدی: 1274,1273/2)

سوال 2: ﴿كَذَلِكَ كَذَّبَ لِيُؤَسِّفَ مَا كَانَ لِيَا حُدًّا أَخَا فِي دِينِ الْمَلِكِ إِذْ أَنْبَأَهُ اللَّهُ﴾ ”اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی وہ بادشاہ کے قانون کی رو سے اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتا تھا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایسا چاہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَذَلِكَ كَذَّبَ لِيُؤَسِّفَ﴾ ”اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی“ یعنی اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی خاطر تدبیر کی جس کی وجہ سے وہ ایسے طریقے سے اپنے بھائی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے، کیونکہ اس میں مصلحت تھی کیونکہ مصری قانون کے مطابق سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بنیامین کو نہیں روک سکتے تھے۔ (2) ﴿مَا كَانَ لِيَا حُدًّا أَخَا فِي دِينِ الْمَلِكِ إِذْ أَنْبَأَهُ اللَّهُ﴾ ”وہ بادشاہ کے قانون کی رو سے اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتا تھا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایسا چاہے“ یعنی مصر کے قانون کے مطابق چوری کے بدلے میں بندے کو نہیں رکھا جاتا تھا بلکہ بندے کو مارا جاتا تھا اور اس سے تاوان لیا جاتا تھا۔ (3) مصر کا شاہی قانون یہ تھا کہ چور کو پیٹا جائے اور اس سے چوری کے مال کے علاوہ اتنا ہی مال اور لے کر اس شخص کو دے دیا جائے جس کا مال چوری ہوا ہے۔ اس قانون کی رو سے چور کو غلام نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ (ابن کثیر) (شوکانی) (4) یعنی بادشاہ کے قانون کے مطابق مال مسروقہ کے مالک کو یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ چور کا مالک بن سکے۔ ان کے ہاں چوری کی کوئی اور سزا تھی۔ اگر فیصلہ بادشاہ کے قانون کے مطابق ہوتا تو یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو اپنے پاس نہ رکھ سکتے۔ اس لئے سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فیصلہ کروایا، تاکہ ان کے منصوبے کی تکمیل ہو۔ (تفسیر سعدی: 1274/2) (5) ﴿إِذْ أَنْبَأَهُ اللَّهُ﴾ ”سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایسا چاہے“ یعنی جو وہ حکم دیتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ (6) اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتا تو سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں سے چور کی سزا دریافت کرتے، نہ بھائی بتاتے اور نہ سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بنیامین کو اپنے ہاں رکھ سکتے۔ (اشرف: 294/1)

سوال 3: ﴿كَذَٰلِكَ دَرَجَتٌ مِّنْ نَّشَأٍ ۖ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾﴾ ”ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں، اور ہر صاحب علم سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں، اور ہر صاحب علم سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے“ یعنی علم میں درجات بلند کر دیتے ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کا درجہ بلند کیا۔ (ایسر التفسیر: 689) (2) سیدنا یوسف علیہ السلام کو شریعت براہمی کا علم تھا۔ شریعت کا علم ہی درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے۔ (3) سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی علماء تھے اور اپنے بھائیوں کے مقابلے میں وہ شریعت کا زیادہ علم رکھتے تھے اسی وجہ سے رب العزت نے ان کا مقام اور مرتبہ بلند کر دیا۔ (4) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔ (الجمادہ: 11)

سوال 4: ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾﴾ ”اور ہر صاحب علم سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور ہر صاحب علم سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے“ یعنی ہر صاحب علم کے اوپر ایک شخص ہوتا ہے جو اس سے زیادہ علم رکھتا ہے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ غائب اور موجودہ کا علم رکھنے والی ہستی تک جا پہنچتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1274/2) (2) اللہ تعالیٰ سب سے بڑا عالم ہے اس سے بڑھ کر کوئی نہیں اس کا علم ذاتی ہے اور دوسروں کا علم وہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 893/1) (3) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے علم کے ذریعہ یوسف کو بلند مقام دیا، اسی طرح ہم جسے چاہتے ہیں علوم و معارف دے کر اس کے ہم عصروں میں اسے عالی مقام بنا دیتے ہیں اور ہر علم والے سے بڑا علم والا ہوتا ہے، اسی لیے حسن بصری کہا کرتے تھے کہ ہر علم والے سے بڑا علم والا ہے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑا کوئی عالم نہیں، اور اس کا علم بحر بے کنار ہے۔ (تیسیر الرحمن: 692/1) (4) کسی عالم کا علم کلی نہیں لہذا کوئی علم والا دھوکے میں مبتلا نہ ہو کہ میرا علم زیادہ ہے کہ ہر ذی علم سے اوپر علم والا موجود ہے۔

﴿قَالُوا إِنْ يَسِرَّنَا فَقَدْ سَرَىٰ أَخْمَلَهُ مِنْ قَبْلُ ۗ فَآسَرَّا هُوَ سَفِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبَيِّدْهَا لَهُمْ ۗ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

بِمَا تَصِفُونَ ﴿٧٧﴾﴾

”انہوں نے کہا: ”اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی“ تو یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں چھپائے رکھا اور اسے ان پر ظاہر نہیں کیا، اس نے کہا: ”تم برے درجے کے لوگ ہو اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جاننے والا ہے۔“ (77)

سوال 1: ﴿قَالُوا إِنْ يَسِرَّنَا فَقَدْ سَرَىٰ أَخْمَلَهُ مِنْ قَبْلُ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے بھائی

نے بھی چوری کی تھی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا إِنْ يَسْرِقُ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اگر اس نے چوری کی ہے“ جب بنیامین کے سامان سے شاہی پیامنڈ مل گیا تو بھائیوں نے کہا کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ (2) ﴿فَقَدَسِمَايَ أَتَمُّ لَهٗ مِنْ قَبْلُ﴾ ”تو اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی“ اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف نے بھی چوری کی تھی۔ یہ ان کی جانب سے یوسف علیہ السلام پر بہتان تھا۔ انہوں نے الزم لگا کر یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین کا مرتبہ گھٹانے کی کوشش کی۔ (3) اپنی پاک بازی ظاہر کرنے کے لئے فوراً اپنے آپ کو بنیامین سے الگ کر لیا اور اس کے جرم کو بہانہ بنا کر اس کے بھائی پر بھی چوری کی جھوٹی تہمت لگا دی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے گم ہو جانے کے بعد بنیامین کے ساتھ یہ بھائی کیا سلوک کرتے رہے ہوں گے۔ (اشرف الحواشی: 1/294)

سوال 2: ﴿فَأَسْرَاهُنَّ فِي سُفِّ نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ﴾ ”تو یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں چھپائے رکھا اور اسے ان پر ظاہر نہیں کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَأَسْرَاهُنَّ فِي سُفِّ نَفْسِهِ﴾ ”تو یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں چھپائے رکھا“ یوسف علیہ السلام نے چوری کا الزام سنا تو ایک بات دل میں رکھی۔ (2) ﴿وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ﴾ ”اور اسے ان پر ظاہر نہیں کیا“ انہوں نے اپنے بھائیوں کے سامنے رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ انہوں نے معاملے کو اپنے دل میں رکھ لیا اور غصے کو پی گئے۔

سوال 3: ﴿قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ﴾ ”اس نے کہا: ”تم برے درجے کے لوگ ہو اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جاننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانٍ﴾ ”اس نے کہا: ”تم برے درجے کے لوگ ہو“ یوسف علیہ السلام نے جو بات اپنے دل میں چھپائی وہ یہ تھی کہ تم کم درجے کے لوگ ہو جو مجھ پر الزام عائد کر رہے ہو۔ (2) ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ﴾ ”اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جاننے والا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تمہارا الزام جھوٹا ہے اور ہم اس بہتان سے بری ہیں۔

﴿قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبَاشِيخًا كَثِيرًا قَدْ أَخَذْنَا مَكَانَهُ ۗ إِنَّكَ لَكُلِّكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿78﴾﴾

”انہوں نے کہا: ”اے عزیز! بلاشبہ اس کا باپ بہت بوڑھا ہے، سو اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے، بلاشبہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں۔“ (78)

سوال: ﴿قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبَاشِيخًا كَثِيرًا قَدْ أَخَذْنَا مَكَانَهُ ۗ إِنَّكَ لَكُلِّكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿78﴾﴾ ”انہوں نے کہا: ”اے عزیز! بلاشبہ اس کا باپ بہت بوڑھا ہے، سو اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے، بلاشبہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے

دیکھتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا﴾ ”انہوں نے کہا“ برادران یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر کہا جب بنیامین کے بارے میں فیصلہ ہو گیا کہ بادشاہ انہیں نہیں چھوڑے گا۔ (2) ﴿يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ﴾ ”اے عزیز!“ انہوں نے خوشامد کرتے ہوئے بادشاہ سے کہا۔ (3) ﴿إِنَّ لَكَ أَلْفًا مِّمَّا كِذَّبْنَا﴾ ”بلاشبہ اس کا باپ بہت بوڑھا ہے، یعنی یعقوب علیہ السلام بہت بوڑھے ہیں، بیٹی کی جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ (4) ﴿فَخُذْ أَحَدًا مِّمَّا كَانَتْ﴾ ”سو اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے“ ہم میں سے جس کو چاہیں اس کے بدلے روک لیں۔ (5) ﴿إِنَّا نُرِيكَ مِنَ الْمُعْسِرِينَ﴾ ”بلاشبہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں“ ہم آپ کو نیک اور انصاف کرنے والا دیکھتے ہیں امید ہے کہ آپ ہم پر اور ہمارے والد پر احسان کریں گے۔

﴿قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ تَأْخُذَ الْإِمْنُ وَجَدْنَا مَتَاعًا عِنْدَهُ إِذَا إِذَا الظُّلُمُونَ﴾ (79)

”یوسف نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ ہم نے جس کے پاس اپنا سامان پایا ہے اس کے ماسوا کسی اور کو رکھیں تب تو ہم یقیناً ظالم ہوں گے۔“ (79)

سوال: ﴿قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ تَأْخُذَ الْإِمْنُ وَجَدْنَا مَتَاعًا عِنْدَهُ إِذَا إِذَا الظُّلُمُونَ﴾ ”یوسف نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ ہم نے جس کے پاس اپنا سامان پایا ہے اس کے ماسوا کسی اور کو رکھیں تب تو ہم یقیناً ظالم ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ”کہا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے کہا۔ (2) ﴿مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ تَأْخُذَ الْإِمْنُ وَجَدْنَا مَتَاعًا عِنْدَهُ﴾ ”اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ ہم نے جس کے پاس اپنا سامان پایا ہے اس کے ماسوا کسی اور کو رکھیں، یعنی ہماری طرف سے یہ بہت بڑا ظلم ہوگا اگر ہم ایک بے گناہ انسان کو اس کے بدلے میں پکڑ لیں جس کے پاس سے ہمارا مال نکلا ہے۔ (3) سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر یہ نہیں کہا کہ اس کے بدلے میں جس نے چوری کی ہے، ایسا کہنا جھوٹ ہوتا کیونکہ بنیامین چور نہیں تھے۔ (4) ﴿إِنَّا إِذَا﴾ ”تب تو ہم ہوں گے“، یعنی جس کے پاس سے ہمارا مال نکلا ہے اس کی جگہ کسی اور کو پکڑ لیں تو۔ (5) ﴿الظُّلُمُونَ﴾ ”یقیناً ظالم“، تو ہم بہت بڑا ظلم کرنے والے ہوں گے کیونکہ ہم ایسی صورت میں ایسے شخص کو سزا دیں گے جو مجرم نہیں، جو سزا کا مستحق نہیں۔

رکوع نمبر 4

﴿فَلَمَّا اسْتَيْسُّوْا مِنْهُ حَاصُوا بِنَجِيَّةٍ قَالَ كَيْدُهُمْ أَكْمَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ إِنَّ آبَاءَكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا

فَرَطْتُمْ فِي يُوسُفَ ۚ فَلَئِنْ أَبْرَأَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِي رَبِّي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ﴾ (80)

”چنانچہ جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے، ان کے بڑے نے کہا: ”کیا تم نہیں جانتے کہ بلاشبہ تمہارے

باپ نے تم سے اللہ تعالیٰ کا پختہ عہد لے رکھا ہے؟ اور اس سے پہلے یوسف کے سلسلے میں بھی تم زیادتی کر چکے ہو، چنانچہ میں یہ زمین ہرگز نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ میرے والد مجھے اجازت دے دیں یا اللہ تعالیٰ میرا کوئی فیصلہ فرمائیں اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔“ (80)

سوال: ﴿فَلَمَّا اسْتَيْسُّوا مِثْلَهُ خَاصُّوا نِجْيًا﴾ ”چنانچہ جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا اسْتَيْسُّوا مِثْلَهُ﴾ ”چنانچہ جب وہ اس سے ناامید ہو گئے“ جب سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے چھڑانے سے مایوس ہو گئے۔ (2) ﴿خَاصُّوا نِجْيًا﴾ ”تو الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے“ انہوں نے آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے مشورہ کیا اور کہنے لگے کہ اب کیا کریں کہ بنیامین تو گرفتار ہو گئے اور کسی صورت چھوٹ نہیں سکتے جب کہ ہم اپنے والد سے ان کے واپس لانے کا پختہ عہد کر کے ان کی ذمہ داری لے کر آئے ہیں۔

سوال 2: ﴿قَالَ كَيْفَ هُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْا اِنَّ اٰبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْعِدًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِيْ يُوسُفَ ؕ فَلَنْ اَبْرَحَ اِلَّا مَرَضًا حَتّٰى يٰۤاٰذَنَ لِيْ اَبِيْ اَوْ يَخُذَ اللّٰهُ لِيْ وَهُوَ خَيْرُ الْعٰدِلِيْنَ﴾ ”ان کے بڑے نے کہا: ”کیا تم نہیں جانتے کہ بلاشبہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ تعالیٰ کا پختہ عہد لے رکھا ہے؟ اور اس سے پہلے یوسف کے سلسلے میں بھی تم زیادتی کر چکے ہو، چنانچہ میں یہ زمین ہرگز نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ میرے والد مجھے اجازت دے دیں یا اللہ تعالیٰ میرا کوئی فیصلہ فرمائیں اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ كَيْفَ هُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْا اِنَّ اٰبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْعِدًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ ”ان کے بڑے نے کہا: ”کیا تم نہیں جانتے کہ بلاشبہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ تعالیٰ کا پختہ عہد لے رکھا ہے؟“ بڑے بھائی روبیل یا یہودا (یہ وہی تھے جنہوں نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں مشورہ دیا تھا کہ انہیں قتل نہ کرو بلکہ کسی کنویں میں ڈال آؤ) نے کہا بھائیو! تمہیں یہ تو معلوم ہی ہے کہ ہم نے اپنے والد سے بنیامین کے واپس لانے کے سلسلے میں کیا عہد کیا ہے۔ افسوس اب ہم نہ انہیں منہ دکھا سکتے ہیں اور نہ بھائی کو شاہی گرفتاری سے چھڑا سکتے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 895/1) (2) ﴿وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِيْ يُوسُفَ ؕ﴾ ”اور اس سے پہلے یوسف کے سلسلے میں بھی تم زیادتی کر چکے ہو“ بڑے بھائی نے یاد دلایا کہ اس سے پہلے تم یوسف علیہ السلام کے بارے میں کیسی کوتاہی کے مرتکب ہو چکے ہو۔ کیسے آنکھوں دیکھتے ہم نے یوسف علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں کھودیا تھا۔ (3) بڑے بھائی نے دو امور کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا۔ (i) سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں ماضی میں کی جانے والی کوتاہی۔ (ii) چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر نہ جانا۔ (4) ﴿فَلَنْ اَبْرَحَ اِلَّا مَرَضًا﴾ ”چنانچہ میں یہ زمین ہرگز نہیں چھوڑوں گا“ بڑے بھائی

نے کہا میں تو یہاں سے یعنی سرزمین مصر سے نہیں جاؤں گا یعنی اس کی طرف نہیں لوٹوں گا۔ (ایسر التفاسیر: 691، 690) (5) ﴿حَلِيٌّ يَأْكُذَنْ لِي﴾ آئی ”یہاں تک کہ میرے والد مجھے اجازت دے دیں“ یعنی میں تو اس وقت تک یہاں سے نہ جاؤں گا جب تک کہ والد مجھے اجازت نہ دیں۔ (6) ﴿أَوْ يَحْكُمُ اللَّهُ لِي﴾ ”یا اللہ تعالیٰ میرا کوئی فیصلہ فرمائیں“ یعنی اللہ تعالیٰ میرے لئے اکیلے یا بھائی کے ساتھ آنا مقدر کر دے۔ (تفسیر سعدی: 1276/2) (7) ﴿وَهُوَ حَظِيٌّ الْعَلِيمِينَ﴾ ”اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ بہترین حاکم ہے۔ شاید کسی تدبیر کو بچھا دے کہ میں اپنے بھائی کو چھڑانے میں کامیاب ہو جاؤں۔

﴿إِرْجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقٌ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَاوَمَا كُنَّا لِغَيْبِ حُفُوظِينَ﴾ (81)

”تم اپنے والد کے پاس جاؤ۔ سو اس سے کہو: ”اے ہمارے ابا جان! یقیناً آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم نے تو صرف اسی بات کی گواہی دی ہے جو ہمیں معلوم ہے اور غیب کی حفاظت کرنے والے تو ہم نہیں ہیں۔“ (81)

سوال 1: ﴿إِرْجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقٌ﴾ ”تم اپنے والد کے پاس جاؤ۔ سو اس سے کہو: ”اے ہمارے ابا جان! یقیناً آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِرْجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ﴾ ”تم اپنے والد کے پاس جاؤ“ بڑے بھائی نے اپنے بھائیوں کو حکم دیا کہ اپنے والد کے پاس جا کر سارا واقعہ کہہ سناؤ۔ (2) ﴿فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقٌ﴾ ”اے ہمارے ابا جان! یقیناً آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے“ یعنی یہ بتاؤ کہ وہ چوری کے الزام میں دھریا گیا ہے، اس لیے ہم کوشش کے باوجود اسے اپنے ساتھ نہیں لاپائے۔

سوال 2: ﴿وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَاوَمَا كُنَّا لِغَيْبِ حُفُوظِينَ﴾ ”اور ہم نے تو صرف اسی بات کی گواہی دی ہے جو ہمیں معلوم ہے اور غیب کی حفاظت کرنے والے تو ہم نہیں ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا﴾ ”اور ہم نے تو صرف اسی بات کی گواہی دی ہے جو ہمیں معلوم ہے“ یعنی ہم غیب کے بارے میں تو نہیں جانتے اور ایسی چیز کے بارے میں ہم گواہی نہیں دیتے جو ہمارے سامنے نہیں تھی۔ (2) ﴿وَمَا كُنَّا لِغَيْبِ حُفُوظِينَ﴾ ”اور غیب کی حفاظت کرنے والے تو ہم نہیں ہیں“ یعنی ہم غیب کا علم رکھنے والے نہیں تھے۔ ہم سے تو چور کی سزا پوچھی گئی تو ہم نے اپنے دین کے مطابق بتا دی۔ ہم نے تو دیکھا کہ بادشاہ کا پیالہ بنیامین کی خرجی سے نکلا ہے۔ (3) اگر ہمیں غیب کا علم ہوتا تو ہم اسے اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش کرتے نہ اس کو ساتھ لے جانے کے لیے اتنی کوشش کرتے اور نہ آپ کو کوئی عہد دیتے۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔ (تفسیر سعدی: 1276/2)

﴿وَسُئِلَ الْقُرَيْبَةُ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِمِيرَةَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾ (82)

”اور آپ اس بستی کے لوگوں سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے پوچھ لیں جس میں ہم آئے ہیں اور بلاشبہ یقیناً ہم سچے ہیں۔“ (82)

سوال: ﴿وَسئَلُ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾ ”اور آپ اس بستی کے لوگوں سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے پوچھ لیں جس میں ہم آئے ہیں اور بلاشبہ یقیناً ہم سچے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَسئَلُ﴾ ”اور آپ پوچھ لیں“ یعنی آپ ہماری بات پر یقین نہیں رکھتے تو۔ (2) ﴿الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا﴾ ”اس بستی کے لوگوں سے جس میں ہم تھے“ اہل مصر سے پوچھ لیں اور اس قافلے سے دریافت کر لیں، جس کے ساتھ ہم آئے ہیں جو کنعانوں میں سے ہیں، وہ لوگ اس بارے میں پوری معلومات رکھتے ہیں۔ (3) ﴿وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً ہم سچے ہیں“ ہم نے واقعات بھی درست بتائے ہیں، جھوٹ نہیں بولا اور بنیامین کی حفاظت کرنے میں بھی ہم سچے ہیں۔ قافلے والے ہماری صداقت، امانت اور حفاظت کے گواہ ہیں۔ واقعات یہی پیش آئے ہیں۔ بنیامین چوری کے الزام میں پکڑ لیے گئے ہیں۔

﴿قَالَ بَلْ سَأَلْتُمْ لَكُمْ انْفُسَكُمْ أَمْرًا فَصَدَرْتُمْ جَبِيلًا ۗ عَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۗ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ (83)

”اس نے کہا: ”بلکہ تمہارے دل نے ایک کام کو مزین بنا دیا ہے، سو (میرا کام) اچھا صبر ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لائے گا، بلاشبہ وہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔“ (83)

سوال 1: ﴿قَالَ بَلْ سَأَلْتُمْ لَكُمْ انْفُسَكُمْ أَمْرًا فَصَدَرْتُمْ جَبِيلًا﴾ ”اس نے کہا: ”بلکہ تمہارے دل نے ایک کام کو مزین بنا دیا ہے، سو (میرا کام) اچھا صبر ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا یعقوب علیہ السلام نے سارے واقعات سن کر وہی جواب دیا جو مدتوں پہلے اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کے گم جانے کے موقع پر کہے تھے۔ جب ان کے بیٹوں نے ان سے یوسف علیہ السلام کی خون سے بھری ہوئی قمیص دیتے ہوئے کہا تھا کہ انہیں بھیڑ یا کھا گیا۔ اس موقع پر سیدنا یعقوب علیہ السلام نے کہا۔ (2) ﴿بَلْ سَأَلْتُمْ لَكُمْ انْفُسَكُمْ أَمْرًا﴾ ”بلکہ تمہارے دل نے ایک کام کو مزین بنا دیا ہے“ یعنی تمہارے نفسوں نے ایک بات بنالی ہے۔ نہ تو یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے کھایا ہے، نہ بنیامین نے چوری کی ہے۔ (3) ﴿فَصَدَرْتُمْ جَبِيلًا﴾ ”سو (میرا کام) اچھا صبر ہے“ یعنی میں اس معاملے میں صبر جمیل کی پناہ لیتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناراضی ہے نہ بے صبری کا مظاہرہ اور نہ مخلوق کے پاس شکوہ۔ (تفسیر سعدی: 12/1277) (4) رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَمَنْ صَدَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ اور یقیناً جو صبر کرے اور معاف کر دے، تو بلاشبہ یہ یقیناً بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ (الشوری: 43) (5) ابو مالک، حارث بن عاصم اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صبر روشنی ہے۔ (مسلم: 534) (6) سیدنا ابوسعید سعد بن سنان خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

آپ ﷺ نے فرمایا: ”اور جو شخص سوال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بچالیتا ہے، جو بے نیازی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے (لوگوں سے) بے نیاز کر دیتا ہے اور جو صبر کا دامن پکڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق دے دیتا ہے اور کوئی شخص ایسا عطیہ نہیں دیا گیا، جو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر ہو۔“ (بخاری: 1469) (7) سیدنا ابویحییٰ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے ہر کام میں اس کے لئے بھلائی ہے اور یہ چیز مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اسے خوش حالی نصیب ہو، (اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے، تو (یہ شکر کرنا بھی) اس کے لئے بہتر ہے (یعنی اس میں اجر ہے) اور اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے، تو یہ (صبر کرنا بھی) اس کے لئے بہتر ہے (کہ صبر بھی بجائے خود نیک عمل اور باعث اجر ہے) (مسلم: 7500) (8) نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: الصبر والسماحة صبر اور سیر چشتی۔ (بخاری: کتاب الادب) (9) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات میرے ہاں ایک لڑکے کی پیدائش ہوئی۔ میں نے اس لڑکے کا نام اپنے باپ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا۔ پھر آپ ﷺ نے وہ لڑکا ام سیف کو دے دیا جو کہ ایک لوہار کی بیوی تھی اور اس لوہار کو ابوسیف کہا جاتا تھا (ایک دن) آپ ﷺ ابوسیف کی طرف چلے اور میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلا۔ جب ہم ابوسیف کے ہاں پہنچے تو وہ اپنی لڑکے کی بھٹی دھونک رہے تھے اور ان کا گھر دھوئیں سے بھرا ہوا تھا تو میں نے جلدی جلدی رسول اللہ ﷺ سے پہلے جا کر اس سے کہا: اے ابو سیف! ٹھہر جاؤ! رسول اللہ ﷺ تشریف لارہے ہیں تو وہ ٹھہر گئے۔ نبی ﷺ نے بچے کو بلایا اور اسے آپ ﷺ نے اپنے سینے سے چمٹا لیا اور آپ ﷺ نے وہ فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس بچے کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دم توڑ رہا ہے (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: آنکھیں اشک آلود ہیں اور دل غم زدہ ہے اور ہم وہ بات نہیں کہتے کہ جس سے ہمارا رب راضی نہ ہو۔ اللہ کی قسم! اے ابراہیم! ہم تیری وجہ سے غم زدہ ہیں۔ (مسلم: 6025) (10) سیدنا اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام، آپ ﷺ کے محبوب اور محبوب کے بیٹے سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی بیٹی نے آپ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ میرے بیٹے کا آخری وقت ہے، آپ ﷺ تشریف لائیں۔ آپ ﷺ نے پیغام بھیجا کہ وہ سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ لے وہ بھی اسی کا ہے اور جو دے وہ بھی اسی کا ہے۔ اس کے ہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھیں۔“ صاحب زادی نے پھر پیغام بھیجا اور قسم دیتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ ضرور تشریف لائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور کچھ اور آدمیوں کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے۔ بچہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی گود میں بٹھالیا جب کہ اس کی جان بے چین اور مضطرب تھی۔ (اس کی یہ حالت دیکھ کر) آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ جذبہ شفقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں

میں رکھا ہے“ اور ایک روایت میں ہے جن بندوں کے دلوں میں چاہا اور اللہ تعالیٰ اپنے انہی بندوں پر رحم فرماتا ہے جو (دوسروں پر) مہربان ہوتے ہیں۔ (بخاری: 1284) (11) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا وہ مومن بندہ جس کی محبوب ترین چیز میں واپس لے لوں، لیکن وہ اس پر ثواب کی نیت سے (صبر و رضا کا مظاہرہ کرے) اس کے لیے میرے پاس جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں ہے۔“ (بخاری: 6424) (12) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنار رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب میں اپنے بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں کے ذریعے سے (یعنی آنکھوں سے محروم کر کے) آزماؤں پس وہ اس پر صبر کرے تو میں اس کے بدلے اسے جنت دوں گا۔ (بخاری: 5653) (13) عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تجھے جنتی عورت نہ دکھلاؤں؟ میں نے کہا، کیوں نہیں، (ضرور دکھلائیے!) انہوں نے فرمایا: یہ کالی عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا: مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے جس سے میں ننگی ہو جاتی ہوں، آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں (کہ اس بیماری سے نجات مل جائے)۔ آپ نے فرمایا: ”اگر تو چاہے تو اس تکلیف پر صبر کر، اس کے بدلے تیرے لئے جنت ہے اور اگر تو چاہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیتا ہوں کہ اللہ تجھے اس بیماری سے عافیت دے دے۔ اس نے کہا: میں صبر ہی اختیار کرتی ہوں۔ تاہم (دورے کے وقت) میں ننگی ہو جاتی ہوں، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیں کہ میں ننگی نہ ہو کروں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے لئے یہ دعا فرمائی۔ (بخاری: 5652) (14) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کے لیے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے جلد ہی دنیا میں سزا دے دیتا ہے اور جب بندے سے برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے گناہ کی سزا سے روکے رکھتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن اسے پوری سزا دے گا۔ اس سند کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ”بڑا ثواب بڑی آزمائش کے ساتھ ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے ساتھ محبت کرتا ہے تو ان کو کسی آزمائش میں ڈال دیتا ہے جو اس آزمائش پر راضی ہو تو اس کے لیے رضا ہے۔ جو اس آزمائش پر ناراض ہو تو اس کے لیے ناراضگی ہے۔“ (ترمذی: 2396) (15) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان دار مرد اور عورت اپنے نفس، اولاد اور مال کی آزمائش میں ہمیشہ رہتے ہیں حتیٰ کہ اس کی ملاقات اپنے رب سے ایسے حال میں ہوتی ہے کہ اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ (ترمذی: 2399) (16) ابو ابراہیم سیدنا عبداللہ بن اونی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض ان ایام میں، جن میں آپ کا مقابلہ دشمن سے ہوا یا انتظار فرمایا یہاں تک کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ اے لوگو! دشمن سے ملاقات (لڑائی) کی آرزو مت کرو، اور اللہ تعالیٰ سے عافیت (سلامتی) مانگو۔ لیکن جب ایسا موقع آجائے کہ تمہاری دشمن سے مدد بھیڑ ہو جائے تو ثابت قدمی سے لڑو اور یہ بات جان لو کہ جنت تلواروں کے سایے تلے ہے۔ پھر نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَنُصِرْنَا عَلَيْهِمْ اے اللہ! کتاب (قرآن مجید) کے اتارنے والے، بادلوں کو چلانے والے، (دشمن کے) لشکروں کو شکست دینے والے

ان کو شکست فاش سے دوچار فرما اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ (مسلم: 4427) (17) اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کرنا بے صبری نہیں ہے۔ ﴿اِنَّآ اَشْكُوْا بَعْثًاۙ وَّحُزْنَۙ اِلَى اللّٰهِ﴾ میں اپنی ظاہر ہو جانے والی بے قراری اور غم کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں۔ (یوسف: 86) سیدنا ایوب علیہ السلام نے صبر میں بے مثال اسوہ چھوڑا ہے، انہوں نے رحم الراحمین سے فریاد کی۔ ﴿وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۙ اِنِّىۡ مَسْسَنِىۡ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَمْرٌ حَمِيْدٌۙ﴾ اور ایوب کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ یقیناً مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (الانبیاء: 83) (18) نبی ﷺ کی سیرت پڑھنے والے جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے احکام الہی کی تبلیغ، اہل ایمان کی تعلیم، اہل خسران کے انداز، اہل عالم کی تدبیر، اور اعلائے کلمۃ الحق کی تدبیر میں کس قدر مصائب و نواب اور ہموام و غموام کی برداشت فرمائی تھی۔ کبھی رسول اللہ ﷺ کے آستانہ فیض پر غلاظت گرائی جاتی جس سے تشننت طبع اور پریشانی دماغ پیدا ہو کبھی رسول اللہ ﷺ کی راہ میں گڑھا کھود کر اسے باریک باریک لکڑیوں سے پاٹ دیا جاتا تھا، گڑھے میں کانٹے بھر دیئے جاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز تہجد کے لیے نکلیں تو زمین سمجھ کر اس پر پاؤں رکھیں اور گڑھے میں جا گریں۔ کبھی رسول اللہ ﷺ کو سجدہ میں جو تام دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی گردن میں چادر ڈال کر پھانسی کا رسہ بنایا جاتا گردن کو افشار سے بھینچا جاتا۔ کبھی رسول اللہ ﷺ کی پشت مبارک پر (بحالت سجد) اونٹ کی اوچھڑی رکھ دی جاتی اور اسے کفار کی تفریح و طبع کا سامان سمجھا جاتا، کبھی رسول اللہ ﷺ پر پتھر برسائے جاتے اور قرأت قرآن پاک سے آپ ﷺ کو روکا جاتا۔ کئی سال کا زمانہ رسول اللہ ﷺ پر ایسا بھی گزرا ہے جب رسول اللہ ﷺ کو ایک گھائی میں محصور رکھا گیا اور دانہ و خورش کا داخلہ بند کیا گیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا ہی حوصلہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا ہی دل تھا کہ صبر کیا اور وہ صبر کیا کہ مالک نے بھی ﴿وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ اور تمہارا صبر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے۔“ (سورۃ النحل: 127) کے تمنغہ سے رسول اللہ ﷺ کو مشرف فرمایا۔ (رحمۃ للعالمین)

سوال 2: ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاتِيَنِيۡ بِوَحْيٍۭ جَبِيۡعًا﴾ ”امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لائے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَسَى اللّٰهُ﴾ ”امید ہے کہ اللہ تعالیٰ“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے رب سے اس وقت امید باندھی جب کہ حالات ناامیدی کے تھے۔ یہی زندگی ربانی زندگی ہے جہاں دل کہیں مصائب پر صبر کر کے عبادت کرتا ہے، کہیں رب کی رضا پر راضی ہو کر عبادت کرتا ہے، کہیں رب سے امید باندھ کر عبادت کرتا ہے۔ یہ ساری عبادات ہیں جو غم کے سیاہ بادلوں میں، اداسی کی دلدل میں، کرب کی شدت میں کی جاتی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان عبادات کی سعادت کس کو نصیب ہوتی ہے؟ یہ عبادات اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے آپ کو خالص کرنے والوں، اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے اپنے معاملات اس کے سپرد کرنے والوں، اس سے محبت کرنے والوں، اس سے خوف رکھنے والوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ یا رحم الراحمین ہمیں دل کی عبادات نصیب فرمادے۔ (آمین) (2) ﴿اَنْ يَّاتِيَنِيۡ بِوَحْيٍۭ جَبِيۡعًا﴾ ”کہ ان سب کو میرے پاس لائے گا“ مجھے امید ہے کہ میرا رب میرے تینوں چھڑے ہوئے بیٹوں کو ملادے گا یعنی یوسف علیہ السلام، بنیامین اور سب سے

بڑے بیٹے کو جو مصر میں رہ گیا تھا۔

سوال 3: ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ ”بلاشبہ وہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ﴾ ”بلاشبہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے“ بے شک میرا رب میرے حالات کو جانتا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس کی طرف سے کشادگی اور نوازش کا محتاج اور اس کے احسان کا ضرورت مند ہوں۔ (تفسیر سعدی: 1277/2) (3) اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے، زمین و آسمان کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے حالات سے واقف ہیں، ان حالات و واقعات سے بھی جو کائنات میں جاری ہیں اور ان حالات سے بھی جو کسی انسان کی زندگی میں پیش آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے حالات میں انسانوں کے دلوں کی کیفیات کو بھی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ (4) ﴿الْحَكِيمُ﴾ ”کمال حکمت والا ہے“ اللہ تعالیٰ اپنے احکامات اور فیصلوں میں کمال حکمت والا ہے۔ (5) اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کائنات میں اصل حکمت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس کے سارے کام سارے فیصلے حکیمانہ ہوتے ہیں اور حالات و واقعات اس کی حکمت کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں اور اس کی حکمت کے مطابق لوگوں کے سامنے کھلتے ہیں۔ (6) جس نے اپنی حکمت ربانی کے تقاضے کے مطابق ہر چیز کا اندازہ اور اس کا منتہا مقرر کیا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1277) (7) اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی پر یقین رکھے۔

﴿وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَعْدِي عَلَىٰ يَوْمٍ لَّسْتُ بِمُؤْمِنٍ مِّنْهُمْ وَلَا يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِمْ﴾ (84)

”اور اس نے ان سے منہ موڑا اور کہنے لگا: ”ہائے افسوس یوسف پر!“ اور غم سے اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں، چنانچہ وہ غم سے بھرا ہوا

تھا۔“ (84)

سوال 1: ﴿وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَعْدِي عَلَىٰ يَوْمٍ لَّسْتُ بِمُؤْمِنٍ مِّنْهُمْ وَلَا يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِمْ﴾ ”اور اس نے ان سے منہ موڑا اور کہنے لگا:

”ہائے افسوس یوسف پر!“ اور غم سے اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں، چنانچہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ﴾ ”اور اس نے ان سے منہ موڑا“ بیٹوں سے بنیامین کی خبر سن کر سیدنا یوسف علیہ السلام کا پرانا زخم تازہ ہو گیا۔

انہوں نے بیٹوں کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ (2) ﴿وَقَالَ يَا سَعْدِي عَلَىٰ يَوْمٍ لَّسْتُ بِمُؤْمِنٍ مِّنْهُمْ وَلَا يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِمْ﴾ ”اور کہنے لگا: ”ہائے افسوس یوسف پر!“ انہوں نے سرد

آہ بھر کر کہا ہائے یوسف پر افسوس ہے۔ (3) یعنی پرانا حزن و غم اور نہ ختم ہونے والا اشتیاق جو سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے دل میں چھپا

رکھا تھا، ظاہر ہو گیا اور اس نئی اور پہلی مصیبت کی نسبت قدرے ہلکی مصیبت نے پہلی مصیبت کی یاد تازہ کر دی۔ (تفسیر سعدی:

(1277,1278/2) (4) ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ﴾ ”اور غم سے اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں“، غم اور کرب کی وجہ سے ان کی آنکھیں رورور کر سفید ہو گئی تھیں۔ یوسف علیہ السلام کے فراق میں سیدنا یعقوب علیہ السلام کی بینائی چلی گئی تھی، کسی سے شکوہ نہیں کرتے تھے، دل میں صدمے سے گھلے جا رہے تھے۔ (5) ﴿فَهُوَ كَظِيمٌ﴾ ”چنانچہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا“، سیدنا یعقوب علیہ السلام کا دل غم سے بھر چکا تھا، ان کے دل کا پیمانہ غم اور حزن سے لبریز ہو گیا تھا۔ (6) آیت کے آخری حصے ﴿فَهُوَ كَظِيمٌ﴾ میں اشارہ ہے کہ ان کا دل غم سے متاثر تھا، لیکن اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ (تیسیر الرحمن: 1/1694)

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتُوْا تَدْ كُرِيْوْ سَفْحٰلِيْ تَكُوْنُ حَرَمًا وَّاَتَكُوْنُ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ (85)﴾

”بیٹوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ تو یوسف ہی کو یاد کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ آپ گھل کر مرنے کے قریب ہو جائیں یا ہلاک ہونے والوں میں سے۔“ (85)

سوال: ﴿قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتُوْا تَدْ كُرِيْوْ سَفْحٰلِيْ تَكُوْنُ حَرَمًا وَّاَتَكُوْنُ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ﴾ ”بیٹوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ تو یوسف ہی کو یاد کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ آپ گھل کر مرنے کے قریب ہو جائیں یا ہلاک ہونے والوں میں سے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا﴾ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ان کے حالات پر تعجب کرتے ہوئے کہا۔ (2) ﴿تَاللّٰهِ تَفْتُوْا تَدْ كُرِيْوْ سَفْحٰلِيْ﴾ ”اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ تو یوسف ہی کو یاد کرتے رہیں گے“ باپ کی حالت دیکھ کر بیٹے بھی صدمے میں تھے۔ انہوں نے اپنے والد کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ یوسف علیہ السلام کی جدائی میں گھل کر ختم ہو جائیں گے۔ (3) ﴿حٰلِيْ تَكُوْنُ حَرَمًا﴾ ”یہاں تک کہ آپ گھل کر مرنے کے قریب ہو جائیں“، یعنی آپ حرکت تک نہیں کر سکیں گے اور آپ میں بولنے کی طاقت نہیں رہے گی۔ (تفسیر سعدی: 1278/2) (4) ﴿وَّاَتَكُوْنُ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ﴾ ”یا ہلاک ہونے والوں میں سے“، یعنی یوسف علیہ السلام کی جدائی کے صدمے میں گھل کر ختم ہو جائیں گے یعنی آپ یوسف علیہ السلام کو یاد کرنا نہیں چھوڑ سکتے۔

﴿قَالَ اِنَّمَا اَسْكُوْا بَنِيَّ وَحُرِّيَّ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (86)﴾

”یعقوب نے کہا: ”میں اپنی ظاہر ہو جانے والی بے قراری اور غم کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“ (86)

سوال 1: ﴿قَالَ اِنَّمَا اَسْكُوْا بَنِيَّ وَحُرِّيَّ اِلَى اللّٰهِ﴾ ”یعقوب نے کہا: ”میں اپنی ظاہر ہو جانے والی بے قراری اور غم کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے کہا۔ (2) ﴿إِنَّمَا أَشْكُوا بِنُسِيِّ﴾ ”میں اپنی ظاہر ہو جانے والی بے قراری“ میں اپنے اضطراب کو کھولتا ہوں یعنی میں اپنی پریشانیوں اور غموں کا شکوہ۔ (3) ﴿وَحُزْنِي﴾ ”اور غم کا شکوہ“ اور وہ غم جو میرے دل میں رچا بسا ہے جو پوشیدہ ہے۔ (4) ﴿إِلَى اللَّهِ﴾ ”صرف اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں“ اللہ تعالیٰ کے سامنے یعنی اس کے پاس کرتا ہوں۔ (5) یہ بات سیدنا یعقوب علیہ السلام کے گہرے تعلق باللہ کا پتہ دیتی ہے۔ اس بات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بظاہر مایوس کن حالات ان کی امید کو متاثر نہ کر سکے کیونکہ ان کا رب سے گہرا رابطہ تھا، پیغمبر کے دل میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اللہ تعالیٰ کے اختیارات کا کتنا گہرا شعور ہوتا ہے۔

سوال 2: ﴿وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اس علم کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا کہ مجھے گیارہ ستارے، چاند اور سورج سجدہ کر رہے ہیں اس کی تعبیر اب تک پوری نہیں ہوئی تھی وہ جانتے تھے کہ ایسا ہونا ضرور ہے کہ یوسف موجود ہو اور گیارہ ستارے یعنی سارے بھائی (جن میں بنیامین بھی تھے اور وہ بڑا بھائی بھی تھا جو مصر میں رہ گیا تھا) اور ماں باپ سجدہ کریں گے لہذا یوسف کو نہ موت آئی ہے نہ اس کی ملاقات سے پہلے مجھے دنیا سے جانا ہے سب کو ایک دن جمع ہونا ہی ہے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں الہام ہو گیا ہو یا بذریعہ وحی اطلاع دے دی گئی۔ (انوار البیان: 3/117، 118) (2) یعنی میں اللہ تعالیٰ کے لطف، احسان اور مصیبت پر ثواب کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ (3) اللہ تعالیٰ کی جانب سے خیر اور بھلائی کا جو معاملہ میرے علم میں ہے وہ آپ کے علم میں نہیں ہے۔ (4) یعنی میں جانتا ہوں کہ میرا رب سب کو میرے پاس لوٹالائے گا۔

﴿يَبْنَئِ أَدْهُمُ أَفْحَسُّوْا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَأْتِيْسُوْا مِنْ رُّوحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْتِيْسُ مِنْ رُّوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ

الْكَافِرُونَ﴾ (87)

”اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا۔“ (87)

سوال 1: ﴿يَبْنَئِ أَدْهُمُ أَفْحَسُّوْا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ﴾ ”اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1): ﴿يَبْنَئِ﴾ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا اے میرے بیٹو۔ (2) ﴿أَدْهُمُ أَفْحَسُّوْا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ﴾ ”جاؤ

یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو، سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو پوری کوشش کے ساتھ تلاش کرنے کا حکم دیا۔ (3) تحس بھلائی کے لیے استعمال ہوتا ہے تحس برائی کے لیے۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو بھائیوں کے ڈھونڈنے کی رغبت دلا رہے ہیں۔

سوال 2: ﴿وَلَا تَيْسُؤْا مِنْ رُؤْحِ اللّٰهِ ۗ اِنَّهٗ لَا يَأْتِيْسُ مِنْ رُؤْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا تَيْسُؤْا مِنْ رُؤْحِ اللّٰهِ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا“ سیدنا یعقوب علیہ السلام بیٹوں کو اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے کی ترغیب دلا رہے ہیں۔ (2) امید بندے کو اپنے مقصد کے لیے کوشش اور جدوجہد کے لیے آمادہ کرتی ہے اور مایوسی اسے سست اور کاہل بنا دیتی ہے اور سب سے بہترین چیز جس کی بندے کو امید رکھنی چاہیے وہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت و مہربانی۔ (تفسیر سعدی: 1278/2) (3) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید باندھنا دل کی عبادت ہے۔ یہ امید کا رشتہ مومن کو ٹوٹنے سے، مایوسی کی اتھاہ دلدل سے بچا لیتا ہے۔ (4) ﴿اِنَّهٗ لَا يَأْتِيْسُ مِنْ رُؤْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے واضح فرمایا کہ کافر اللہ تعالیٰ سے ناامید ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی عظمت کو نہیں جانتا۔ (5) کیونکہ کفار اپنے کفر کی وجہ سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان سے دور ہے، اس لئے کفار کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ بندہ اپنے ایمان کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی کی امید رکھتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1278، 1279/2) (6) صحیح مسلم میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمیشہ نیک گمان رکھنا چاہیے۔ (الترغیب: احسن التفاسیر) (7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر مومن کو اس سزا اور عذاب کا (کما حقہ) علم ہو جائے جو اللہ کے ہاں (نافرمانوں کے لئے) ہے تو اس کی جنت کی کوئی امید نہ کرے اور اگر کافر کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا صحیح علم ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو اس کی جنت سے کوئی ناامید نہ ہو۔ (مسلم: 6979)

﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلْنَا الظُّرْمُ وَجُنَابِصَاعَةَ مُرْجَةَ فَأَوْفِنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْنَا عَلَىٰ نَآءِ اِنَّا

اللّٰهُ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ (88)﴾

”چنانچہ جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے کہا: ”اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھروالوں کو بڑی تکلیف پہنچی ہے اور ہم معمولی رقم لے کر آئے ہیں سو آپ ہمارا پورا کر دیں اور ہم پر صدقہ بھی کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو

جزا دیتا ہے۔“ (88)

سوال: ﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلْنَا الظُّمُّ وَجئنا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿٣٠﴾﴾ ”چنانچہ جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے کہا: ”اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو بڑی تکلیف پہنچی ہے اور ہم معمولی رقم لے کر آئے ہیں سو آپ ہمارا ماپ پورا کر دیں اور ہم پر صدقہ بھی کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ﴾ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو بھائیوں کی تلاش کے لیے رغبت دلائی تو وہ مصر کے لیے روانہ ہو گئے اور یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (2) ﴿قَالُوا﴾ انہوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے کہا۔ (3) ﴿يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلْنَا الظُّمُّ﴾ ”اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو بڑی تکلیف پہنچی ہے“ انہوں نے عزیز مصر کو توجہ دلائی کہ ہمارے اہل خاندان کو قحط کی وجہ سے سخت مسائل کا سامنا ہے، ہم محتاج ہو گئے ہیں۔ (4) ﴿وَجئنا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجاةٍ﴾ ”اور ہم معمولی رقم لے کر آئے ہیں“ ہم تھوڑی سی رقم لے کر آپ کی خدمت میں آئے ہیں، اتنی رقم سے غلہ تو نہیں ملتا مگر آپ سے امید رکھتے ہیں۔ (5) ﴿فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ﴾ ”سو آپ ہمارا ماپ پورا کر دیں“ یعنی قلیل مال کے باوجود آپ ہمیں پورا پورا غلہ عنایت فرمادیں۔ (6) ﴿وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ ”اور ہم پر صدقہ بھی کریں“ یعنی کہ قیمت میں زیادہ غلہ آپ کی طرف سے ہم پر صدقہ ہوگا۔ (7) ﴿إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿٣٠﴾﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے“ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں بہترین اجر عطا فرماتا ہے۔

﴿قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ لَهِلُونَ﴾ (89)

”یوسف نے کہا: ”کیا تمہیں علم ہے جب تم نادان تھے، تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟“ (89)

سوال: ﴿قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ لَهِلُونَ﴾ ”یوسف نے کہا: ”کیا تمہیں علم ہے جب تم نادان تھے، تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر جب بوڑھے باپ کا ذکر سنا تو ان کا دل بے قرار ہو گیا اور وہ نرم پڑ گئے، فرمایا۔ (2) ﴿هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ﴾ ”کیا تمہیں علم ہے تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟“ یعنی تمہیں معلوم ہے کہ یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جہالت میں کیا کیا تھا؟ (3) ﴿إِذْ أَنْتُمْ لَهِلُونَ﴾ ”جب تم نادان تھے“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو ان کی حرکت تو یاد دلائی مگر اس خیال سے کہ وہ شرمندہ نہ ہوں خود ہی ان کے لئے معذرت کا پہلو نکال دیا۔ یہ انتہائی مروت کا مقام ہے جس کی توقع ایک نبی سے ہی ہوسکتی ہے۔ (روح المعانی، اشرف الحواشی: 1/295) (4) اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں یقیناً جہالت کا نتیجہ ہی ہوتی ہیں۔

﴿قَالُوا إِنَّكَ لَكُنْتَ يَوْسُفَ وَقَالَ أَنَا يَوْسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مِنْ يَشْقَى وَيَصْدُرُ أَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيْعُ

أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (90)

”انہوں نے کہا: ”کیا یقیناً تم واقعتاً یوسف ہی ہو؟“ اس نے کہا: ”میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی نیکی کرنے والوں کا اجر بلاشبہ ضائع نہیں کرتا۔“ (90)

سوال 1: ﴿قَالُوا إِنَّكَ لَكُنْتَ يَوْسُفَ وَقَالَ أَنَا يَوْسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا﴾ ”انہوں نے کہا: ”کیا یقیناً تم واقعتاً یوسف ہی ہو؟“ اس نے کہا: ”میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا﴾ ”انہوں نے کہا“ برادران یوسف نے انہیں پہچان لیا تو تعجب سے پوچھا۔ (2) ﴿إِنَّكَ لَكُنْتَ يَوْسُفَ﴾ ”کیا یقیناً تم واقعتاً یوسف ہی ہو؟“ برادران یوسف نے دواڑھائی سال کی آمدورفت کے دوران اپنے بھائی کو نہیں پہچانا تھا اور سیدنا یوسف علیہ السلام نے بھی اپنا حال چھپائے رکھا۔ اس لیے انہوں نے تعجب سے کہا کہ کیا آپ یوسف ہیں؟ (3) ﴿قَالَ أَنَا يَوْسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا﴾ ”اس نے کہا: ”میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے کہا کہ ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا چھوٹا بھائی نبیا مین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے کہ ہمیں طویل مدت کی جدائی کے بعد ملا دیا۔ (4) اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا کہ ہمیں ایمان، تقویٰ اور صبر جیسی عظیم صفات سے نوازا اور ہمیں اقتدار عطا کیا۔

سوال 2: ﴿إِنَّهُ مِنْ يَشْقَى وَيَصْدُرُ أَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی نیکی کرنے والوں کا اجر بلاشبہ ضائع نہیں کرتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّهُ مِنْ يَشْقَى﴾ ”حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے“ جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، وہ اس سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی فرماں برداری کرتا ہے اور اس کے عذاب کا خوف رکھ کر اس کی نافرمانی سے بچتا ہے۔ (2) جو شخص حرام کاموں سے بچتا ہے۔ (3) ﴿وَيَصْدُرُ﴾ ”اور صبر کرتا ہے“ یعنی مصائب پر صبر کرتا ہے۔ (4) ﴿فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اللہ تعالیٰ بھی نیکی کرنے والوں کا اجر بلاشبہ ضائع نہیں کرتا“ اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر، نیک لوگوں کا انعام ضائع نہیں کرتا ہے۔ (5) جو واقعتاً اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے، وہ نیک ہے۔ (6) تقویٰ اور صبر دونوں احسان کے کام ہیں۔ (7) سیدنا یعقوب علیہ السلام نے زندگی بھر اللہ تعالیٰ سے امید باندھے رکھی، بیٹے کی جدائی پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کیا، اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (8)

سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے سامنے ان ہی اعمال کی فضیلت رکھی کہ تقویٰ اور صبر کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ (9) رب العزت نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی مثال دی ہے کہ جو ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے، وہ ضرور کامیاب ہوتا ہے۔ (10) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبر کرنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے صبر دے دیتا ہے اور کسی شخص کو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع کسی چیز کی بخشش نہیں کی گئی۔ (بخاری مشکوٰۃ)

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰتٰرَكَ اللّٰهُ عَلَيِّنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِبِيْنَ (91)﴾

”انہوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہم پر فوقیت دی ہے اور بیشک ہم ہی یقیناً خطا کرتے۔“ (91)

سوال: ﴿قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰتٰرَكَ اللّٰهُ عَلَيِّنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِبِيْنَ ۝﴾ ”انہوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہم پر فوقیت دی ہے اور بے شک ہم ہی یقیناً خطا کرتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا﴾ برادران یوسف علیہ السلام نے کہا۔ (2) ﴿تَاللّٰهُ لَقَدْ اٰتٰرَكَ اللّٰهُ عَلَيِّنَا﴾ ”اللہ کی قسم! بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہم پر فوقیت دی ہے“ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر ترجیح دی ہے۔ آپ محاسن اخلاق کی وجہ سے، اپنی کریم عادات کی وجہ سے قابل ترجیح ٹھہرے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی۔ انہوں نے اپنے قصوروں اور سیدنا یوسف علیہ السلام کی عظمت کا اقرار کر لیا۔ (3) ﴿وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِبِيْنَ ۝﴾ ”اور بیشک ہم ہی یقیناً خطا کرتے“ ہم نے ہی آپ کو تکلیف پہنچائی، آپ کو اپنے پیاروں سے، اپنے باپ دادا سے دور کیا، یقیناً ہم قصور وار ہیں۔

﴿قَالَ لَا تَأْتِبٰرِبٰ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۙ يُعْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ (92)﴾

”یوسف نے کہا: ”آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے

والا ہے۔“ (92)

سوال 1: ﴿قَالَ لَا تَأْتِبٰرِبٰ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۙ﴾ ”یوسف نے کہا: ”آج تم پر کوئی ملامت نہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ (2) ﴿لَا تَأْتِبٰرِبٰ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۙ﴾ ”آج تم پر کوئی ملامت نہیں“ آج تم پر ملامت نہیں جو ہونا تھا وہ ہو گیا، مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ آج کے بعد میں تمہارا قصور تمہیں یاد نہیں دلاؤں گا۔

سوال 2: ﴿يُعْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ ۝﴾ ”اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يُعْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۙ﴾ ”اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے احسان کا کمال ہے۔ انہوں نے نرمی اور فراخ دلی کا جو نمونہ پیش کیا وہ اللہ تعالیٰ کے خاص لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ (2) ﴿وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ ”اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جانب توجہ مبذول کروائی کہ اسی کی رحمت کی ضرورت ہے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ (3) فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ کا سر جھکا ہوا تھا اور آپ ﷺ یہی الفاظ دہرا رہے تھے: ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمْ يَوْمَ آجِ تَمَّ بِرَكُوْنِي سِرْزَشْ نَهِيْسْ۔ جَاؤْتَمَّ سَبْ آزَادُوْمَ۔﴾ (الرحیق المختوم)

﴿رَاذَهُبُوْا بِقِيْبِيْوِيْ هٰذَا فَا لَقُوْهُ عَلٰى وُجُوْهِ اٰبِيْ يٰتِ بَصِيْرًا وَاَنْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (93)

”تم میرا یہ قمیض لے جاؤ پھر اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، وہ بینا ہو جائے گا اور تم اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے

آؤ۔“ (93)

سوال 1: ﴿رَاذَهُبُوْا بِقِيْبِيْوِيْ هٰذَا فَا لَقُوْهُ عَلٰى وُجُوْهِ اٰبِيْ يٰتِ بَصِيْرًا وَاَنْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ ”تم میرا یہ قمیض لے جاؤ پھر اس کو میرے

باپ کے چہرے پر ڈال دو، وہ بینا ہو جائے گا اور تم اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿رَاذَهُبُوْا بِقِيْبِيْوِيْ هٰذَا فَا لَقُوْهُ عَلٰى وُجُوْهِ اٰبِيْ يٰتِ بَصِيْرًا﴾ ”تم میرا یہ قمیض لے جاؤ پھر اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال

دو، وہ بینا ہو جائے گا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے کہا: میری قمیض لے جاؤ اور میرے والد کے چہرے پر ڈال دو۔ ان کی بینائی واپس

آجائے گی۔ (2) کیونکہ ہر بیماری کا علاج اس کی ضد کے ذریعے سے کیا جاتا ہے۔ اس قمیض میں چونکہ یوسف علیہ السلام کی خوشبو کا اثر تھا جس

کی جدائی نے اپنے باپ کے دل کو اس قدر حزن و غم سے لبریز کر دیا تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام چاہتے تھے کہ یہ قمیض

ان کے باپ کو سونگھائی جائے تو ان کی روح، ان کا نفس اور ان کی بصارت لوٹ آئے گی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور اسرار پنہاں ہیں

جن کو بندے نہیں جانتے مگر اس معاملے پر یوسف علیہ السلام کو مطلع کیا گیا۔ (تفسیر سعدی: 2/1281) (3) ہر مرض کی اللہ تعالیٰ کے ہاں دوا ہے

اور شدت فرح سے بینائی میں قوت پیدا ہو جانا طبی طور پر بھی ثابت ہے۔ (رازی، اشرف) (4) ﴿وَاَنْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ ”اور تم اپنے سب

گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ اپنے تمام اہل خانہ کو میرے پاس لے کر آؤ تاکہ حالات بدل جائیں۔

رکوع نمبر 5

﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعُوْدُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَآ جِدُ رِجْمَ يُسُفَ لَوْلَا اَنْ تَقُوْدُنْ﴾ (94)

”اور جب قافلہ جدا ہوا تو ان کے باپ نے کہا: ”یقیناً میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں، اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو۔“ (94)

سوال 1: ﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعُوْدُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَآ جِدُ رِجْمَ يُسُفَ لَوْلَا اَنْ تَقُوْدُنْ﴾ ”اور جب قافلہ جدا ہوا تو ان کے باپ نے کہا:

”یقیناً میں یوسف کی خوشبو پارہا ہوں، اگر تم مجھے بہکا ہوانہ سمجھو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَمَّا هَضَمْتَ الْغَيْظُ﴾ ”اور جب قافلہ جدا ہوا“ جب برادران یوسف کا قافلہ مصر سے فلسطین کی طرف روانہ ہوا۔ (2) ﴿قَالَ أَبُوهُمْ﴾ ”تو ان کے باپ نے کہا“ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے جو ان کے پاس تھے فرمایا: (3) ﴿إِنِّي لَأَجِدُ رَائِحَةَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن تَفُوتَنِي﴾ ”یقیناً میں یوسف کی خوشبو پارہا ہوں، اگر تم مجھے بہکا ہوانہ سمجھو“ اگر میرا مذاق نہ اڑاؤ، میری بات کا یقین کر لو تو مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ (4) یعنی یہ نہ سمجھو کہ بات مجھ سے غیر شعوری طور پر صادر ہوئی ہے، کیونکہ یعقوب علیہ السلام نے اس حال میں ان کی طرف سے تعجب کا مظاہرہ ہی دیکھا جو اس قول کا موجب بنا۔ (تفسیر سعدی: 1281/2) (5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو زور کی ہوا چلی اور یہی ہوا یعقوب علیہ السلام کے پاس یوسف علیہ السلام کی خوش خبری لائی اور انہیں یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو محسوس ہونے لگی۔ (عبدالرزاق) (6) اتنے فاصلے سے خوشبو کو محسوس کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ تھا۔ یہ اس حقیقت کا اعلان تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو بھی جب تک اللہ تعالیٰ خبر نہ دے وہ بے خبر رہتا ہے۔ چاہے بیٹا قریب کے کسی کنوئیں میں کیوں نہ ہو اور جب اللہ تعالیٰ اس کا انتظام فرمادے تو مصر جیسے دور کے علاقے میں بھی بیٹے کی خوشبو آ سکتی ہے۔ (7) شہر مصر سے کنعان تک ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق آٹھ دن کی مسافت کا راستہ تھا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسی (80) فرسخ یعنی تقریباً ڈھائی سو میل کا فاصلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی دور سے قمیض یوسف علیہ السلام کے ذریعہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی خوشبو یعقوب علیہ السلام کے دماغ تک پہنچادی اور یہ عجائب میں سے ہے کہ جب یوسف علیہ السلام اپنے وطن کنعان ہی کے ایک کنوئیں میں تین روز تک پڑے رہے تو اس وقت یہ خوشبو محسوس نہیں ہوئی، یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی معجزہ پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ (معارف القرآن: 143/5)

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ﴾ (95)

”انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک آپ تو یقیناً اپنے پرانے خطب میں ہیں۔“ (95)

سوال: ﴿قَالُوا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک آپ تو یقیناً اپنے پرانے خطب میں ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا تَاللّٰهِ﴾ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا۔ (2) ﴿تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ﴾ ”اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک آپ تو یقیناً اپنے پرانے خطب میں ہیں“ آپ تو اپنی پرانی غلطی پر ہیں۔ آپ تو یوسف کی محبت میں اس قدر ڈوبے ہوئے ہیں کہ آپ کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ (3) بیٹوں نے باپ سے سخت بات کی۔ یہ بات کسی بیٹے کے لائق نہیں کہ وہ اپنے باپ سے اتنی توہین آمیز بات کرے۔

﴿فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ آفَئِقَةً عَلَى وَجْهِهِ فَمَارَتْكَ بَصِيرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنَّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (96)﴾

”سوجب خوش خبری لانے والا آیا اس نے یوسف کا قمیص اس کے چہرے پر ڈال دیا چنانچہ وہ بیٹا ہو گیا اس نے کہا: ”کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“ (96)

سوال 1: ﴿فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ آفَئِقَةً عَلَى وَجْهِهِ فَمَارَتْكَ بَصِيرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنَّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”سوجب خوش خبری لانے والا آیا اس نے یوسف کا قمیص اس کے چہرے پر ڈال دیا چنانچہ وہ بیٹا ہو گیا اس نے کہا: ”کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ﴾ ”سوجب خوش خبری لانے والا آیا“ بشیر سے مراد قاصد یہود تھے، آپ یعقوب علیہ السلام کے سب سے بڑے صاحب زادے ہیں۔ آپ ہی اللہ تعالیٰ کے نبی کے پاس یوسف علیہ السلام کی خون سے لٹ پت قمیص لائے تھے۔ آپ ہی گناہ کی تلافی کے لیے بشیر بن کر یوسف علیہ السلام کی قمیص لائے اور باپ کے منہ پر لاکر ڈال دی، قمیص کے پڑتے ہی آپ کی بینائی بحال ہو گئی۔ (مختصر ابن کثیر: 899/1) (2) جب خوش خبری دینے والا ان کے بھائیوں اور والد کی ملاقات کی خوش خبری لے کر آیا۔ (3) ﴿آفَئِقَةً عَلَى وَجْهِهِ فَمَارَتْكَ بَصِيرًا﴾ ”اس نے یوسف کا قمیص اس کے چہرے پر ڈال دیا چنانچہ وہ بیٹا ہو گیا“ جب قمیص یوسف علیہ السلام کے چہرے پر ڈالی گئی تو وہ پہلے جیسی بصارت کی حالت میں آگئے۔

سوال 2: ﴿قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنَّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”اس نے کہا: ”کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ”اس نے کہا:“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا۔ جو وہاں ان کی رائے کو جھٹلا رہے تھے اور ان پر اظہار تعجب کر رہے تھے۔ (2) ﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنَّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ بیشک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوش ہو کر اپنے بیٹوں سے کہا کہ میں تو تمہیں شروع سے یہی کہتا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔ یہ اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ (یوسف: 86) میں تو یوسف علیہ السلام کے ملنے کی امید رکھتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کو میرے پاس لائے گا اور غم کا یہ دور ختم ہو جائے گا۔

﴿قَالُوا يَا بَانَ اسْتَعْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا ضَالِّينَ (97)﴾

”انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! آپ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش کی دعا کریں، یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔“ (97)

سوال: ﴿قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! آپ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش کی دعا کریں، یقیناً ہم ہی خطا کار تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا﴾ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کہا۔ (2) ﴿يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ﴾ ”اے ہمارے ابا جان! آپ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش کی دعا کریں، یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔“ بیٹوں نے باپ کے سامنے اعتراف جرم کیا اور ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے واقعی بہت بڑی خطا ہوئی ہے۔ ہم نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا اس کی وجہ سے ہم خطا کار ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے گناہوں کی معافی مانگیں۔

﴿قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (98)

”یعقوب نے کہا: ”میں تمہارے لئے جلد ہی اپنے رب سے بخشش کی دعا کروں گا، یقیناً وہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“ (98)

سوال 1: ﴿قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ ”یعقوب نے کہا: ”میں تمہارے لئے جلد ہی اپنے رب سے بخشش کی دعا کروں گا، یقیناً وہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی ندامت محسوس کر کے کہا۔ (2) ﴿سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي﴾ ”میں تمہارے لئے جلد ہی اپنے رب سے بخشش کی دعا کروں گا“ دعا قبول ہونے کا وقت آنے دو، میں اپنے رب سے تمہارے گناہوں کے لیے استغفار کروں گا۔ (3) ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ ”یقیناً وہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے“ وہ خطاؤں کو بے حد بخشنے والا ہے، مہربان ہے۔ جو بھی سچے دل سے توبہ کرتا ہے وہ اس پر رحم فرماتا ہے، اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ تمہیں معاف کر دے گا اور تمہیں اپنی رحمت سے ڈھانپ لے گا۔ (4) سیدنا یعقوب علیہ السلام نے استغفار کو فضیلت والے مبارک وقت تک کے لیے مؤخر کر دیا تاکہ استغفار قبول ہو جائے۔ (5) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف آتے ہوئے ایک شخص سے دعا سنتے ہیں۔ اے اللہ! تو نے مجھے بلایا میں آ گیا تو نے مجھے حکم فرمایا میں نے اس کی تعمیل کی۔ یہ سحر کا وقت ہے اپنے فضل سے مجھے بخش دے۔ آواز پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ آواز سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر سے آرہی ہے۔ آپ اس بارے میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے دعائے مغفرت کے لیے سحر ہی کا وعدہ فرمایا تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ یہ جمعہ کی رات تھی۔ (مختصر ابن کثیر: 900/1)

﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَدَّى إِلَيْهِ أَبُو يُوؤُوقَالَ اذْخُلُوا مَعِيَ فِي الدَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ تُخْرَجُونَ﴾ (99)

”پھر جب وہ سب یوسف کے پاس داخل ہوئے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس ہی جگہ دی اور کہا: ”مصر میں داخل ہو جاؤ اگر اللہ

تعالیٰ نے چاہا تو امن والے ہوں گے۔“ (99)

سوال: ﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُسُفَٰءِ أُمِّي إِلَيْهِ أَبُوتُهُ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ﴾ ”پھر جب وہ سب یوسف کے پاس داخل ہوئے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس ہی جگہ دی اور کہا: ”مصر میں داخل ہو جاؤ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو امن والے ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا﴾ ”پھر جب“ جب سیدنا یوسف علیہ السلام کے بلاوے پر ان کے بھائی، والد اور تمام گھر والے مصر جانے کے لیے تیار ہو گئے وہ فلسطین چھوڑ کر مصر کی طرف چل پڑے، ان کا مقصد مصر میں آباد ہونا تھا۔ (2) جب سیدنا یوسف علیہ السلام کو خبر ملی کہ آپ کے گھر والے قریب آگئے ہیں تو آپ ان کے استقبال کے لیے روانہ ہو گئے، امراء، رؤساء، حکام اور شہر کے معززین بھی آپ کے ساتھ تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا شاندار خیر مقدم کیا جائے۔ خود شاہ مصر بھی مجلس استقبالیہ میں شامل تھے۔ (3) ﴿أُمِّي إِلَيْهِ أَبُوتُهُ﴾ ”تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس ہی جگہ دی“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو عزت و احترام سے اپنے پاس بٹھایا۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ (4) ﴿وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ﴾ اور کہا: ”مصر میں داخل ہو جاؤ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو امن والے ہوں گے“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا: اب آپ لوگ مصر میں امن اور سلامتی سے رہیں۔ اب آپ لوگ قحط کی سختیوں، معاشی بدحالیوں سے محفوظ رہ کر امن اور اطمینان کی زندگی گزارو۔

﴿وَرَفَعَ أَبُوتُهُ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُءُوسِ يَاسِيٍّ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلْنَا رُبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (100)﴾

”اور اس نے اپنے والدین کو اٹھا کر تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لیے سجدے میں جھک گئے اور یوسف نے کہا: ”اے میرے ابا جان! یہ میرے اس سے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے، یقیناً میرے رب نے اسے سچا کر دیا ہے اور بے شک اس نے میرے ساتھ احسان کیا جب مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ سب کو صحرا سے یہاں لے آیا، اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا تھا۔ یقیناً میرا رب جو چاہتا ہے اس کی باریک تدبیر کرنے والا ہے، یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔“

(100)

سوال 1: ﴿وَرَفَعَ أَبُوتُهُ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا﴾ ”اور اس نے اپنے والدین کو اٹھا کر تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لیے سجدے میں جھک گئے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَرَفَعْنَا كُوفِيَهُ عَلَى الْعَرْشِ﴾ ”اور اس نے اپنے والدین کو اٹھا کر تخت پر بٹھایا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو شاہی تخت پر عزت سے بٹھالیا۔ (2) ﴿وَخَرَّوْا لَهُ سُجُودًا﴾ ”اور سب اس کے لیے سجدے میں جھک گئے“ سیدنا یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائی ان کی عزت کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ (3) وہ گیارہ بھائی تھے جنہوں نے سجدہ کیا۔ (4) شریعت ابراہیمی میں تعظیمی سجدہ جائز تھا جو آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت تک جائز رہا پھر شریعت محمدیہ میں حرام کر دیا گیا اور سجدہ رب ہی کے لیے مخصوص ہو گیا۔ حدیث میں ہے کہ معاذ نے شام سے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا ”معاذ رضی اللہ عنہ! یہ کیا کر رہے ہو؟ کہنے لگے میں نے شام میں دیکھا کہ لوگ اپنے پادریوں کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ ﷺ زیادہ حق دار ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، کیونکہ شوہر کا اس پر بڑا حق ہے۔ (مگر یہ بھی حکم نہیں کیونکہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہے) بہر حال پہلی شریعتوں میں غیر اللہ کو سجدہ جائز تھا، اسی وجہ سے بھائیوں نے اور ماں باپ نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ (مختصر ابن کثیر: 901/1)

سوال 2: شیطان انسان کو کیسے حسد میں مبتلا کر دیتا ہے؟

جواب: (1) شیطان انسان کے دل میں کسی کے بارے میں برا خیال ڈالتا ہے۔ (2) اگر انسان اس خیال کو جھٹک دے تو شیطان اپنا کام نہیں کر پاتا۔ (3) اگر انسان شیطان کے ڈالے ہوئے خیال پر غور و فکر شروع کر دے تو انسان بدگمان ہو جاتا ہے۔ (4) بدگمانی جب دل میں جگہ بنا لیتی ہے تو انسان کے اندر ہی اندر لگا لگا process جاری ہو جاتا ہے۔ (5) انسان اپنی بدگمانی کے تحت ان کے ہر کام کا جائزہ لینا شروع کر دیتا ہے جن کے بارے میں بدگمانی ہوتی ہے اور ہر بار غور و فکر کے نتیجے میں کوئی نہ کوئی ایسی بات انسان کو مل جاتی ہے جو بدگمانی میں اضافہ کر سکتی ہے کہ انسان کا دل بغض سے بھر جاتا ہے۔ (6) جب انسان کا دل کینے اور بغض سے بھر جاتا ہے تو وہی شخص جس کے بارے میں ابتداء میں برا خیال آیا تھا اس سے حسد کرنے لگتا ہے۔ (7) انسان جب حسد کی آگ میں جلنے لگتا ہے تو کسی نہ کسی طرح اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرنے لگتا ہے جس سے حسد رکھتا ہے۔ (8) انسان کی انتقامی کاروائیاں اس حد کو جا پہنچتی ہیں جہاں انسان محسود کو، اس کے وجود کو برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ اگر حسد کو موقع مل جائے تو وہ محسود کو قتل کرنے تک سے گریز نہیں کرتا۔

سوال 3: حسد کے کیا مراتب ہیں؟

جواب: حسد کے تین مراتب ہیں: (1) دوسرے کی نعمت چھین جانے کی تمنا کرنا، یہ انتہائی خطرناک اور سخت حرام ہے۔ (2) کسی کے لیے یہ تمنا کرنا کہ وہ ہمیشہ نعمت سے محروم رہے یعنی انسان یہ تمنا کرے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کسی نعمت سے نہ نوازے بلکہ جو جس پریشانی میں ہے وہ اس میں مبتلا رہے، یہ بھی حرام ہے۔ (3) تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ آدمی یہ تمنا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی ان نعمتوں سے نواز دے جن نعمتوں سے اس نے دوسروں کو نوازا ہے۔ اس طرح کی تمنا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایسا آدمی قابل ملامت نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ”منافستہ“ (

رغبت رکھنا) کے قریب ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۝﴾ ”اور اس میں رغبت رکھنے والوں کے لیے لازم ہے کہ مقابلہ کریں۔“ (المطففين: 26)

سوال 4: حسد کے کیا اسباب ہیں؟

جواب: حسد کے چند اسباب ہیں جو اس کے معاونین اور طبیعت و فطرت کو غذا اور قوت فراہم کرتے ہیں، جس سے حاسد کا دل، جس سے وہ حسد کرتا ہے اس کے خلاف غیظ و غضب سے بھر کر سیاہ ہو جاتا ہے اور مخالف کے قتل پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔ انہی اسباب میں سے چند اہم اسباب کا ذکر کیا جا رہا ہے: (1) دنیاوی امور میں اللہ تعالیٰ کی تقسیم و تقدیر پر راضی و قانع نہ ہونا، ایسا شخص ہمیشہ غم و غصے میں رہتا ہے اور سوچتا رہتا ہے کہ فلاں کے پاس مال و دولت ہے، میرے پاس کیوں نہیں ہے؟ اور فلاں قابل قدر و منزلت ہے میں کیوں نہیں ہوں؟ تمام باتیں وہ اسی طرح سوچتا رہتا ہے۔ (2) کینہ و بغض اور عداوت رکھنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت مخالف کے پاس دیکھنا قطعاً پسند نہیں کرتا، بلکہ اس کی خواہش اس کے برعکس ہوتی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ تُبْصِرْ سَبِيئَةً يُقَرِّحُوا بِهَا﴾ اور اگر تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ (آل عمران: 120) اور یہ سب اسے مخالف کو قتل کرنے، اس کی جائیداد ہڑپ کرنے اور تذلیل و توہین کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ (3) حسد کا ایک سبب خود پسندی ہے، یہ ایک ایسا مہلک مرض ہے جو خود پسند شخص کو حسد بلکہ حق کا انکار کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمان الہی: ﴿أَوْ عَصَيْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَأْسِ جَلِّ مِنْكُمْ﴾ کیا بھلا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت تمہارے پاس تم میں سے ایک آدمی پر آئی ہے۔ (الاعراف: 63) اسی طرح خود پسند اور مغرور شخص کسی دوسرے کو اپنے سے آگے بڑھتا ہوا دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ (4) ہم پیشہ و ہم منصب ہونا بھی حسد کا باعث بن جاتا ہے۔ جیسے ایک ہی جماعت اور معاشرہ میں اہل علم کا ایک دوسرے سے حسد کرنا اور ایک تاجر کا دوسرے تاجر سے حسد کرنا وغیرہ۔ یہ آپس میں حسد کرتے ہیں، کسی دوسرے معاشرے اور دوسرے پیشے سے تعلق رکھنے والے سے حسد نہیں کرتے۔

سوال 5: جب یہ بات واضح ہوگئی کہ حسد ایک خطرناک مرض ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا علاج کیا ہے؟

جواب: (1) حاسد کو یہ بات جان لینی چاہیے کہ اس نے مومنین سے حسد کر کے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی مشارکت اختیار کی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن مومنین پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر دیکھنا پسند کرتے ہیں اور وہ بھی ان کا شریک کارٹھہرا ہے۔ (2) حاسد یہ بھی جان لے کہ اس کا حسد مخالف کو کوئی ضرور نقصان نہیں پہنچا سکے گا، بلکہ حسد کی وجہ سے اس کا تمام تر حزن و ملال اور غم و غصہ اور قلق اسی کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ تمام حاسدین کی خواہش کے مطابق کام کر دے تو مخالفین پر کوئی بھی نعمت باقی نہ رہے۔ (3) اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر مکمل طور پر راضی ہونا اور دنیا کی کسی چیز کے فوت ہونے یا نہ ملنے پر قطعی افسوس نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ اس کا انجام کار آخر فنا و زوال ایک لازمی امر ہے، ساتھ ہی حاسد اس بات کو بھی ذہن میں رکھے کہ اس کا حسد اللہ تعالیٰ کے حکم اور قضا و قدر کے خلاف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ

ہے: ﴿أَهْمُ يُقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ لَنْ نَسْمَأَ بِذِكْرِكَ وَاللَّيْلُ وَالنَّهَارُ فَاعْبَأْ بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَشَأَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْعُونَ ۝﴾ کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ان کی روزی کو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیا ہے۔ اور ہم نے ایک دوسرے پر ان کے درجے بلند کیے ہیں تاکہ وہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔ اور تیرے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ (الزخرف: 32)

سوال 6: ﴿وَقَالَ يَا بَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُءُيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلْنَا رُبِّي حَلًا﴾ اور یوسف نے کہا: ”اے میرے ابا جان! یہ میرے اس سے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے، یقیناً میرے رب نے اسے سچا کر دیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالَ﴾ سیدنا یوسف علیہ السلام نے انہیں سجدے میں پڑے دیکھ کر کہا۔ (2) ﴿يَا بَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُءُيَايَ مِنْ قَبْلُ﴾ ”اے میرے ابا جان! یہ میرے اس سے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے“ ابا جان! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بہت پہلے دیکھا تھا۔ (3) یعنی اس سے پہلے جو میں نے خواب دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ ہے اس خواب کی تعبیر۔ (4) ﴿قَدْ جَعَلْنَا رُبِّي حَلًا﴾ ”یقیناً میرے رب نے اسے سچا کر دیا ہے“ میرے رب نے اس خواب کو حقیقت بنا کر دکھایا اور اسے خواب پریشان نہ بنایا۔ (تفسیر سعدی: 2/1283)

سوال 7: ﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجْتَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي﴾ اور بے شک اس نے میرے ساتھ احسان کیا جب مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ سب کو صحرا سے یہاں لے آیا، اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بِي﴾ ”اور بے شک اس نے میرے ساتھ احسان کیا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات یاد دلانے۔ (2) ﴿إِذْ أَخْرَجْتَنِي مِنَ السِّجْنِ﴾ ”اور آپ سب کو صحرا سے یہاں لے آیا“ انہوں نے اسی ضمن میں قید خانے سے رہائی پانے کا ذکر کیا اور کہا کہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا۔ (3) ﴿وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ﴾ ”اور آپ سب کو صحرا سے یہاں لے آیا“ اس نے احسان کا ذکر کیا کہ آپ لوگوں کو جنگل اور دیہات سے لا کر پھڑے ہوؤں کو ملا دیا۔ (4) سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اونٹ اور بکریاں پال رکھی تھیں اس لیے ان کا زیادہ وقت جنگلات میں گزرتا تھا وہ فلسطین کے کسی دیہات میں رہتے تھے۔ (5) یہ یوسف علیہ السلام کی مہربانی اور حسنِ تخاطب ہے کہ انہوں نے اپنے بھائیوں کے لیے تمام غنوں کی خاطر اپنی حالت قید کا ذکر کیا مگر اندھے کنوئیں میں ان پر جو کچھ گزری اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ انہوں نے اپنے بھائیوں کے قصوروں کا ذکر کیا۔ (تفسیر سعدی: 2/1283) (6) ﴿مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي﴾ ”اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا تھا“ پھر سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ شیطان نے تو ہمیں جدا کر دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے شیطان کو رسوا کر دیا، ہمیں تکلیف دہ جدائی کے بعد ملا دیا سیدنا یوسف علیہ السلام نے

اس انداز سے بات کی کہ گناہ اور جہالت کو شیطان کی طرف منسوب کیا۔ (7) اَللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكُهُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشَرِّكَهٖ اے اللہ! اے غیب اور حاضر کو جاننے والے! آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! ہر چیز کے پروردگار اور مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اپنے نفس کے شر سے اور شیطان کے شر اور اس کے شرک سے۔ (ابوداؤد: 3392) (8) یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھوک اور معاشی بد حالی سے نکال کر یہاں لے آیا اور نہ یہ کہا کہ اس نے تم پر احسان کیا بلکہ یہ کہا کہ اس نے مجھ پر احسان کیا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے احسان کو اپنی جانب لوٹایا یہ ان کی شخصیت کا عظیم پہلو ہے۔

سوال 8: ﴿اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۗ اِنَّهٗمُ الْعٰلِمِيْنَ الْحَكِيْمِيْنَ﴾ ”یقیناً میرا رب جو چاہتا ہے اس کی باریک تدبیر کرنے والا ہے، یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۗ﴾ ”یقیناً میرا رب جو چاہتا ہے اس کی باریک تدبیر کرنے والا ہے“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر سب کو رب کے احسانات یاد دلانے کے بعد اس کی عظمت کا یہ پہلو بھی یاد دلایا کہ وہ ”لطیف“ ہے۔ اپنے بندے پر احسانات کرنے کے لیے وہ تدبیر اختیار کرتا ہے اور ایسے کرم کرتا ہے کہ بندوں کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ وہ غیب سے اس کے لیے ظاہری اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے۔ وہ اپنی حکمت سے ناپسندیدہ امور کے ذریعے بلند ترین مقام تک پہنچا دیتا ہے جیسے سیدنا یوسف علیہ السلام کو کنوئیں کے ذریعے مصر اور قید خانے کے ذریعے مصر کے اقتدار تک پہنچا دیا۔ بڑا ہی برکت والا ہے وہ جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے خاص کر لیتا ہے۔ (2) ﴿اِنَّهٗمُ الْعٰلِمِيْنَ الْحَكِيْمِيْنَ﴾ ”یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے“ اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں کے رازوں اور ان کے معاملات کے ظاہری و باطنی سب پہلوؤں کو جانتا ہے۔ ﴿الْحَكِيْمِيْنَ﴾ ”کمال حکمت والا ہے“ اللہ تعالیٰ کمال حکمت والا ہے، اس کا ہر کام حکمت سے بھرپور ہے۔ وہ ہر اس چیز کو اس کے جائز مقام پر رکھتا ہے اور تمام امور کو ان کے مقررہ وقت پر وقوع پذیر کرتا ہے۔

﴿رَبِّ قَدْ اَتَيْتَنِيْ مِنَ الْمَلِكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۗ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اَنْتَ وَاٰتِيْنَا الْاٰخِرَةِ ۗ تَوْفِيْقِيْ ۗ﴾

تَوْفِيْقِيْ مُسْلِمًا وَّالْحَقِيْقِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (101) ﴿﴾

”اے میرے رب! یقیناً تو نے مجھے حکومت میں سے حصہ دیا اور تو نے مجھے باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھایا، اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا مددگار ہے، مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دینا اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دینا۔“ (101)

سوال 1: ﴿رَبِّ قَدْ اَتَيْتَنِيْ مِنَ الْمَلِكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۗ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اَنْتَ وَاٰتِيْنَا الْاٰخِرَةِ ۗ تَوْفِيْقِيْ ۗ﴾

﴿سُلَيْمًا وَالْغَنِيَّ بِالضُّرْحَيْنِ﴾ ” اے میرے رب! یقیناً تو نے مجھے حکومت میں سے حصہ دیا اور تو نے مجھے باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھایا، اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا مددگار ہے، مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دینا اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دینا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) جب سیدنا یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں اقتدار عطا کیا اور گھر والوں سے طویل جدائی کے بعد ملا دیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کیا، اس کا شکر ادا کیا اور اسلام پر ثابت قدمی کی دعا کی۔ (2) ﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمَلِكِ﴾ ” اے میرے رب! یقیناً تو نے مجھے حکومت میں سے حصہ دیا“ اے میرے رب تو نے مجھے بادشاہت میں سے حصہ دیا۔ (3) یہ انہوں نے اس لئے کہا تھا کہ وہ زمین کے خزانوں کے منتظم اور بادشاہ کے بہت بڑے وزیر تھے۔ (تفسیر سعدی: 1284/2) (4) ﴿وَعَلَّمَكُنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ ” اور تو نے مجھے باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھایا“ یعنی مجھے آسمانی کتاب کی تفسیر اور خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا۔ (تفسیر سعدی: 1284/2) (5) ﴿فَاطْرَ السَّمَلُوتِ وَالْأَرْضِ﴾ ” أَنْتَ وَوَلِيَّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَكَّلْنِي مُسْلِمًا﴾ ” اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا مددگار ہے، مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دینا“ اے عزت و جلال والے رب! اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے جس طرح آپ نے دنیا میں اپنی نعمتوں کی تکمیل کی ہے اسی طرح آخرت میں بھی مکمل فرمادے۔ (6) ﴿أَنْتَ وَوَلِيَّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ” تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا مددگار ہے“ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایمان والوں کا ولی ہے۔ (7) ﴿اللَّهُ وَوَلِيَّ الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَخْرُجُ جُحُمٌ مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ ” اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔“ (البقرہ: 257) (8) سیدنا عمر بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ بلند آواز سے نہ کہ آہستہ آواز سے فرما رہے تھے آگاہ رہو کہ میرے باپ کی اولاد یعنی فلاں خاندان والے میرے دوست نہیں بلکہ میرا دوست (مددگار) تو اللہ تعالیٰ ہے اور نیک مومن ہیں۔ (صحیح مسلم: 519) (9) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی رکھی اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چل کر جاتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں اور میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے مومن بندے کی جان نکالتے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ تو موت کو بوجہ جسمانی تکلیف کے پسند نہیں کرتا اور مجھے بھی اسے تکلیف دینا برا

لگتا ہے۔ (صحیح بخاری: 6502) (10) سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ! مجھے اسلام پر ثابت قدمی عطا فرما اور اسلام پر ہی وفات دینا۔ (11) ﴿وَالْحَقُّ بِالضَّالِّينَ﴾ اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دینا، یعنی مجھے انبیاء اور صالحین کے ساتھ شامل فرما۔ جو تیرے چنے ہوئے نیک بندے ہیں مجھے ان کی رفاقت نصیب فرما۔ (12) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں جلد موت کی تمنا کی، ہو سکتا ہے یہ ان کی شریعت میں جائز ہو جیسا کہ رسول ﷺ نے قرب موت کے وقت اس قسم کے اشتیاق کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ”اے اللہ مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔“ (ابن کثیر) (اشرف) (13) حدیث میں ہے کہ کوئی مصیبت یا تکلیف سے گھبرا کر موت کی تمنا نہ کرے۔ البتہ جب دین میں فتنہ کا خوف ہو تو تمنا کر سکتا ہے جیسا کہ فرعون کے جادوگروں نے اسلام لانے کے بعد دعا کی۔ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَ تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ اور سیدہ مریم علیہا السلام نے کہا ﴿يٰلَيَّتَنِي وُتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسِيًّا مِّنْ سَيِّئَاتٍ﴾ ایک دعائیں ہے: وَاِذَا اُرْدتْ بِقَوْمٍ فَتَنَةً فَاقْبِضِي الْيَمِيْنَ غَيْرَ مَفْنُوْنَ اے اللہ جب تو کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہے تو فتنہ سے بچا کر مجھے اٹھالے۔ (مسند احمد، ترمذی) (14) امام بخاری کو جب امیر خراسان سے جھگڑا پیش آیا تو انہیں یہ دعا کرنی پڑی اللّٰهُمَّ تَوَفِّي الْيَمِيْنَ اے اللہ مجھے اپنی طرف بلا لے۔“ (مختصر ابن کثیر)

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبِآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَنْكُرُوْنَ﴾ (102)

”یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں، ورنہ آپ ان کے پاس موجود نہ تھے جب یوسف کے بھائیوں نے اپنے کام کا پختہ ارادہ کیا اور جب وہ خفیہ تدبیریں کر رہے تھے۔“ (102)

سوال: ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبِآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَنْكُرُوْنَ﴾ ”یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں، ورنہ آپ ان کے پاس موجود نہ تھے جب یوسف کے بھائیوں نے اپنے کام کا پختہ ارادہ کیا اور جب وہ خفیہ تدبیریں کر رہے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی یہ واقعات جس سے ہم نے آپ کو آگاہ کیا ہے۔ (2) ﴿مِنْ اَنْبِآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ ”جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں“ یہ خبریں ہم نے وحی کے ذریعے آپ تک پہنچائی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ وحی نہ کرتے تو یہ خبریں نہ پہنچتیں، تاکہ ایمان لانے والے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ (3) ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ﴾ ”ورنہ آپ ان کے پاس موجود نہ تھے جب یوسف کے بھائیوں نے اپنے کام کا پختہ ارادہ کیا“ اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے تاکہ وحی کا انکار کرنے والے بھی یہ ضرور سوچیں کہ آپ تو برادران یوسف کے ساتھ نہیں تھے جب وہ انہیں کنوئیں میں ڈالنے کی تدبیر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ان حالات سے آگاہ کیا۔ یہ آپ کی رسالت کی کھلی دلیل ہے۔ (4) ﴿وَهُمْ يَنْكُرُوْنَ﴾ ”اور جب وہ خفیہ تدبیریں کر رہے تھے“ یعنی جب برادران یوسف باپ اور بیٹے کے درمیان جدائی ڈالنے کے لیے تدبیریں کر رہے تھے اس وقت کوئی یہ نہیں جان سکتا تھا حتیٰ کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو بھی نہیں پتہ چل سکا تھا

رب العزت نے وحی کے ذریعے اس کی خبر دی ہے۔ (5) جیسے سیدنا موسیٰ کے بارے میں فرمایا۔ ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغُرَابِ إِذْ فَضَيْتَنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ اور آپ مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو حکم عطا کیا اور نہ ہی آپ حاضر ہونے والوں میں سے تھے۔ (التقص: 44)

﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (103)

”اور آپ خواہ کتنی ہی حرص رکھیں، اکثر لوگ ہرگز مومن نہیں ہوتے۔“ (103)

سوال: ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور آپ خواہ کتنی ہی حرص رکھیں، اکثر لوگ ہرگز مومن نہیں ہوتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور آپ خواہ کتنی ہی حرص رکھیں، اکثر لوگ ہرگز مومن نہیں ہوتے۔“ آپ لوگوں کے ایمان کی شدید خواہش رکھیں تب بھی اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ (2) لوگوں کی اکثریت دلائل کو تسلیم نہیں کرتی۔ وہ آیات پر غور و فکر نہیں کرتے، کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں پر غور و فکر نہیں کرتے اور واقعات کو عبرت پذیری کے لیے نہیں سنتے لہذا ایمان سے محروم رہتے ہیں۔ (3) ﴿وَإِنْ تُطِغْ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ اور اگر آپ اکثریت کی اطاعت کریں جو زمین میں بستے ہیں تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکا دیں گے، وہ تو محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ (الانعام: 116) (4) ﴿بِمُؤْمِنِينَ﴾ ”ہرگز مومن نہیں ہوتے“ کیونکہ ان کے مدارک و مقاصد فاسد ہو چکے ہیں اس لئے خیر خواہوں کی خیر خواہی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی اگرچہ موانع معدوم ہی کیوں نہ ہوں، یعنی اگرچہ یہ خیر خواہ انہیں تعلیم دیتے رہیں انہیں ان امور کی طرف بلاتے رہیں جن میں ان کے لیے بھلائی اور ان سے شرکاء دفعیہ ہے، خواہ یہ خیر خواہ اپنی صداقت پر شواہد، آیات اور دلائل ہی کیوں نہ پیش کریں۔ (تفسیر سعدی: 2/1286)

﴿وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْرٍ ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ (104)

”حالانکہ آپ اس پر ان سے کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتے۔ یہ تو جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔“ (104)

سوال: ﴿وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْرٍ ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ ”حالانکہ آپ اس پر ان سے کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتے۔ یہ تو جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْرٍ ۗ﴾ ”حالانکہ آپ اس پر ان سے کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتے“ اللہ رب العزت نے نبی ﷺ سے یہ فرمایا کہ آپ ﷺ تو نصیحت کرنے پر، بھلائی کی طرف بلانے پر لوگوں سے اجرت نہیں مانگتے۔ آپ ﷺ تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے

دنیا کے لوگوں سے خیر خواہی کا معاملہ کر رہے ہیں۔ (2) ﴿إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ ”یہ تو جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے“ یہ قرآن تو جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔ یہ ساری انسانیت کے لیے خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔ اس قرآن کے ذریعے سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ کیا چیز نفع مند ہے اور کیا نقصان دہ ہے؟ یہ قرآن تو عمل کے لیے ہے تاکہ دنیا و آخرت کی سعادت حاصل ہو۔

رکوع نمبر 6

﴿وَكَايِنٌ مِّنْ آيَاتِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَسُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ (105)﴾

”آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے وہ لوگ گزر جاتے ہیں اور وہ ان سے منہ موڑنے والے ہوتے

ہیں۔“ (105)

سوال: ﴿وَكَايِنٌ مِّنْ آيَاتِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَسُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۝﴾ ”آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے وہ لوگ گزر جاتے ہیں اور وہ ان سے منہ موڑنے والے ہوتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكَايِنٌ مِّنْ آيَاتِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں“ زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرنے والی کتنی ہی نشانیاں ہیں جیسے سورج، چاند، ستارے، بارش، زمین، پہاڑ، دریا، درخت وغیرہ۔ (2) ﴿يَسُرُّونَ عَلَيْهَا﴾ ”جن پر سے وہ لوگ گزر جاتے ہیں“ لوگ دن رات ان پر غور و فکر کیے بغیر گزر جاتے ہیں۔ (3) آسمان کی وسعتیں، رات کی تاریکی، دن کی روشنی، گردش کرنے والے اور ٹھہرے ہوئے تارے، سرسبز و شاداب کھیت، پہاڑوں کے وسیع سلسلے، موجیں مارتے سمندر، بنجر صحرا، قسم قسم کی نباتات، مختلف طرح کے جان دار، طرح طرح کے پھل جن کے رنگ اور ذائقے جدا ہیں۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توحید کے گواہ ہیں۔ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کو پکار رہا ہے۔ (4) ﴿وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ﴾ ”اور وہ ان سے منہ موڑنے والے ہوتے ہیں“ اور وہ اپنے خالق، اپنے رازق، اپنے مالک سے بے پرواہ ہیں۔

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ (106)﴾

”اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ وہ مشرک ہوتے ہیں۔“ (106)

سوال: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ﴾ ”اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ وہ مشرک ہوتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ﴾ ”اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے“ اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے جو رب ہے، خالق ہے، رازق ہے۔ (ایرا التفاسیر: 6891) (2) ﴿إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ﴾ ”مگر اس حال میں کہ وہ مشرک ہوتے ہیں“ یعنی وہ

اگرچہ توحید ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، رازق اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے مگر وہ توحید الوہیت میں شرک کرتے ہیں۔ پس یہ لوگ اب اس حالت کو پہنچ گئے ہیں کہ ان پر نزول عذاب کے سوا کوئی بات نہیں رہی اور یہ کہ ان کے پاس اچانک عذاب آجائے اور وہ اپنے آپ کو محفوظ اور مامون سمجھتے ہوں۔ (تفسیر سعدی: 2/1286) (3) اللہ تعالیٰ پر یقین لانے کی علامت یہ ہے کہ جب لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ نیلا آسمان، یہ سبز زمین اور یہ کالے پہاڑ کس نے پیدا کیے تو اللہ تعالیٰ کو بتاتے ہیں مگر پھر بھی اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ (4) مشرک بھی حالت احرام میں لبیک کہتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ اے اللہ ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں ہاں جو شریک ہیں ان کا اور ان چیزوں کا تو ہی مالک ہے۔ (مسلم، بخاری) (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ بلاشبہ شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔ (لقمان: 13) (6) نیک کام دکھاوے کے لیے کیا جائے تو وہ بھی شرک ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ مَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ جِدَّ دُكْحَاوِے كَے لیے نماز پڑھتا ہے وہ شرک کرتا ہے، جِدَّ دُكْحَاوِے كَے لیے روزہ رکھتا ہے، وہ شرک کرتا ہے اور جِدَّ دُكْحَاوِے كَے لیے صدقہ کرتا ہے، وہ شرک کرتا ہے۔ (مسند

(احمد: 17270)

﴿أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (107)

”تو کیا وہ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کوئی ڈھانپ لینے والی آفت آجائے یا اچانک ان پر

قیامت ہی آجائے اور وہ اس کا شعور بھی نہ رکھتے ہوں۔“ (107)

سوال 1: ﴿أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”تو کیا وہ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کوئی ڈھانپ لینے والی آفت آجائے یا اچانک ان پر قیامت ہی آجائے اور وہ اس کا شعور بھی نہ رکھتے ہوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَفَأَمِنُوا﴾ ”تو کیا وہ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں“ کیا شرک کرنے والے بے خوف ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی کرنے والے بے خوف ہیں؟ (2) ﴿أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ﴾ ”کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کوئی ڈھانپ لینے والی آفت آجائے“ یعنی ان پر ایسا عذاب آئے جو ان کو گھیر لے اور ان کی جڑ کاٹ دے۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ﴿أَوْ يَأْخُذُهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ فِي نِعْمَتِهِمْ﴾ ﴿فَمَا لَهُمْ بِمِعْجَزَاتِنَا﴾ ﴿أَوْ يَأْخُذُهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ لِّفَأَنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ ”تو کیا وہ لوگ جنہوں نے بری تدبیریں کیں بالکل ہی بے خوف ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ یا ان پر عذاب وہاں سے آجائے جہاں سے وہ سوچتے ہی نہ ہوں۔ یا وہ ان کے چلنے پھرنے میں ہی ان کو پکڑ لے، چنانچہ وہ کسی طرح بھی عاجز کرنے والے نہیں۔ یا وہ انہیں خوف زدہ ہونے پر پکڑ لے، پس یقیناً تمہارا رب یقیناً بہت نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا

ہے۔ (اٰنل: 45-47) (4) ﴿يَوْمَ يَعْشُرُومُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اٰرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُو قُوٰا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ جس دن عذاب انہیں ان کے اوپر سے ڈھا نکلے گا اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ چکھو (اس کا مزہ) جو کچھ تم کرتے تھے۔ (العنکبوت: 55) (5) ﴿اَوْ تَاتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ ”یا اچانک ان پر قیامت ہی آجائے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم ہوگی اور آدمی اونٹنی کا دودھ نکال رہا ہوگا اور برتن اس کے منہ تک نہ پہنچے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی اور دو آدمی کپڑے کی خرید و فروخت کر رہے ہوں گے اور ان کی خرید و فروخت مکمل ہونے سے پہلے قیامت قائم ہو جائے گی اور کوئی آدمی اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا اور وہ اس سے دور نہ ہوگا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ (مسلم: 7413) (6) ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ”اور وہ اس کا شعور بھی نہ رکھتے ہوں“ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق بن چکے ہیں۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کریں اور ان اسباب کو ترک کر دیں جو ان کے لئے عذاب کا باعث ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1286/2) (7) ﴿اَفَا مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى اٰیٰ تَاتِيَهُمْ بَاسًا بَيِّنًا تَاُوْمًا نَّآيِمُوْنَ ۝ اَوْ اَمِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى اٰیٰ تَاتِيَهُمْ بَاسًا صَاحِیًّا وَهُمْ يٰلَعَبُوْنَ ۝ اَفَا مِّنْ اٰمَنُوْا مِمَّنْ اٰلٰهٖ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝﴾ تو کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر رات کے وقت آجائے اور وہ سوئے ہوئے ہوں؟ اور کیا بستیوں والے بے خوف ہو گئے کہ ان پر دن چڑھے ہمارا عذاب آجائے اور وہ کھیل رہے ہوں؟ کیا پھر وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ (الاعراف: 97-99)

﴿قُلْ هٰذِهِ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْا اِلٰى اللّٰهِ عَلَىٰ بَصِيْرَةٍ اَنَا وَّمِنِ الْمُتَّبِعِيْنَ ۗ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (108)﴾

”آپ کہہ دیں: ”یہی میرا راستہ ہے، میں دلیل و برہان کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور وہ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“ (108)

سوال 1: ﴿قُلْ هٰذِهِ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْا اِلٰى اللّٰهِ عَلَىٰ بَصِيْرَةٍ اَنَا وَّمِنِ الْمُتَّبِعِيْنَ﴾ ”آپ کہہ دیں: ”یہی میرا راستہ ہے، میں دلیل و برہان کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور وہ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ ”آپ کہہ دیں“ اللہ رب العزت نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ کہہ دو۔ (2) ﴿هٰذِهِ سَبِيْلِيْٓ﴾ ”یہی میرا راستہ ہے“ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے جس کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں۔ یہ راستہ اس کی جنت تک پہنچاتا ہے۔ (3) یہ راستہ علم کا راستہ ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص علم کے راستہ پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ) (4) یہ راستہ دین پر عمل کرنے کا راستہ ہے۔ (5) یہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کے دین کو ترجیح دینے کا راستہ ہے۔ (6) یہ راستہ اخلاص کا راستہ ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا اٰمُرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۗ حٰفِظًا وَّيُقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَيُوْنُوْا

الرَّكُوعَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَبِيحَةِ ﴿٥﴾ اور انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اس حال میں کہ وہ دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنے والے، یک سوہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی مضبوط دین ہے۔ (البینہ: 5) (7) ﴿أَذْعُوَا إِلَى اللَّهِ﴾ ”میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں“ میں ساری مخلوقات کو اپنے رب کے پاس پہنچنے کے لیے ترغیب دیتا ہوں۔ میں انہیں ہر اس چیز سے بچاتا ہوں جو انہیں اپنے رب سے دور کر دے۔ (8) یہ میرا طریقہ ہے، میری سنت ہے، میں ساری دنیا کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام دیتا ہوں۔ (9) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ مشرکین سے کہہ دیجئے کہ ایمان باللہ اور توحید باری تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلانا میرا طریقہ ہے، میرا مسلک اور میری سنت ہے۔ (تیسیر الرحمن: 702/1) (10) ﴿عَلَى بَصِيرَةٍ﴾ ”دلیل و برہان کی روشنی میں“، یعنی یقینی علم کے ساتھ، کسی شک اور شبہ کے بغیر۔ میں اپنے دین کے بارے میں پورے علم اور یقین پر ہوں۔ (11) ﴿وَمَنْ أَلْمَعْنَى﴾ ”اور وہ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے“ میری پیروی کرنے والے بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف بلاتے ہیں جیسے میں پورے یقین اور بصیرت کے ساتھ بلاتا ہوں۔ (12) اسلام کی دعوت دلیل و حجت کی بنیاد پر ہے قرآن کریم نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ نبی ﷺ اور صحابہ کرام اسی منہج پر قائم رہے۔ انہوں نے لوگوں کو دلائل کے ذریعہ قائل کرنے کی کوشش کی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے ماننے والے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس کی توحید و عبادت کی دعوت دیتے رہیں گے اور دعوت میں حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ گفتگو مخاطب کی عقل و سمجھ کے مطابق ایسی صاف ستھری ہو کہ وہ آسانی کے ساتھ قرآن و سنت کی دعوت کو سمجھ لے اور داعی الی اللہ کا فرض ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے بھلائی کا حکم دیتا رہے اور برائی سے روکتا رہے۔ اس لیے کہ اس کی خاموشی دنیا میں فساد کو پھیلنے کا موقع دے گی، بھلائی دب جائے گی اور برائی سراٹھا کر دندناتی پھرے گی۔ ولاحول ولاقوه الا باللہ۔ (تیسیر الرحمن: 702/1) (13) سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں مقام خیف پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے، جس نے میری بات سنی اور اسے آگے پہنچا دیا، کیونکہ کئی لوگوں کے پاس فقہ کی بات ہوتی ہے اور خود فقیہ نہیں ہوتے اور کئی لوگ فقہ کی بات اپنے سے زیادہ سمجھ دار فقیہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں مومن کا دل خیانت نہیں کرتا، وہ یہ کہ عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص کے ساتھ ادا کرنا، مسلمانوں کے سربراہوں سے خیر خواہی کرنا اور ان کی جماعت میں بہر حال شامل رہنا، کیونکہ ان کی دعوت ان سب کو محیط ہوتی ہے۔ (جیسے ایک دیوار ان کا احاطہ کرتی ہے اسی طرح ان کی دعوت، جو دعوت اسلام ہے، وہ بھی ان سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور انہیں فرقہ بندی سے محفوظ رکھتی ہے، اس لیے ان کی جماعت کے ساتھ مل کر رہنا اشد ضروری ہے۔) (ابن ماجہ: 3056)

سوال 2: ﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَا اٰنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ پاک ہے“ اللہ تعالیٰ ان تمام امور سے پاک ہے جو اس کے کمال کے منافی ہیں اور اس کے

جلال کے لائق نہیں۔ (تفسیر سعدی: 1287/2) (2) ﴿تَسْبِحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَسْبِحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝﴾ ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے یقیناً وہ ہمیشہ سے بے حد بردبار، نہایت بخشنے والا ہے۔ (بنی اسرائیل: 44) (3) ﴿وَمَا آتَاكَ مِنَ الشَّرِّ كَيْفَ﴾ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، میں تو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہوں اور دین کو اس کے لیے خالص کر کے اس کی عبادت کرتا ہوں۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَالًا نُوحِيَ إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ ۗ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَلَكِنَّ الْأُولَىٰ حَرَبًا لَكِن لَمْ يَنْظُرُوا فَأَفَلَا تَعْقِلُونَ (109)﴾

”اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر وہ سب مرد ہی تھے ہم بستنیوں والوں میں سے ان کو جوجی کرتے تھے، تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا؟ کہ وہ دیکھیں ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا؟ اور یقیناً آخرت کا گھر ان کے لیے ہی بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈریں، کیا پھر بھی تم سمجھتے نہیں ہو؟“ (109)

سوال 1: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَالًا نُوحِيَ إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر وہ سب مرد ہی تھے ہم بستنیوں والوں میں سے ان کو جوجی کرتے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَالًا﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر وہ سب مرد ہی تھے“ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا۔ مقام رسالت نہ تو فرشتوں کو ملا، نہ جنوں کو، نہ عورتوں کو۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَبَايُكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَشْرَبُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۗ أَنْتَصِرُونَ ۗ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ۝﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔ اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے، کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب ہمیشہ سے ہی سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (الفرقان: 20) (3) جب پہلے نبی انسان تھے تو اب محمد ﷺ کی رسالت پر قوم کو اعتراض کیوں ہے؟ (4) ﴿لَوْحٍ إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ﴾ ”ہم بستنیوں والوں میں سے ان کو جوجی کرتے تھے“ یعنی انبیاء شہروں کے رہنے والے تھے، صحراؤں کے رہنے والے نہ تھے۔ بدوؤں کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا﴾ دیہاتی کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں۔ (التوبہ: 97) (5) انبیاء سب سے زیادہ صحیح رائے رکھنے والے، کمال درجے کی عقل رکھنے والے تھے۔

سوال 2: ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا؟ کہ وہ

دیکھیں ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ ”تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا؟“ اللہ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کی قوم کے بارے میں فرمایا کہ کیا نبی ﷺ کو نہ ماننے والوں نے دنیا نہیں دیکھی یعنی جب وہ آپ ﷺ کی بات نہیں مانتے تو ذرا دنیا کو گھوم پھر کر ہی دیکھ لیتے۔ (2) ﴿فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ”کہ وہ دیکھیں ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا؟“ یعنی وہ دیکھتے کہ رسولوں کو جھٹلانے والی قوموں کا کس قدر خوف ناک انجام ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی وجہ سے انہیں کیسے کیسے عذابوں سے ہلاک کر دیا۔ (3) دوسروں کے انجام سے سبق حاصل کرنے کے لیے اس وجہ سے کہا کہ اگر تم بھی ان جیسے رویے پر قائم رہے تو تم پر بھی عذاب نازل ہو جائے گا۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَنُوكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْزِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ ”تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے لیے ایسے دل ہوں جن سے وہ سمجھتے ہوں؟ یا ایسے کان ہوں جن سے وہ سنتے ہوں، پس یقیناً آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ (الحج: 46) (5) اگر لوگ کچھلی قوموں کی ہلاکت سے آگاہ ہو جاتے تو انہیں یقین آ جاتا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بچا لیتا ہے اور کافروں کو عذاب سے ہلاک کر دیتا ہے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ الْمُسْلِمِينَ الَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ ”یوم لا ینفخ الظلمین معذرتہم ولہم العنتہ ولہم سوء الدار“ ﴿یعنی ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں بھی اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔ جس دن ظالموں کو ان کی معذرت فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے بدترین گھر ہوگا۔ (المومن: 51,52)

سوال 3: ﴿وَلَكِنَّ الْأَخْرَجَ حَيُّوَالَّذِينَ اتَّقَوْا أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ ”اور یقیناً آخرت کا گھر ان کے لیے ہی بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈریں، کیا پھر بھی تم سمجھتے نہیں ہو؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَكِنَّ الْأَخْرَجَ﴾ ”اور یقیناً آخرت کا گھر“ یعنی جنت اور اس کی سدا بہار دائمی نعمتیں۔ (2) ﴿حَيُّوَالَّذِينَ اتَّقَوْا﴾ ”ان کے لیے ہی بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈریں“ یعنی جو اللہ تعالیٰ سے اجر پانے کی امید میں اس کے احکامات کی فرماں برداری کرتے ہیں اور اس کے عذاب کے خوف سے اس کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں۔ (3) آخرت کا گھر اس لیے بہتر ہے کہ وہ کبھی فنا ہونے والی نہیں اور دنیا فانی ہے اور آخرت کی نعمتیں کامل ہیں اور دنیا کی نعمتیں ناقص ہیں۔ (4) ﴿أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ ”کیا پھر بھی تم سمجھتے نہیں ہو؟“ یعنی کیا وہ اتنی عقل بھی نہیں رکھتے کہ اعلیٰ اور ادنیٰ کے فرق کو سمجھ سکیں۔

﴿حَلَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرٌ مِّنَّا فَسَبَّوْا مِنَّا وَلَا يُرَدُّوْنَ عَلَيْنَا لِيُنظَرُوا أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾

الْمُجْرِمِينَ (110) ﴿﴾

”حتیٰ کہ جب رسول مایوس ہو گئے اور لوگوں نے سمجھا کہ یقیناً ان سے واقعی جھوٹ کہا گیا تھا تو ان کو ہماری مدد پہنچ گئی پھر جسے ہم نے

چاہا اسے بچالیا گیا اور مجرموں سے ہمارا عذاب ٹالا ہی نہیں جاتا۔“ (110)

سوال 1: ﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَكَلَّمُوا الْقَوْمَ الْمُنكَرَةَ﴾ ”حتیٰ کہ جب رسول مایوس ہو گئے اور لوگوں نے سمجھا کہ یقیناً ان سے واقعی جھوٹ کہا گیا تھا تو ان کو ہماری مدد پہنچ گئی پھر جسے ہم نے چاہا اسے بچالیا گیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ﴾ ”حتیٰ کہ جب رسول مایوس ہو گئے“ جب انبیاء کو ان کی قوم کے مجرم جھٹلا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیتا ہے تو نوبت یہاں تک آتی ہے کہ وہ چاروں طرف سے گھر کر مایوس ہو جاتے ہیں۔ (2) ﴿وَكَلَّمُوا الْقَوْمَ الْمُنكَرَةَ﴾ ”اور لوگوں نے سمجھا کہ یقیناً ان سے واقعی جھوٹ کہا گیا تھا“ اور ان کی پیروی کرنے والے سمجھنے لگے کہ ان سے جو دشمن کی ہلاکت اور فح و نصرت کے وعدے کیے گئے، ان کے خلاف کیا گیا۔ (ایسر التفاسیر: 700) (3) ﴿جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُكِّلْنَا لَهُم مِّنَ الشَّيْءِ﴾ ”تو ان کو ہماری مدد پہنچ گئی پھر جسے ہم نے چاہا اسے بچالیا گیا“ تو عین وقت پر اللہ تعالیٰ کی مدد آ جاتی ہے۔ (4) عروہ بن زبیر نے خردی اور ان سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا۔ عروہ نے ان سے آیت ”حتیٰ اذا استیأس الرسل“ کے متعلق پوچھا۔ عروہ نے بیان کیا کہ میں نے پوچھا تھا (آیت میں) کذبوا (تخفیف کے ساتھ) یا کذبوا (تشدید کے ساتھ) اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کذبوا (تشدید کے ساتھ) اس پر میں نے ان سے کہا کہ انبیاء تو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ ان کی قوم انہیں جھٹلا رہی ہے پھر ظنوا سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا اپنی زندگی کی قسم بے شک پیغمبروں کو اس کا یقین تھا۔ میں نے کہا کذبوا تخفیف زال کے ساتھ پڑھیں تو کیا قباحت ہے۔ انہوں نے کہا معاذ اللہ کہیں پیغمبر اپنے پروردگار کی نسبت ایسا گمان کر سکتے ہیں میں نے کہا اچھا اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے کہا مطلب یہ ہے کہ پیغمبروں کو جن لوگوں نے مانا ان کی تصدیق کی جب ان پر ایک مدت دراز تک آفت اور مصیبت آتی رہی اور اللہ تعالیٰ کی مدد آنے میں دیر ہوئی اور پیغمبران کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے جنہوں نے ان کو جھٹلایا تھا اور یہ گمان کرنے لگے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اب وہ بھی ہم کو جھوٹا سمجھنے لگیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد آن پہنچی۔ (بخاری: 4695) (5) انبیاء و مرسلین کے یقین کامل اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ و وعید کی تصدیق کے باوجود کبھی کبھی ان کے دل میں مایوسی کا کوئی خیال گزر جاتا ہے اور ان کے علم اور یقین میں ایک قسم کا ضعف سا آ جاتا ہے۔ جب معاملہ اس حال کو پہنچ جاتا ہے تو ان کے پاس ہماری مدد پہنچ گئی۔ (تفسیر سعدی: 1288, 1289/2)

سوال 2: ﴿وَلَا يُدْرِكُهُمُ الْعُتُورُ الْمُجْرِمِينَ﴾ ”اور مجرموں سے ہمارا عذاب ٹالا ہی نہیں جاتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور مجرموں سے ہمارا عذاب ٹالا ہی نہیں جاتا“ یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب کو مجرموں سے دور نہیں کیا جاسکتا جو شرک اور نافرمانیاں کرتے ہیں۔ (2) اللہ تعالیٰ کے آگے کسی کی نہیں چل سکتی۔ (3) ﴿الَّذِينَ يَأْتِيهِمُ الْبَأْسُ الَّذِي كَانُوا مُوقِنِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ تَوَدُّونَهُمْ وَتَوَدُّونَهُمْ وَتَوَدُّونَهُمْ وَتَوَدُّونَهُمْ وَتَوَدُّونَهُمْ﴾ کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو ان سے پہلے تھے؟ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین والے اور اٹلی ہوئی بستیوں والے، ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو ایسا نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ (الانبیاء: 70)

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقًا الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلًا لِّمَنْ هُوَ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (111)

”بلاشبہ یقیناً ان کے واقعات میں ہمیشہ سے عقل مندوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جو گھڑی گئی ہو لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔“ (111)

سوال 1: ﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ ”بلاشبہ یقیناً ان کے واقعات میں ہمیشہ سے عقل مندوں کے لیے بڑی عبرت ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ ”بلاشبہ یقیناً ان کے واقعات میں ہمیشہ سے عقل مندوں کے لیے بڑی عبرت ہے“ یعنی قوموں کے واقعات میں، انبیاء کے حالات میں، ایمان والوں کی نجات اور کافروں کی ہلاکت میں عقل والوں کے لیے بڑی نصیحت ہے۔ یعنی وہ اہل خیر اور اہل شر کے بارے میں عبرت لیتے ہیں۔ جو کوئی ان جیسے افعال کا ارتکاب کرے گا تو اپنے فعل کے مطابق کرامت یا اہانت کا مستحق ٹھہرے گا۔ وہ ان قصوں میں سے اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور اس کی عظیم حکمت کا استنباط کرتے ہیں۔ نیز وہ ان قصوں سے اس حقیقت کو اخذ کرتے ہیں کہ اللہ واحد کے سوا عبادت کسی کے لیے مناسب نہیں۔ (تفسیر سعدی: 2/1289)

سوال 2: ﴿مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقًا الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلًا لِّمَنْ هُوَ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ ”یہ ایسی بات نہیں ہے جو گھڑی گئی ہو لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ﴾ ”یہ ایسی بات نہیں ہے جو گھڑی گئی ہو“ یعنی قرآن مجید ایسی کتاب نہیں جسے کوئی گھڑ سکے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ غیب سے آگاہ کرتے ہیں، وہ گھڑی ہوئی کہانیوں پر مشتمل نہیں ہے۔ (2) قرآن مجید کی یہ شان نہیں کہ اسے کوئی گھڑ سکے۔ (3) ﴿وَلَٰكِن تَصْدِيقًا الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ”لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے“ قرآن مجید کچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق

کرنے والا ہے۔ (4) یہ کتاب پچھلی کتابوں کے صحیح کو غلط سے، حلال کو حرام سے اور سچ کو جھوٹ سے علیحدہ کرتی ہے، تحریف کو چھانٹ دیتی ہے، منسوخ احکام بیان کرتی ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 906/1: 5) ﴿وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ”اور ہر چیز کی تفصیل ہے“ قرآن مجید میں ہر چیز کی تفصیل ہے جس کی بندوں کو ضرورت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بے مثال ہونے کی تفصیل ہے۔ اس میں دین کے اصول و فروع ہیں، اس میں دلائل ہیں جس سے دلوں کو نور ہدایت ملتا ہے اور عقل والوں کو صحت اور استقامت نصیب ہوتی ہے۔ (6) ﴿وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ ”اور ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں“ ایمان لانے والوں کے لیے یہ کتاب ہدایت ہے جو گمراہی سے نکالتی ہے اور خیر کا سرچشمہ اور رحمت ہے۔ (7) یعنی اس سبب سے کہ اس قرآن کے ذریعے سے انہیں جو حق کا علم حاصل ہوتا ہے اور وہ حق کو ترجیح دیتے ہیں انہیں ہدایت حاصل ہوتی ہے اور انہیں جو دنیاوی یا اخروی ثواب حاصل ہوتا ہے اس کے ذریعے سے رحمت سے نوازے جاتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1289/2) ہم اپنے عظیم رب کے سامنے ہاتھ پھیلا کر دعا کرتے ہیں کہ ہمیں سعادت مند لوگوں میں شامل فرمائے۔ آمین۔

سوال 3: سیدنا یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصے میں جو عبرتیں ہیں ان کو بیان کریں؟

جواب: (1) یہ قصہ سب سے اچھا سب سے واضح اور سب سے صریح قصہ ہے، کیونکہ یہ مختلف انواع کے انتقال پر مشتمل ہے، مثلاً ایک حال سے دوسرے حال میں، ایک امتحان سے دوسرے امتحان میں، امتحان سے اللہ تعالیٰ کی نوازشات میں، ذلت سے عزت میں، غلامی سے بادشاہی میں، تفرقہ و تشنت سے اجتماع و اتحاد میں، حزن و غم سے مسرت و سرور میں، فراغی سے قحط میں، قحط سے شادابی میں، تنگی سے وسعت میں اور انکار سے اقرار میں انتقال۔ پس نہایت بابرکت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جس نے یہ قصہ نہایت خوب صورت اور واضح اسلوب میں بیان کیا۔ (2) اس سورہ مبارکہ میں خواب کی تعبیر کی اصل بیان کی گئی ہے کیونکہ علم تعبیر اہم علوم میں شمار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے یہ عطا کرتا ہے۔ غالب طور پر علم تعبیر نام اور صفات میں مناسبت اور مشابہت پر مبنی ہے، کیونکہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج، چاند اور ستارے ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ اس خواب میں مناسبت کا پہلو یہ ہے کہ روشنی کے تینوں ذرائع آسمان کی زینت اور اس کا حسن و جمال ہیں اور ان ہی پر اس کے فوائد کا دار و مدار ہے، اسی طرح انبیاء اور علماء زمین کی زینت اور اس کا حسن و جمال ہیں۔ جیسے اندھیروں میں ستاروں سے راہ نمائی لی جاتی ہے، اسی طرح گمراہی کی تاریکیوں میں انبیاء اور علماء راہ دکھاتے ہیں۔ نیز سیدنا یوسف کے ماں اور باپ اصل ہیں اور ان کے بھائی فرع ہیں پس مناسبت کا تقاضا یہ ہے کہ اصل، روشنی میں بھی اپنی فرع سے سب سے زیادہ بڑا ہو اور حجم کے اعتبار سے بھی عظیم۔ اس لیے سورج سے یوسف کی ماں، چاند سے ان کے باپ، اور ستاروں سے ان کے بھائی مراد ہیں اور ان میں مناسبت کا پہلو یہ ہے کہ الشمس ایک مونث لفظ ہے لہذا اس کی مناسبت ماں سے ہے، القمر اور الکوکب مذکر ہیں اس لیے ان کی مناسبت باپ اور بھائیوں سے ہے۔ نیز اس خواب میں مناسبت کا پہلو یہ بھی ہے کہ سجدہ کرنے والا مسجود لہ

کے لیے معظم و مسترّم اور مسجودہ معظم و مسترّم ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سیدنا یوسف اپنے ماں باپ اور بھائیوں کے نزدیک نہایت معظم و محترم ہوں گے اور اس کا لازم یہ ہے کہ وہ علم اور دیگر فضائل کے اعتبار سے صاحب فضیلت اور چنے ہوئے شخص ہوں گے اس لیے ان کے والد نے کہا تھا: ﴿وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ (یوسف: 6/12) اور اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور تجھے باتوں کی تعبیر کا علم سکھا دے گا۔ اور دونوں نوجوان قیدیوں کے خواب میں مناسبت یہ ہے کہ پہلے نوجوان نے خواب دیکھا کہ وہ شراب کشید کر رہا ہے اور وہ شخص جو شراب کشید کرتا ہو وہ عادتاً دوسروں کا خادم ہوتا ہے شراب دوسروں کے لیے کشید کی جاتی ہے اس لیے یوسف علیہ السلام نے اس کی تعبیر کی کہ وہ اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور یہ چیز قید سے اس کی رہائی کو متضمن ہے۔ یوسف نے دوسرے نوجوان کے خواب کی تعبیر، جس نے خواب میں دیکھا تھا کہ اس نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں جنہیں پرندے کھا رہے ہیں، یہ کی کہ اس کے سر کی کھال، گوشت اور مغز وغیرہ جنہیں وہ اٹھائے ہوئے ہے، کھول کر ایسی جگہ پھینک دیا جائے گا جہاں گوشت خور پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ یوسف علیہ السلام نے اس کے احوال کو دیکھ کر اس کے خواب کی یہ تعبیر کی کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا اور قتل کرنے کے بعد صلیب پر لٹکایا جائے گا۔ یہ سب کچھ بھی ممکن ہے جب قتل کے بعد اسے صلیب پر چڑھایا گیا ہو۔ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب، جس میں اس نے گائیں اور اناج کی بالیاں دیکھی تھیں، کی تعبیر شادابی اور قحط سالی سے کی۔ اس میں وجہ مناسبت یہ ہے کہ رعایا کے احوال اور اس کے مصالحوں کا دار و مدار بادشاہ پر ہوتا ہے اگر بادشاہ ٹھیک ہے، تو رعایا بھی درست رہے گی۔ اگر بادشاہ خراب ہے تو رعایا میں خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اسی طرح سال بہ سال حالات کے ساتھ رعایا کے احوال مربوط ہیں، رعایا کی درستی، ان کے معاشی استحکام اور عدم استحکام کا دار و مدار سال بہ سال (موسمی) حالات پر ہے۔ رہی گائیں تو ان کے ذریعے زمین میں ہل چلایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے سے آب پاشی کی جاتی ہے اگر شادابی کا سال ہو تو گائیں موٹی تازی ہو جاتی ہیں اور اگر قحط سالی ہو تو گائیں دہلی اور لاغر ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح شادابی کے سالوں میں اناج کے خوشے سرسبز اور بکثرت ہوتے ہیں جب کہ خشک سالی میں یہ خوشے بہت کم پیدا ہوتے ہیں اور سوکھ جاتے ہیں اور زمین کا بہترین اناج خوشوں ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ (3) یہ قصہ نبوت محمدی ﷺ کی صحت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی قوم کے سامنے یہ طویل قصہ بیان کیا درآں حالیکہ آپ نے گزشتہ انبیاء کی کتابیں پڑھی تھیں نہ کسی سے درس لیا تھا۔ آپ کی قوم نے آپ کا خوب اچھی طرح مشاہدہ کیا ہے۔ آپ کے شب و روز آپ کی قوم کے سامنے تھے وہ خوب جانتے تھے کہ آپ امی ہیں، آپ لکھ سکتے ہیں، نہ پڑھ سکتے ہیں۔ یہ قصہ کتب سابقہ میں مذکور قصہ سے مطابقت رکھتا ہے حالانکہ آپ وہاں موجود نہ تھے جب یوسف کے بھائی ان کے خلاف منصوبے بنا رہے تھے اور سازش کر رہے تھے۔ (4) شر کے اسباب سے دور رہنا مناسب ہے اسی طرح ایسے امور کو چھپانا مناسب ہے جن سے ضرر پہنچنے کا خدشہ ہو جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام سے فرمایا تھا: ﴿لَا تَقْضُ صُرْمًا عَلَيْكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا﴾ اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ وہ تجھے آزار پہنچانے کے لیے سازشیں کریں گے۔ (5) کسی کے سامنے خیر خواہی کے طور پر ناپسندیدہ

امور کا ذکر کرنا جائز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے: ﴿فِيكَرُّنَا لَكَ مَكِينًا﴾ وہ تجھے آزار پہنچانے کے لیے سازشیں کریں گے۔ (6) یہ قصہ دلالت کرتا ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نعمت اس کے تمام متعلقین مثلاً اس کے گھر والوں، عزیز و اقارب اور دوست احباب سب کے لیے نعمت ہوتی ہے اور بسا اوقات وہ اس نعمت میں سب کو شامل کر لیتا ہے اور ان کو بھی اس کے باعث وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے جو اسے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لَا تَقْصُصْ رُءُوسِيَاكَ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنْ دُونِكَ فَيَكِيدُ بَكِيدِكَ وَيَتَمَنَّاهُ وَيَعْتُوبُكَ﴾ اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور باتوں کی تعبیر کا علم دے گا اور تجھ پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کا اتمام کرے گا۔ جب یوسف علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اتمام ہوا تو آل یعقوب کو بھی عزت و وقار اور ملک میں اقتدار حاصل ہوا اور یوسف علیہ السلام کے سبب سے انہیں بھی مسرت و خوشی حاصل ہوئی۔ (7) سورہ مقدسہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ عدل و انصاف تمام امور میں مطلوب و مقصود ہے۔ بادشاہ کا اپنی رعیت وغیرہ کے ساتھ ہی انصاف کا معاملہ کرنا ضروری نہیں، بلکہ محبت اور ترجیح دینے کے معاملے میں والد اور اولاد کے مابین بھی عدل و انصاف مطلوب ہے اگر والد کے انصاف میں خلل واقع ہو جائے تو اس کے تمام معاملے میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور حالات خرابی کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ جب محبت کے معاملے میں یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں پر ترجیح دی تو بھائیوں کی طرف سے خود ان پر، ان کے باپ پر اور ان کے بھائی پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔ (8) گناہوں کی نحوست سے بچنا چاہیے کیونکہ ایک گناہ اپنے ساتھ متعدد گناہ لاتا ہے اور بہت سے جرائم کے بعد اس گناہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ چنانچہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام اور ان کے باپ کے مابین جدائی ڈالنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے بہت سے حیلے استعمال کیے۔ متعدد بار جھوٹ بولا۔ انہوں نے یوسف علیہ السلام کی قمیض اور خون کے سلسلے میں باپ کے سامنے افسانہ گھڑا۔ ان کے اس افسانے اور عشاء کے وقت روتے ہوئے آنے میں نرا جھوٹ تھا اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ اس مدت کے دوران اس بارے میں بہت بحث و تھیس ہوئی ہو بلکہ شاید یہ بحث اس وقت تک ہوتی رہی ہو جب تک کہ وہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے ساتھ اکٹھے نہ ہوئے اور جب کبھی بحث ہوتی ہے تو جھوٹی خبریں اور افترا پردازی ضرور ہوتی ہے۔ یہ گناہ کی نحوست اور اس کے آثار ہیں۔ (9) بندے کے احوال میں ابتدائی نقص میں عبرت نہیں ہوتی، بلکہ کمال انتہا میں عبرت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں سے ابتدائی طور پر جو صادر ہوا وہ نقص کا سب سے برا سبب اور ملامت کا موجب تھا مگر اس کی انتہا خالص توبہ اور یوسف علیہ السلام اور ان کے باپ کی طرف سے کامل معافی، مغفرت اور رحمت کی دعا پر ہوئی اور جب بندہ اپنے حق کو معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اس لیے صحیح ترین قول یہ ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے اور اس کی دلیل اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ﴾ اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب علیہ السلام کی طرف۔ یہاں ﴿الْأَسْبَاطِ﴾ سے مراد سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے اور ان کی اولاد ہے۔ نیز ان کی نبوت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے خواب میں ان کو

روشن ستاروں کے طور پر دیکھا اور ستاروں میں روشنی اور راہ نمائی ہوتی ہے اور یہ انبیاء کے اوصاف ہیں اور اگر وہ نبی نہیں تھے تو وہ راہ نمائی کرنے والے علماء تھے۔ (10) اللہ تبارک و تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو علم، حلم، مکارم اخلاق اور اللہ اور اس کے دین کی طرف دعوت سے نوازا۔ نیز یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی نوازش اور عنایت ہی تھی کہ انہوں نے اپنے خطا کار بھائیوں کو فوراً معاف کر دیا اور اس معافی کی تکمیل یہ کہہ کر کر دی کہ اب وہ ان کا کوئی مواخذہ کریں گے نہ اس پر انہیں کوئی عار دلائیں گے پھر سیدنا یوسف علیہ السلام کا اپنے ماں باپ کے ساتھ عظیم نیکی کرنا اور اپنے بھائیوں بلکہ تمام مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ (11) کچھ برائیاں دوسری برائیوں سے خفیف تر اور چھوٹی ہوتی ہیں۔ (اگر دو برائیوں میں سے ایک کا ارتکاب ناگزیر ہو تو) اس برائی کا ارتکاب کرنا جس کا ضرر کم تر ہو، اس برائی کے ارتکاب سے اولیٰ و افضل ہے جس کا ضرر بڑا ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں میں سے جب سیدنا یوسف علیہ السلام کے قتل اور ان کو کہیں دور زمین میں پھینکنے پر اتفاق ہو گیا، تو ان میں سے ایک نے کہا: ﴿لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ﴾ ”یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ اسے کسی اندھے کنوئیں میں پھینک دو“ گویا اس کی تجویز سب سے بہتر اور نرم تجویز تھی۔ جس کے سبب سے ان کے بھائیوں سے ایک بہت بڑا گناہ ٹل گیا، اور یہ بڑا گناہ ایک خفیف تر گناہ میں منتقل ہو گیا۔ (12) جب کوئی چیز کاروبار میں دست بدست متداول ہو جائے اور وہ مال شمار ہونے لگے اور کاروبار کرنے والے کو اس کے غیر شرعی ہونے کا علم نہ ہو تو اس کی خرید و فروخت کا کاروبار کرنے والے، اس میں خدمت کرنے والے، اس سے مفاد اٹھانے والے اور اس کو استعمال میں لانے والے کے لیے کوئی گناہ نہیں۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں بیع حرام کی صورت میں فروخت کیا، یہ بیع قطعاً جائز نہ تھی۔ پھر سیدنا یوسف علیہ السلام کو خریدنے والا قافلہ انہیں لے کر مصر چلا گیا اور وہاں لے جا کر فروخت کر دیا اور وہ اپنے آقا کے پاس غلام کے طور پر رہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو ”آقا“ کے نام سے موسوم کیا ہے اور سیدنا یوسف علیہ السلام اس کے پاس ایک مکرم غلام کے طور پر رہتے رہے۔ (13) ان عورتوں سے خلوت سے بچنا چاہیے جن کے ساتھ فتنے کا خوف ہو۔ اسی طرح ایسی محبت سے بھی بچنا چاہیے جس سے نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو۔ عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے جو کچھ ہوا وہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے ساتھ خلوت اور ان کے ساتھ اس کی شدید محبت کے سبب سے ہوا، محبت نے اس عورت کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ اس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو پھسلانے کے لیے ڈورے نہیں ڈالے، پھر ان پر بہتان لگایا اور یوسف علیہ السلام اس بہتان کے سبب سے طویل مدت تک قید میں رہے۔ (14) سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس عورت کے ساتھ ارادہ کیا پھر اسے اللہ تعالیٰ کی خاطر ترک کر دیا۔ اس ترک ارادہ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے اور قریب کر دیا۔ کیونکہ اس قسم کا ارادہ نفس امارہ کے اسباب میں شمار ہوتا ہے جو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے اور اکثر لوگوں کی یہی فطرت ہے۔ پس جب انہوں نے اس ارادے کا اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی خشیت کے ساتھ تقابل کیا تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی خشیت نفس امارہ کے داعیے، اس کی خواہش پر غالب آگئی۔ گویا آپ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَعَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ﴾ (النازعات: 40) جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکتا رہا۔ اور

آپ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق، ان سات قسم کے لوگوں میں سے ہیں جنہیں قیامت کے روز عرش کے سائے میں جگہ ملے گی، جس روز اس کے سائے کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا اور ان سات قسم کے لوگوں میں سے ایک وہ شخص ہوگا جسے حسن و جمال رکھنے والی اور منصب و حیثیت کی حامل کوئی عورت بدکاری کی دعوت دیتی ہے اور وہ جواب میں کہتا ہے ”میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔“ (صحیح بخاری: 660) اور وہ ارادہ جس پر بندہ قابل ملامت ہے، وہ ارادہ ہے جو دل میں جاگزیں ہو کر عزم بن جائے جس کے ساتھ بسا اوقات فعل مل جاتا ہے۔ (15) جس کے دل میں ایمان جاگزیں ہو جاتا ہے اور وہ تمام امور میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان، صدق اور اخلاص کی برہان کے ذریعے سے مختلف اقسام کی برائیوں، بے حیائی اور گناہوں کے اسباب سے مدافعت کرتا ہے۔ یہ مدافعت اس کے ایمان اور اخلاص کی جزا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَهُمْ بِهَا لَوْلَا أَنْ أَرَأَيْتُمْ هَٰؤُلَاءِ لَمَا كَانُوا مِنَ الْعَالَمِينَ﴾ (نصرف) کے یہ معنی لام کے کسرے کے ساتھ ہیں، (جیسا کہ متداول قراءت میں ہے) اور اگر اسے لام کے فتح کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے اللہ تعالیٰ کا اسے اپنے لیے چن لینا اور یہ خود اس کے اخلاص کو متضمن ہے، یعنی جب بندہ اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے برائی اور بے حیائی سے پاک کر کے اپنے لیے چن لیتا ہے۔ (16) بندہ مومن کے لیے مناسب یہ ہے کہ جب وہ کوئی ایسا مقام دیکھے جہاں فتنہ اور معصیت کے اسباب موجود ہوں تو مقدور بھروہاں سے نکلنے اور بھاگنے کی کوشش کرے تاکہ وہ گناہ سے بچ سکے، کیونکہ جب سیدنا یوسف علیہ السلام پر اس عورت نے، جس کے گھر میں وہ رہ رہے تھے، ڈورے ڈالنے شروع کیے تو وہ اس جگہ سے فرار ہو کر دروازے کی طرف بھاگے، تاکہ وہ اس عورت کے شر سے بچ جائیں۔ (17) اشتباہ کے موقع پر قرآن سے کام لیا جاسکتا ہے، چنانچہ اگر خاندان اور بیوی گھر کے ساز و سامان کی ملکیت کے بارے میں جھگڑ پڑیں اور دونوں کے پاس اپنی ملکیت کا واضح ثبوت نہ ہو تو جو چیز مرد کے حال کے مطابق ہے وہ مرد کی ملکیت ہے اور جو عورت کے حال کے مطابق ہے وہ اس کی مالک ہے۔ اسی طرح اگر بڑھئی اور لوہار کسی اوزار کی ملکیت پر جھگڑ پڑیں اور دونوں میں سے کسی کے پاس بھی کوئی ثبوت نہ ہو تو قرآن پر عمل کیا جائے گا۔ ملتی جلتی چیزوں اور نشان قدم میں قیافہ پر عمل کرنا بھی اسی باب میں شامل ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے گواہ نے قرینے کی گواہی دی تھی۔ اس نے قیص کی پھٹن کو دیکھ کر قرینے کی گواہی دی اور قیص کو پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھ کر سیدنا یوسف علیہ السلام کی صداقت اور اس عورت کے جھوٹے ہونے پر استدلال کیا۔ اس قاعدے کی صحت پر ایک دلیل یہ ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی کی خرابی میں سے گہروں ناپنے والے پیالے کے پائے جانے سے استدلال کرتے ہوئے بغیر کسی ثبوت اور اقرار کے اس پر چوری کا حکم لگایا گیا۔ پس اگر مال مسروقہ چور کے قبضے میں پایا جائے، خاص طور پر جب کہ وہ چوری کرنے میں مصروف ہو تو اس پر چوری کا حکم لگایا جائے گا اور یہ (یعنی) شہادت سے زیادہ بلیغ شہادت ہے اسی طرح اگر کوئی شخص شراب کی قے کرتا ہے یا کوئی ایسی عورت جس کا شوہر یا آقا نہیں، حاملہ پائی جاتی ہے تو اس پر حد جاری کی جائے گی بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے قرینے کے اس فیصلے کو شاہد سے موسوم کیا ہے۔ ﴿وَشَٰهَدَ شَٰهَدٌ مِّنْ

اَهْلَهَا ﴿۱۸﴾ سیدنا یوسف علیہ السلام ظاہری اور باطنی حسن و جمال کے حامل تھے ان کا ظاہری حسن و جمال اس عورت کے لیے، جس کے گھر میں سیدنا یوسف علیہ السلام تھے اس امر کا موجب بنا جس کی تفصیل گزری اسی طرح ان کا حسن و جمال ان عورتوں کے لیے بھی، جن کو عزیز مصر کی بیوی نے ان کے ملامت کرنے پر اکٹھا کیا تھا، اس امر کا موجب بنا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور وہ بے ساختہ پکار اٹھیں کہ ﴿مَا هَذَا بَشَرًا اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿۱۹﴾﴾ ”یہ شخص انسان نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔“ رہا ان کا باطنی حسن و جمال تو وہ ان کی عظیم عفت تھی۔ گناہ میں پڑنے کے بہت سے اسباب کے باوجود گناہ سے بچے رہے۔ اس کے بعد خود عزیز مصر کی بیوی اور ان عورتوں نے آپ کی عفت اور پاک دامنی کی شہادت دی۔ اس لیے عزیز مصر کی بیوی نے کہا: ﴿وَلَقَدْ مَرَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ﴿۲۰﴾﴾ ”میں نے اسے پھسلانے کی بھر پور کوشش کی تھی مگر وہ بچ نکلا۔“ اس کے بعد اس نے کہا: ﴿الَّذِي حَصَّصَ الْحَقُّ اَنْ اَمْرًا وَاذْنُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَاِنَّهٗ لَعَنِ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ”اب حق واضح ہو گیا ہے، میں نے ہی اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی اور بے شک وہ سچا ہے۔“ عورتوں نے کہا: ﴿حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلَيْنَا عَلَيْهِ وِیۡنٌ سُوۡءٌ ﴿۲۲﴾﴾ ”حاشا للہ! ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے معصیت کے مقابلے میں قید کو ترجیح دی۔ بندہ مومن کے یہی شایان شان ہے کہ اگر وہ دو امور کے بارے میں کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے۔ ایک طرف کسی معصیت کا ارتکاب ہو اور دوسری طرف دنیاوی عقوبت تو وہ گناہ کی بجائے، جو دنیا و آخرت میں سخت عقوبت کا موجب ہے، دنیاوی عقوبت کو ترجیح دے۔ ایمان کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ بندہ کفر کی طرف لوٹنے کو، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفر سے بچا لیا ہے، اسی طرح ناپسند کرے جس طرح وہ آگ میں پھینکے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ (20) بندہ مومن کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اسباب گناہ کے موجود ہونے پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آکر اسی کی پناہ میں رہے اور اپنی قوت و اختیار سے دست بردار ہو جائے جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْۡنَ هُنَّ اَصْبٰۤبُ الْيٰۤسُوۡنِ وَاَ لَئِنْ مِّنَ الْعٰۤمِلِيۡنَ ﴿۲۳﴾﴾ ”اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دور نہ ہٹایا تو میں ان کی چالوں میں آکر جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔“ (21) جس طرح فرانی میں بندے پر اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا التزام واجب ہے، اسی طرح تنگی میں بھی اس پر یہ التزام واجب ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہے۔ جب وہ قید میں ڈال دیے گئے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت پر قائم رہے اور ان دونوں جوان قیدیوں کو (جوان کے ساتھ قید میں ڈالے گئے تھے) توحید کی دعوت دی اور ان کو شرک سے روکا۔ یہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی ذہانت تھی کہ جب انہوں نے دیکھا کہ ان نوجوان قیدیوں میں ان کی دعوت قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔۔۔۔۔ کیونکہ وہ دونوں سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں حسن ظن رکھتے تھے چنانچہ ان کا قول تھا: ﴿اِنَّ لِرَبِّكَ مِنَ الْمُخْسِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾﴾ اور وہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے پاس اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لیے آئے اور سیدنا یوسف علیہ السلام نے بھی دیکھا کہ وہ ان کے پاس اپنے خواب کی تعبیر جاننے کا اشتیاق رکھتے ہیں، تو سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ان کو ان کے خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے توحید کی دعوت دی تاکہ وہ اپنا مطلوب و مقصود حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔ سب سے پہلے آپ نے ان کے سامنے واضح کیا کہ جس نے آپ کو علم و کمال کے اس مقام پر پہنچایا، جسے

وہ دیکھ رہے ہیں، وہ ہے ایمان، توحید اور ان لوگوں کی ملت کو چھوڑ دینا جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہ زبان حال سے ان کو توحید کی دعوت دینا ہے۔ پھر آنجناب نے ان کو زبان قال سے توحید کی دعوت دی۔ آپ نے ان کے سامنے شرک کی خرابی بیان کی اور اس کی دلیل اور برہان پیش کی اور دلیل و برہان ہی کے ساتھ ان کے سامنے حقیقت توحید کو بیان کیا۔ (22) معاملات میں، اہم ترین معاملے سے ابتدا کرنی چاہیے۔ جب مفتی سے کوئی سوال کیا جائے اور سائل اس سوال سے زیادہ کسی اور چیز کا ضرورت مند ہو تو مفتی کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ سب سے پہلے اسے اس چیز کی تعلیم دے جس کا وہ زیادہ حاجت مند ہے۔ یہ معلم کی خیر خواہی، اس کی فطانت اور اس کے حسن تعلیم و ارشاد کی علامت ہے۔ جب نوجوان قیدیوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ نے ان کو خواب کی تعبیر بتانے سے قبل اللہ وحدہ لا شریک کی طرف دعوت دی۔ (23) اگر کوئی شخص کسی ناخوشگوار صورت حال اور کسی سختی میں گرفتار ہو جائے تو کسی ایسے شخص سے مدد لینا جو اس صورت حال سے نجات میں مددگار ثابت ہو سکتا ہو، یا اسے اپنے حال سے آگاہ کرے تو یہ مخلوق کے پاس شکوے کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ اس کا تعلق امور عادیہ سے ہے۔ جو عرف عام میں لوگوں کی ایک دوسرے کی مدد کے ذریعے سے انجام پاتے ہیں۔ بنا بریں سیدنا یوسف علیہ السلام نے ان نوجوان قیدیوں میں سے جس کے رہا ہونے کی امید تھی، اس سے کہا: ﴿اٰذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ﴾ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا۔ (24) معلم کے لیے تاکید ہے کہ وہ تعلیم دینے میں کامل اخلاص سے کام لے اور اپنی تعلیم کو کسی سے معاوضہ میں مال و جاہ یا کوئی منفعت حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنائے۔ تعلیم دینے میں خیر خواہی سے کام لے جب تک سائل کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے معلم کو تکلیف پہنچے، تعلیم دینے سے یا اس کی خیر خواہی کرنے سے انکار نہ کرے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے ان دونوں جوان قیدیوں میں سے جس کو تاکید کی تھی کہ وہ اپنے آقا کے پاس ان کا ذکر کرے مگر اسے اپنے آقا کے سامنے سیدنا یوسف کا ذکر کرنا یاد نہ رہا۔ جب انہیں سیدنا یوسف علیہ السلام کے پاس سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے اسی نوجوان کو بھیجا وہ اس خواب کی تعبیر کے بارے میں پوچھنے کے لیے سیدنا یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے محض اس بنا پر کہ اس نے ان کا ذکر اپنے آقا کے پاس نہیں کیا، اس پر ناراضی کا اظہار کیا نہ اس پر جبر و توجیح کی، بلکہ اس کے برعکس انہوں نے اسے ہر لحاظ سے اس کے سوال کا مکمل جواب دیا۔ (25) مسئول کو چاہئے کہ وہ سوال کا جواب دیتے وقت سائل کی ایسے معاملے کی طرف راہ نمائی کرے جو اس کے سوال سے متعلق اور اس کے لئے فائدہ مند ہو۔ اسے وہ راستہ دکھائے جس پر گامزن ہو کر وہ دین و دنیا میں فائدہ اٹھائے۔ یہ اس کی طرف سے کامل خیر خواہی، اس کی فطانت اور اس کا حسن ارشاد ہے۔ کیونکہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر کو صرف اس کے خواب کی تعبیر بتانے پر اکتفا نہیں کیا تھا، بلکہ آپ نے خواب کی تعبیر بتانے کے ساتھ ساتھ ان کی راہ نمائی فرمائی کہ وہ شادابی کے سالوں میں بکثرت پیدا ہونے والے اناج اور حاصل کو ذخیرہ کرنے کے لیے کیا انتظامات کریں۔ (26) اگر کوئی شخص اپنے ذمے کسی تہمت کو دور کرنے اور اپنی براءت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو ملامت نہیں کی جاسکتی، بلکہ اس کا یہ فعل قابل ستائش ہے۔ جیسے جناب یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک قید سے رہا ہونے سے انکار کر دیا تھا جب تک کہ

ان عورتوں کے احوال کے ذریعے سے لوگوں کے سامنے آپ کی براءت نہ ہو جائے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ (27) ان آیات کریمہ سے علم یعنی علم شریعت و احکام، علم تعبیر، علم تدبیر اور علم تربیت کی فضیلت مستفاد ہوتی ہے۔ نیز علم ظاہری شکل و صورت سے افضل ہے خواہ یہ ظاہری شکل و صورت حسن یوسف ہی کو کیوں نہ پہنچ جائے، کیونکہ یوسف علیہ السلام کو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے ابتلا و محن اور قید و بند کا سامنا کرنا پڑا اور اپنے علم کے سبب انہیں عزت، سر بلندی، زمین میں اقتدار حاصل ہوا۔ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی علم کے آثار اور اس کے موجبات ہیں۔ (28) علم تعبیر، علوم شریعہ میں شمار ہوتا ہے، اس کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہونے والے کو ثواب حاصل ہوتا ہے اور خواب کی تعبیر فتویٰ میں داخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فُضِيَ الْأَمْرَ الَّذِي فِيهِ كَسْتَفْتِينَ ۝﴾ ”اس بات کا فیصلہ کر دیا گیا جس کے بارے میں تم فیصلہ طلب کر رہے تھے۔“ اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کا قول نقل فرمایا: ﴿أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ﴾ مجھے میرے خواب کے بارے میں فتویٰ دو۔ نجات پانے والے نوجوان نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے کہا: ﴿أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَعْرَاتٍ﴾ ”ہمیں سات گایوں کے بارے میں فتویٰ دو۔“ ان تمام آیات میں تعبیر کے لیے فتویٰ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس لیے علم کے بغیر خواب کی تعبیر نہیں بتانی چاہیے۔ (29) اگر انسان اپنی صفت کمال مثلاً علم یا عمل وغیرہ کے بارے میں کسی حقیقی مصلحت کے تحت لوگوں کو آگاہ کرتا ہے، نیز اس سے ریا کاری مقصود نہ ہو اور جھوٹ سے محفوظ ہو۔۔۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا تھا: ﴿اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا﴾ ”مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے۔ میں حفاظت کرنے والا ہوں اور ان کے انتظام کا علم بھی رکھتا ہوں۔“ اسی طرح عہدہ قابل مذمت نہیں جب کہ اس عہدے پر متعین شخص مقدر و بھر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حفاظت کرتا ہو اور اسی طرح اس عہدے کی طلب کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں جب کہ وہ کسی دوسرے سے زیادہ اس عہدے کا اہل ہو، عہدہ طلب کرنا اس وقت قابل مذمت ہے جب وہ اس عہدے کا اہل نہ ہو اور اس عہدے کی قابلیت رکھنے والا اس جیسا یا اس سے زیادہ قابل کوئی اور شخص موجود ہو۔ یا وہ اس عہدے کے ذریعے سے ان امور کو قائم کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو جن کو قائم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر اسے عہدہ حاصل کرنے سے روکا جائے گا۔ (30) اللہ تبارک و تعالیٰ کا جود و کرم بحر بے کراں کی مانند ہے۔ وہ اپنے بندے کو دنیا و آخرت کی بھلائی سے نوازتا ہے۔ آخرت کی بھلائی کے دو اسباب ہیں: ایمان اور تقویٰ۔ آخرت کی بھلائی، دنیاوی ثواب اور دنیاوی اقتدار سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کے لیے دعا کرتا رہے اور اسے اخروی ثواب کا شوق دلاتا رہے اور وہ نفس کو یوں ہی نہ چھوڑ دے کہ دنیا داروں کی زیب و زینت اور لذات کو دیکھ کر غم زدہ ہوتا رہے۔ درآں حالیکہ وہ ان کے حصول پر قادر نہ ہو، بلکہ اس کے برعکس وہ اخروی ثواب اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ذریعے سے اسے تسلی دیتا رہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا جُزَاءَ إِلَّا خَيْرٌ لِّكَ إِنِ امْنُتَ وَاَوْ كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝﴾ ”اور آخرت کا اجر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو ایمان لائے اور تقویٰ سے انہوں نے کام لیا۔“ (31) غلے اور اناج کو جمع اور ذخیرہ کر کے رکھنا، جب کہ اس سے لوگوں کی فلاح و بہبود اور ان کے لیے وسعت مقصود ہو، اور اس سے لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو، کوئی حرج نہیں۔ یوسف علیہ السلام نے

شادابی اور فراوانی کے ایام میں غلے اور اناج کو جمع کر کے رکھنے کا حکم دیا تاکہ خشک سالی کے ایام کا مقابلہ کرنے کی تیاری کی جاسکے اور اس طرح غلہ جمع کرنا توکل کے منافی نہیں، بلکہ بندہ مومن کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور وہ تمام اسباب کام میں لائے جو اس کے لیے دین و دنیا میں فائدہ مند ہوں۔ (32) یہ قصہ دلالت کرتا ہے کہ جب سیدنا یوسف علیہ السلام کو زمین کے خزانوں کا منتظم مقرر کیا گیا تو انہوں نے حسن انتظام سے کام لیا یہاں تک کہ ان کے ہاں بکثرت اناج جمع ہو گیا اور دوسرے ملکوں سے لوگ غلہ اور خوراک حاصل کرنے کے لیے مصر کا قصد کرنے لگے، کیونکہ انہیں علم تھا کہ مصر میں غلہ بکثرت موجود ہے اور سیدنا یوسف علیہ السلام ہر آنے والے کو بقدر حاجت غلہ دیتے ہیں، وہ غلہ زیادہ دیتے تھے نہ کم، چنانچہ ہر آنے والے کو ایک بار شتر سے زیادہ غلہ نہیں دیتے تھے۔ (33) مہمان نوازی مشروع ہے اور یہ انبیاء مرسلین کی سنت ہے مہمان کی عزت و تکریم یوسف علیہ السلام کے اس قول سے مستفاد ہے: ﴿الْأَكْرُونَ لَأَنْجِي أُوْنِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ﴾ ”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں اناج پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین مہمانی کرتا ہوں۔“ (34) قرینے کی دلیل موجود ہوتے ہوئے بدظنی ممنوع ہے نہ حرام۔ کیونکہ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے جب سیدنا یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیا اور ان کے بیٹوں نے سخت اصرار کیا اور جب انہوں نے جھوٹا بہانہ بنایا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا، تو یعقوب علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً﴾ ”بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لیے ایک کام کو مزین کر کے آسان بنا دیا۔“ پھر یعقوب علیہ السلام نے دوسرے بھائی (بنیامین) کے بارے میں فرمایا: ﴿هَلْ أَمْنُكُمْ عَنِ الْإِلا كَمَا أَمْنُكُمْ عَلَىٰ آخِيهِمْ مِنْ قَبْلُ﴾ ”کیا میں اس کے بارے میں بھی اسی طرح اعتماد کر لوں جس طرح میں نے اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں اعتماد کیا تھا“ اور جب سیدنا یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس روک لیا اور اس کے بھائی اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے تو سیدنا یعقوب علیہ السلام نے ان سے پھر یہی کہا: ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً﴾ حالانکہ دوسری مرتبہ انہوں نے کوتاہی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ البتہ ان سے ایک ایسا کام سرزد ہوا جس پر ان کے باپ کو یہ کہنا پڑا، جس میں کوئی گناہ اور حرج نہیں۔ (35) نظر بد کے اثرات کے سدباب یا اس کے اثر انداز ہونے کے بعد اس اثر کو ختم کرنے کے لیے اسباب کو استعمال کرنا ممنوع نہیں، بلکہ جائز ہے، اگرچہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر ہی ہے، چنانچہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے ان سے فرمایا: ﴿يَبْنَونَ لَا تَنْخُلُوا مِنْ بَابِ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ﴾ ”اے میرے بیٹو! ایک ہی دروازے میں سے شہر میں مت داخل ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔“ (36) اس سورہ مقدسہ سے، حقوق کے حصول کے لیے، حیلہ سازی کو جواز مستفاد ہوتا ہے اور خفیہ طریقوں کو استعمال کر کے ایسی معلومات حاصل کرنا، جن کے ذریعے سے ان کے مقاصد تک پہنچنا آسان ہو، ایسے امور میں سے ہے، جس پر بندہ قابل ستائش ہے۔ صرف ایسی حیلہ سازی حرام اور ممنوع ہے جس سے کسی واجب کا اسقاط اور کسی حرام کا ارتکاب لازم آتا ہو۔ (37) اس شخص کے لیے جو کسی کو کسی ایسے معاملے میں وہم میں ڈالنا چاہتا ہے جس کے بارے میں اسے مطلع کرنا سے پسند نہ ہو، مناسب ہے کہ وہ ایسی قولی اور فعلی تعارضات استعمال کرے، جو جھوٹ سے مانع ہوں۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے کیا تھا، چنانچہ انہوں نے گیبوں

ناپنے والا پیمانہ اپنے بھائی کی خرچی میں ڈال دیا۔ پھر اس میں سے نکال دکھایا اور ظاہر کیا کہ وہ چور ہے اور اس میں اس کے بھائیوں کے لیے اس کے چور ہونے کا بس ایک قرینہ تھا۔ اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ﴾ ”اللہ کی پناہ! ہم اس شخص کو چھوڑ کر جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے دوسرے کو کیسے پکڑ سکتے ہیں۔“ نیز سیدنا یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا: ﴿مَنْ سَرَقَ مَتَاعَنَا﴾ ”جس نے ہمارا سامان چوری کیا“ اور نہ یہ فرمایا: ﴿إِنَّا وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ﴾ ”بیشک ہم نے اپنا سامان ان کے پاس پایا ہے۔“ بلکہ انہوں نے ایک ایسے اسلوب میں بات کی جس کا اطلاق ان کے بھائی کے علاوہ کسی اور پر بھی ہو سکتا تھا اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے بچا جانا چاہیے، اس میں صرف یہ ایہام ہے کہ وہ چور ہے تاکہ وہ مقصد حاصل ہو سکے جو ان کے پیش نظر تھا اور ان کا بھائی ان کے پاس رہ سکے اور جب صورت حال واضح ہوگئی تو ان کے بھائی سے یہ ایہام بھی زائل ہو گیا۔ (38) انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے علم، تحقیق، مشاہدہ اور قابل اعتماد خبر جس پر اطمینان نفس ہو... کے علاوہ کسی اور چیز کے مطابق گواہی دے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا: ﴿وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِالْبَاطِلِ﴾ ”ہم تو صرف اس کے مطابق گواہی دے سکتے ہیں جس کے متعلق ہم جانتے ہیں۔“ (39) یہ ایک عظیم آزمائش تھی جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنے چنے ہوئے بندے، یعقوب علیہ السلام کو آزما یا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ان کے بیٹے یوسف علیہ السلام کے درمیان جدائی ڈال دی جن سے ایک گھڑی کے لیے جدا ہونا بھی ان کے بس میں نہ تھا، اتنی سی جدائی بھی انہیں سخت غم زدہ کر دیتی تھی۔ پس طویل عرصے تک وہ ایک دوسرے سے جدا رہے جو تیس سال سے کم نہ تھا اس عرصہ کے دوران حزن و غم یعقوب علیہ السلام کے دل سے کبھی جدا نہ ہوا: ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ﴾ ”غم سے ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ غم سے گھل رہا تھا۔“ اور معاملہ اس وقت اور بھی زیادہ سخت ہو گیا جب ان کا دوسرا بیٹا، یوسف کا حقیقی بھائی بھی، ان سے جدا ہو گیا۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر کی امید میں اس کے حکم کے مطابق صبر کر رہے تھے انہوں نے اپنے آپ سے صبر کا عہد کر لیا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے عہد پر پورے اترے۔ ان کا یہ قول صبر کے منافی نہیں ﴿قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس شکوہ کرنا صبر کے منافی نہیں ہوتا۔ صرف وہ شکوہ صبر کے منافی ہے جو مخلوق کے پاس کیا جائے۔ (40) دکھ کے بعد سکھ اور تنگی کے بعد فراخی ضرور آتی ہے۔ یعقوب علیہ السلام پر رنج و غم کی مدت بہت طویل ہوگئی۔ شدت غم اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور آل یعقوب کو بدحالی نے لاچار کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر خوش حالی بھیج دی۔ انتہائی سخت حالات میں ان کی ملاقات ہوئی اور یوں اجر کی تکمیل ہوگئی اور انہیں راحت و سرور حاصل ہوا۔ اس سے یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو سختی اور نرمی، تنگ دستی اور فراخ دستی کے ذریعے سے آزما تا ہے، تاکہ ان کے صبر و شکر کا امتحان لے اور اس طرح ان کے ایمان، یقین اور عرفان میں اضافہ ہو۔ (41) اگر انسان اپنے موجودہ احوال یعنی کسی مرض اور فقر وغیرہ کے بارے میں ناراضی کا اظہار کیے بغیر کسی کو آگاہ کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ یوسف کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام سے کہا: ﴿يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلَنَا الظُّرْمُ﴾ ”اے عزیز مصر! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو مصیبت اور بدحالی نے آگیرا ہے“ اور ان کے اس قول پر سیدنا یوسف

ﷺ نے تکبر نہیں فرمائی۔ (42) اس پورے قصے میں تقویٰ کی فضیلت مستفاد ہوتی ہے۔ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی تقویٰ اور صبر کے آثار کی وجہ سے ہے۔ اہل تقویٰ اور اہل صبر کا انجام بہترین انجام ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَتَّقِي وَيَصْبِرُ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا بے شک اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“ (43) جس کسی کو شدید محتاجی اور بدحالی کے بعد اللہ تعالیٰ نے نعمتوں سے نوازا ہو اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اعتراف کرے اور اپنی پہلی بدحالی اور محتاجی کو یاد رکھے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے۔ جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ﴾ ”اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا ہے کہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور تم لوگوں کو صحرا سے یہاں لایا۔“ (44) یوسف علیہ السلام پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا عظیم لطف و کرم تھا کہ اس نے آپ کو ان احوال سے منتقل کر کے سختیوں اور مصائب میں مبتلا کیا، تاکہ اس کے ذریعے سے وہ آپ کو اعلیٰ ترین منازل اور بلند ترین درجات پر فائز کرے۔ (45) بندہ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان پر ثابت قدمی کے لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتا رہے اور ایسے اسباب رو بہ عمل لاتا رہے جو ایمان پر ثابت قدمی کے موجب ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے اتمام نعمت اور خاتمہ بالخیر کا سوال کرتا رہے۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السُّلُوبِ وَالْأَمْراضِ ۗ أَنْتَ وَرَبِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ أَنْتَ كَفَيْتَنِي مُسْلِمًا وَّأَلْحَقْنِي بِالطَّالِحِينَ﴾ ”اے میرے رب! تو نے مجھے اقتدار عطا کیا اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے دنیا و آخرت میں تو ہی میرا سرپرست ہے۔ اسلام پر مجھے موت دے اور مال کار مجھے نیک لوگوں کے ساتھ شامل کر۔“ اس بابرکت قصے میں یہ چند نکات اور تعبیرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے آسان فرمایا اور ضروری ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس قصے میں غور و فکر کرنے والے پر تعبیرات کے کچھ اور درتچے وا کر دے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے علم نافع اور عمل مقبول کا سوال کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ جو دو کرم کا مالک ہے۔ (تفسیر سعدی: 1290-1303)

﴿انباتھا ۴۳﴾ ﴿سورۃ الرعد ۱۳﴾ ﴿مکتوبہ ۹۶﴾ ﴿مکوعاھا ۶﴾

سوال 1: سورۃ الرعد کہاں نازل ہوئی؟

جواب: سورۃ الرعد مدینہ میں نازل ہوئی۔

سوال 2: اس سورت میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: اس سورت میں 6 رکوع اور 43 آیات ہیں۔

سوال 3: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: نزولی ترتیب کے اعتبار سے 96 نمبر کی سورت ہے اور مصحف کے اعتبار سے 13 نمبر پر ہے۔

سوال 4: اس سورت کا نام الرعد کیوں ہے؟

جواب: اس سورت میں الرعد، البرق، الصواعق اور بادلوں سے بارش برسنے کا ذکر ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَسْبِغُ الرِّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْبَلَاةُ مِنْ خَيْفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْحِسَابِ ۝﴾ اور بادل کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے اور فرشتے اس کے خوف سے اور وہ کڑکنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے انہیں گرا دیتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ بہت سخت قوت والا ہے۔ (الرعد: 13)

سوال 5: سورت الرعد کا موضوع کیا ہے؟

جواب: اس سورت میں توحید، رسالت اور نبوت، بعث اور جزا کا اثبات ہے اور مشرکین کے شہادت کا رد ہے۔

رکوع نمبر 7



﴿الطَّٰرِئَاتُ تَلُكُّ الْاَيْتَ الْكُتُبِ ۗ وَالَّذِيْ اُنزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱﴾

”الر۔ یہ کتاب الہی کی آیات ہیں اور جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔“ (1)

سوال 1: ﴿الطَّٰرِئَاتُ تَلُكُّ الْاَيْتَ الْكُتُبِ ۗ﴾ ”الر۔ یہ کتاب الہی کی آیات ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الطَّٰرِئَاتُ﴾ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی جس سورت کی بھی ابتدا حروف مقطعات سے ہوئی ہے، اس سے اس کا اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی برحق کتاب ہے، جس کی حقانیت و صداقت میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے، اسی لیے تو اس جیسا کلام کوئی انسان نہیں لاسکتا ہے۔ (ابن کثیر: 3/30) (2) ﴿تَلُكُّ الْاَيْتَ الْكُتُبِ ۗ﴾ ”یہ کتاب الہی کی آیات ہیں“ اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ یہ قرآن، کتاب اللہ کی آیات ہیں جو دین کے اصول و فروع میں ہر اس چیز کی طرف راہ نمائی کرتی ہیں جس کے بندے محتاج ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2/1303)

سوال 2: ﴿الذّٰرِئَاتُ تَلُكُّ الْاَيْتَ الْكُتُبِ ۗ وَالَّذِيْ اُنزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱﴾ ”اور جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ﴾ ”اور جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے“ اور وہ قرآن عظیم ہے۔ (جامع البیان: 94/13) (2) ﴿الْحَقُّ﴾ ”حق ہے“ یعنی وہ ثابت شدہ حق ہے۔ (فتح القدر: 83/3) (3) اور یہ قرآن جو رسول اللہ ﷺ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا وہ واضح حق ہے، کیونکہ اس کی خبریں صدق پر مبنی اور اس کے اوامرو نواہی سراسر عدل ہیں اور قطعی دلائل و براہین ان کی تائید کرتے ہیں۔ جو کوئی اس کے علم کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہی حقیقی اہل علم میں شمار ہوتا ہے اور اس کا علم اس کے لیے عمل کا موجب بنتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1303) (4) ﴿وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ﴾ ”لیکن اکثر لوگ“ یعنی اہل مکہ۔ (5) ﴿لَا يُؤْمِنُونَ﴾ یعنی وہ تصدیق نہیں کرتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ (تفسیر سمرقندی: 2/224) (6) یعنی اکثر لوگ یا تو (قرآن) سے جہالت، اس سے روگردانی اور اس کی طرف عدم توجہ کی بنا پر یا محض عناد اور ظلم کی وجہ سے، اس قرآن پر ایمان نہیں رکھتے۔ بنا بریں اکثر لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے، اس کی وجہ اس سبب کا معدوم ہونا ہے جو فائدہ اٹھانے کا موجب ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1304) (7) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ اور آپ خواہ کتنی ہی حرص رکھیں، اکثر لوگ ہرگز مؤمن نہیں ہوتے۔ (یوسف: 103) (8) یہ آیت دلیل ہے کہ ایمان لانے والے کم لوگ ہوتے ہیں جو جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ پس جو لوگ ایمان لائے تو وہ جانتے ہیں کہ یقیناً وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ (البقرہ: 26)

﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۚ إِنَّ سِتْوَامِي عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۗ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ

يَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۗ﴾

”اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں کو بغیر کسی ستون کے بلند کیا ہے، تم انہیں دیکھتے ہو، پھر وہ اپنے عرش پر بلند ہوا اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا، ہر ایک مقررہ مدت کے لیے چل رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہی سارے کام کی تدبیر کرتا ہے، وہ نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔“ (2)

سوال 1: ﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ ”اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں کو بغیر کسی ستون کے بلند کیا ہے، تم انہیں دیکھتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ﴾ ”اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا ہے“ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمال اور اس کے غلبہ اقتدار کی وسعت و عظمت کا بیان ہے کہ اس نے اپنے حکم سے ستونوں کے بغیر تمہارے سروں پر بہت سے آسمان بنا دیے۔ (مختصر ابن کثیر: 908.907/1) (2) جب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ قرآن حق ہے تو یہ بھی بیان فرمایا کہ جس نے اسے نازل کیا وہ کمال پر قادر ہے لہذا اس

کی مصنوعات دیکھو تا کہ تم اس کی قدرت کے کمال کو پہچان لو۔ (قرطبی: 5/196) (3) آسمان وسعت والے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں کیسے بلند کر رکھا ہے۔ (4) ﴿بَعْدَ عِدَّتِي وَتَرْتُوبَتِهَا﴾ ”بغیر کسی ستون کے، تم انہیں دیکھتے ہو، یعنی آسمانوں کو سہارا دینے کے لیے ان کے نیچے کوئی ستون نہیں اور ان کو ستون نے سہارا دیا ہوتا تو وہ تمہیں ضرور دکھائی دیتے۔ (تفسیر سعدی: 2/1304) (5) اس بات کا امکان ہے کہ آسمان ستونوں یا سہاروں پر قائم ہوں لیکن وہ ستون یا سہارے غیر مرئی ہوں، انہیں ہم دیکھ نہیں سکتے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، حسن بصری، قتادہ رضی اللہ عنہم اور بعض دوسروں سے ایسی ہی روایت کی گئی ہے۔ ان غیر مرئی سہاروں کو ہم آج کل کی زبان میں کشش ثقل کہہ سکتے ہیں۔ (تیسیر القرآن: 2/423, 424)

سوال 2: ﴿كُلُّ شَيْءٍ عَلَى الْعَرْشِ﴾ ”پھر وہ اپنے عرش پر بلند ہوا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”پھر وہ اپنے عرش پر بلند ہوا“ یعنی اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا جو اس کی ذات اور اس کے جلال کے لائق ہے۔ (ایسر التفسیر: 701) (2) ہمارا اللہ تعالیٰ کی تمام صفوں پر ایمان ہے۔ اس کی ذات و صفات کیف و تشبیہ سے، تعطیل و تمثیل سے پاک اور بری ہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 1/908) (3) سلف صالحین کا عقیدہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے لیے استواء علی العرش کو ثابت کیا ہے، تو اس پر ایمان رکھا جائے، اس کی کوئی کیفیت بیان کی جائے، نہ دوسری شے کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور نہ اس کی تاویل کر کے قرآن میں ثابت لفظ کو بے کار بنا دیا جائے۔ (تیسیر الرحمن: 1/705)

سوال 3: ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَدَّدٍ﴾ ”اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا، ہر ایک مقررہ مدت کے لیے چل رہا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ ”اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا“ یعنی دن میں سورج کی روشنی اور رات میں بنی آدم کے لیے چاند کی روشنی۔ (تفسیر سمرقندی: 2/225) (2) بندوں کے مصالح نیز ان کے مویشیوں، باغات اور کھیتوں کے مصالح کی خاطر۔ (تفسیر سعدی: 2/1305) (3) ﴿كُلٌّ﴾ ”ہر ایک“ یعنی چاند اور سورج۔ (4) ﴿يَجْرِي﴾ ”چل رہا ہے“ یعنی مقررہ اندازے پر چل رہا ہے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۗ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝﴾ اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے، یہ سب پر غالب، سب کچھ جاننے والے کا اندازہ ہے۔ (یس: 38) (5) ﴿وَالْقَمَرُ قَدَرًا مَّوَدَّعًا ۗ وَالتَّارُوتُ مَوَدَّعًا ۗ وَالشَّمْسُ بِيَسْبَغِي لَهَا ۗ اَنْ تَدْرِكَ الْقَمَرَ ۗ وَلَا الْبَلْبَلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۗ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝﴾ اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ وہ لوٹ کر کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ ہی سورج کے لائق ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن سے پہلے آنے والی ہے اور سب ایک ایک مدار میں تیر رہے ہیں۔ (یس: 39-40) (6) ﴿لَا جَبَلٌ مِّسْرًا﴾ ”ایک مقررہ مدت کے لیے“ یعنی معلوم وقت جو کہ دنیا کی فنا کا ہے اور قیامت قائم ہونے کا ہے۔ (7) دونوں ایک منظم رفتار سے چل رہے ہیں، جس میں کوئی فرق آتا ہے نہ ان کی رفتار میں کوئی سستی

آتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت مقرر آجائے گا اور اللہ تعالیٰ اس جہان آب و گل کی بساط پلپیٹ دے گا اور بندوں کو دار آخرت میں منتقل کر دے گا جو ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے۔ تب اس وقت اللہ تعالیٰ ان آسمانوں کو پلپیٹ دے گا اور ان کو اور ہی آسمانوں سے بدل دے گا اور اسی طرح اس زمین کو دوسری زمین سے بدل دے گا۔ سورج اور چاند بے نور کر دیئے جائیں گے اور ان کو اکٹھا کر کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا، تاکہ ان کی عبادت کرنے والے دیکھ لیں کہ وہ عبادت کے مستحق نہ تھے، تاکہ وہ سخت حسرت زدہ ہوں اور کفار کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے۔ (تفسیر سعدی: 2/1304، 1306) (8) سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب سورج غروب ہوا تو رسول ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کو علم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جاتا ہے اور عرش کے نیچے پہنچ کر پہلے سجدہ کرتا ہے پھر دوبارہ آنے کی اجازت چاہتا ہے اور اسے اجازت دی جاتی ہے اور وہ دن بھی قریب ہے جب یہ سجدہ کرے گا تو اس کا وہ سجدہ قبول نہ ہوگا اور اجازت چاہے گا لیکن اجازت نہ ملے گی بلکہ اس سے کہا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جا! چنانچہ اس دن وہ مغرب ہی سے نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝﴾ (سورہ یس: 38) میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (صحیح بخاری: 3199) (9) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سورج اور چاند دونوں بے نور ہو جائیں گے۔ (صحیح بخاری: 3200) (10) ﴿كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسْمًى﴾ حالانکہ ”کل“ کا لفظ دو کے لیے نہیں آتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سورج اور چاند کی طرح کے سب سیارے اپنی اپنی ڈگر پر چل رہے ہیں اور قیامت تک یہ چلتے ہی رہیں گے۔ ضمناً اس سے دو باتیں اور معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ جو لوگ سورج کو ساکن سمجھتے ہیں یا سمجھتے رہے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ لفظ جریان کا اطلاق گردش محوری پر نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ضروری ہے اور ہماری زمین بھی چونکہ ایک سیارہ ہے اس لیے اس کی گردش بھی ثابت ہوتی ہے۔ سیاروں کی گردش کے جو قاعدے اور قوانین مقرر کر رکھے ہیں، وہ ان کے پابند ہیں کیونکہ جو چیز حرکت میں ہے، وہ خراب بھی ہو سکتی ہے حتیٰ کہ کسی وقت تباہ بھی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی تمام باتوں کی تدبیر بھی کر رہا ہے ان سیاروں کو صرف ان کی قوتِ جذبہ اور دفعہ کے سپرد ہی نہیں کر رکھا بلکہ اس کی پوری پوری نگہداشت اور ان کی تدبیر یا واقع ہونے والی خامیوں کا علاج بھی کر رہا ہے۔ (تیسیر القرآن: 2/423، 424)

سوال 4: ﴿يُنَادُوا اَلَا مَرْيَمُ قَصِلِ الْاٰلِيٰتِ لَعَلَّكُمْ يَرْفَعُوْنَ﴾ ”اللہ تعالیٰ ہی سارے کام کی تدبیر کرتا ہے۔ وہ نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يُنَادُوا اَلَا مَرْيَمُ قَصِلِ الْاٰلِيٰتِ لَعَلَّكُمْ يَرْفَعُوْنَ﴾ ”اللہ تعالیٰ ہی سارے کام کی تدبیر کرتا ہے۔ وہ نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو“ یعنی وہ اپنے ملک میں تمام حالات میں مکمل تصرف کرتا ہے۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، وہ ایجاد کرتا ہے اور معدوم کرتا ہے۔ وہ غنی کرتا ہے اور فقیر کرتا ہے اور اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی نازل کرتا ہے

اور یہ اس کی قدرت اور رحمت پر دلیل ہے۔ (تفسیر مراغی: 53/5) (2) ﴿آلَآءُ الْخَلْقِ وَالْآمُرِ﴾ سن لو! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے۔ یہاں خلق و امر کو اکٹھا کیا گیا ہے یعنی اللہ عظمت والانتحت اقتدار پر مستوی ہے اور وہ عالم علوی اور عالم سفلی کی تدبیر کر رہا ہے، پس وہی پیدا کرتا ہے اور رزق عطا کرتا ہے، وہی غنی کرتا اور محتاج کرتا ہے، وہ کچھ قوموں کو سر بلند کرتا ہے اور کچھ قوموں کو تعزیرت میں گرا دیتا ہے، وہی عزت عطا کرتا ہے، وہی ذلت سے ہمکنار کرتا ہے، وہی گراتا ہے اور وہی رفعتیں عطا کرتا ہے، وہی لغزشوں پر عذر قبول کرتا ہے، وہی مصیبتوں اور تکلیفوں کو دور کرتا ہے، وہی تقدیر کو اس کے وقت مقرر پر نافذ کرتا ہے، جو اس کے احاطہ علم میں ہے اور جس پر اس کا علم جاری ہو چکا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان فرشتوں کو تدبیر کائنات کے لئے بھیجتا ہے جن کو اس تدبیر کے لئے مقرر کر رکھا ہے۔ وہ کتب الہی کو اپنے رسولوں پر نازل فرماتا ہے، احکام شریعت اور امر و نواہی کو جن کے بندے سخت محتاج ہیں، کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ توضیح، تبیین، اور تمیز کے ذریعے سے ان کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1305/2) (3) ﴿يُقَوِّلُ الْآيَاتِ﴾ ”وہ نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے“، یعنی قرآنی آیات جس میں وہ قصص، ضرب المثل، حلال و حرام کو بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لاؤ اور اس کی عبادت کرو، اور اس کو عبادت میں ایک سمجھوتا کہ تمہاری روحیں اور تمہارے اخلاق کمال کو پہنچیں اور تم دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کرو۔ (ایسر التفسیر: 701) (4) ﴿لَعَلَّكُمْ﴾ ”تاکہ تم“، یعنی اس نے تمہیں نشانیاں دکھائیں اور آیات نازل فرمائیں تاکہ تم رب کی ملاقات پر یقین کر لو۔ (5) ﴿بَلَقَاءَ رَبِّكُمْ تُؤْتُونَ﴾ ”تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو“، کیونکہ دلائل کی کثرت اور ان کی توضیح و تبیین تمام امور الہیہ میں خاص طور پر بڑے بڑے عقائد مثلاً زندگی بعد موت اور قبروں سے نکلنے میں یقین کے حصول کا سبب بنتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ حکیم ہے وہ مخلوق کو بے فائدہ پیدا نہیں کرتا، نہ اس کو عبث چھوڑے گا۔ پس جیسے اس نے انبیاء و مرسلین مبعوث کیے اور بندوں کے لیے امر و نواہی کی خاطر کتابیں نازل فرمائیں تب یہ ضروری ٹھہرا کہ وہ بندوں کو ایسے جہان میں منتقل کرے جہاں انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے، نیکو کاروں کو بہترین بدلہ اور بدکاروں کو ان کی بدی کا بدلہ۔ (تفسیر سعدی: 1305/2، 1306)

سوال 5: رب کی ملاقات کا یقین انسان کے اندر کیا تبدیلی لے کر آتا ہے؟

جواب: (1) رب کی ملاقات کے یقین سے حساب کتاب کا یقین آتا ہے۔ (2) رب کی ملاقات کے یقین سے جزا سزا کا یقین آتا ہے۔ (3) رب کی ملاقات کے یقین سے انسان رب کی رضا کے لیے کام کرتا ہے۔ (4) رب کی ملاقات کے یقین سے ہی انسان ربانی بنتا ہے۔

﴿ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رِوَاسِيَ وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الْجِبَالِ جَعَلَ فِيهَا رِوَادًا وَجَنَّاتٍ مِنْ يَتْرُوبِ يُغْنِي لِلَّذِينَ اللَّهُمَّ لَهُ

إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْتَكِرُونَ (3)﴾

”اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا یا ہے اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے ہیں اور اس میں ہر طرح کے پھل سے ایک ایک جوڑا دو دو قسم کا

بنایا، وہی رات کو دن پر اوڑھ دیتا ہے، بلاشبہ ان لوگوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔“ (3)

سوال 1: ﴿وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رِوَادًا وَأَنْهَارًا﴾ ”اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا یا ہے اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ﴾ ”اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا یا ہے“ وہ قدرت والا رب ہے جس نے زمین کو زندگی کے لیے بچھا دیا۔ (2) یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو اپنے بندوں کے لئے تخلیق کیا، اس کو وسعت بخشی، اس میں برکت عطا کی، اپنے بندوں کے لیے اس کو پھیلا یا اور اس کے اندر ان کے لیے فوائد و مصالح و دلچت کئے۔ (تفسیر سعدی: 2/1306) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مَهْدًا ۗ وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ۗ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ۝﴾ کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟ اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ (النبا: 6-8) (4) آیت شریفہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ زمین کو پھیلا دیا یہ پھیلا نا زمین کے کرہ ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اگر زمین کرومی ہو جیسا کہ اہل سائنس کہتے ہیں تو یہ زمین کے پھیلاؤ کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ پھیلاؤ کے لیے کسی چیز کا اول سے اخیر تک سطح واحد ہونا ضروری نہیں ہے۔ زمین چونکہ بہت بڑی ہے اس لیے انسانوں کا اس پر رہنا، چلنا پھرنا اور سفر کرنا ایسا محسوس ہوتا ہے جیسا کہ سطح واحد پر ہی جارہے ہیں۔ چوٹی کے طول و عرض کو جو ایک بہت بڑی گیند سے نسبت ہے انسانوں کی آبادیوں کو زمین کے پھیلاؤ سے وہ نسبت بھی نہیں ہے۔ (انوار البیان: 3/143) (5) ﴿وَجَعَلَ فِيهَا رِوَادًا وَأَنْهَارًا﴾ ”اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے ہیں“ یعنی زمین پر پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں اور اس میں نہریں، دریا، چشمے، ندی، نالے بہا دیے۔ (6) یعنی زمین پر بڑے بڑے پہاڑ رکھ دیئے تاکہ زمین مخلوق کے ساتھ ڈھلک نہ جائے۔ اس لیے اگر پہاڑ نہ ہوتے تو زمین اپنے رہنے والوں کے ساتھ ایک طرف جھک جاتی، کیونکہ زمین پانی کی سطح پر تیر رہی ہے جس کو ثبات و استقرار نہیں۔ مضبوطی کے ساتھ جے ہوئے پہاڑوں کے ذریعے سے اس میں توازن پیدا کیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے میخیں بنایا ہے۔ ﴿وَأَنْهَارًا﴾ یعنی زمین کے اندر دریا بنائے جو انسانوں، ان کے مویشیوں اور ان کے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ پس ان دریاؤں کے ذریعے سے درخت، کھیتیاں اور باغات اگائے اور ان کے ذریعے سے خیر کثیر برآمد کیا۔ (تفسیر سعدی: 2/1306)

سوال 2: ﴿وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ جَعَلَ فِيهَا رِوَادًا وَجَنَّاتٍ أَلْبَنًا لِّلْأَنْهَارِ﴾ ”اور اس میں ہر طرح کے پھل سے ایک ایک جوڑا دو دو قسم کا بنایا، وہی رات کو دن پر اوڑھ دیتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ جَعَلَ فِيهَا رِوَادًا وَجَنَّاتٍ أَلْبَنًا لِّلْأَنْهَارِ﴾ ”اور اس میں ہر طرح کے پھل سے ایک ایک جوڑا دو دو قسم کا بنایا“، یعنی دو قسمیں، دو اصناف پیدا کیں جیسے بیٹھے اور کڑوے اور زرد اور سیاہ۔ (ایر التفاسیر: 701) (2) نباتاتی حیات میں نر اور مادہ کے راز سے قرآن حکیم نے پردہ اٹھایا۔ اس سے پہلے اور اس سے بہت بعد تک بھی یہ راز کھلا نہیں تھا۔ (3) یہ علم الہی ہے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے حیاتیات کا یہ مخفی راز برملا بیان کر دیا گیا۔ بتا دیا کہ درختوں کو پھل لانے کے لیے بھی اسی عملیے کی ضرورت ہے جو حیوانوں کی افزائش نسل

کا سبب ہے۔ یہ راز جدید علم نباتات نے بتایا کہ تنلیاں اور دوسرے پرند درختوں کی باروری کا وسیلہ ہیں کہ تنلیاں نر کا تخم مادہ درختوں تک پہنچا دیتی ہیں اور یوں درخت پھل لاتے ہیں۔ (تعارف الفرقان: 118/3) (4) ﴿يُنشِئُ الْبَيْتَ النَّهَارِ﴾ ”وہی رات کو دن پر اوڑھا دیتا ہے“ یعنی وہ رات کو دن پر اس طرح سے ڈھانپ دیتا ہے کہ روشنی کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا۔ (المیر التفاسیر: 701) (5) وہ دن پر رات کو طاری کر دیتا ہے جس سے تمام آفاق پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور ہر جاندار اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر دن بھر کی مشقت اور تھکن کو دور کرنے کے لیے آرام کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1306/2) (6) رب العزت نے فرمایا: ﴿أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا الْبَيْتَ لَيْسَ كُنُوفِهِ وَالنَّهَارَ مُمْسِرًا ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ یقیناً ہم نے رات بنائی تاکہ لوگ اس میں آرام کریں اور دن کو دکھلانے والا بنایا؟ واقعی اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ (النمل: 86) (7) ﴿وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۗ وَجَعَلْنَا الْبَيْتَ لِبَاسًا ۗ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾ اور ہم نے تمہاری نیند کو باعث آرام بنایا۔ اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا۔ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا۔ (النبا: 9,11)

سوال 3: ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ ”بلاشبہ ان لوگوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ﴾ ”بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں“ یعنی ان بکھری ہوئی نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ (2) ﴿لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ جو غور و فکر کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں۔ (3) یعنی ان لوگوں کے لئے جو ان آیات و دلائل میں غور و فکر کرتے ہیں، انہیں عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو اس ہستی کی طرف راہنمائی کرتی ہیں جس نے ان کو تخلیق کیا، ان کی تدبیر کی اور ان میں تصرف کیا۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی الہ اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ غائب اور موجود ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ وہ مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ اپنے ہر کام میں حکمت رکھتا ہے، اپنے خلق و امر میں قابل تعریف، نہایت بابرکت اور بہت بلند ہستی ہے۔ (تفسیر سعدی: 1306)

﴿وَفِي الْأَرْضِ قَطْعٌ مُّتَجَوِّرٌ ۚ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَكُرْمٌ ۖ وَأَنْخِيلٌ ۖ صَوَّانٌ وَغَيْرُ صَوَّانٍ يُسْقَىٰ بِسَاءٍ وَوَاحِدٍ ۗ وَنُقُضٌ ۚ بَعْضُهَا

عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأَكْبَلِ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ (4)

”اور زمین میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ٹکڑے ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں، بعض کئی تنوں والے ہیں اور بعض ایک تنے والے ہیں، سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ہم ان میں سے بعض کو مزے میں بعض پر فوقیت دیتے ہیں۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔“ (4)

سوال 1: ﴿وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَبَعٌ لِّمِثْلِهَا﴾ ”اور زمین میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ٹکڑے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال اور اس کی نشانیوں میں سے زمین میں الگ الگ مگر ایک دوسرے سے ملے ہوئے ٹکڑے ہیں ساری زمین ایک ہے مگر ہر جگہ کی الگ خصوصیات ہے۔ (2) متجاورات ایک دوسرے سے ملے ہوئے قریب قریب اور مجاہد نے کہا متجاورات کا معنی یہ ہے کہ بعض قطعے عمدہ قابل زراعت ہیں بعض خراب شور کھارے ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر)

سوال 2: ﴿وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزُرْمٌ وَنَخِيلٌ وَسُومَانٌ وَعَيْبُونَ مِمَّا بَنَوْا وَوَأَحِدٍ﴾ ”اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں، بعض کئی تنوں والے ہیں اور بعض ایک تنے والے ہیں، سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزُرْمٌ وَنَخِيلٌ﴾ ”اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں“ زمین کے اندر باغات ہیں۔ انگوروں اور کھجوروں کے اور کھیتیاں ہیں جن میں انواع و اقسام کے درخت اور پودے ہیں۔ (2) ﴿سُومَانٌ وَعَيْبُونَ﴾ صنوان وہ کھجور کے درخت جن کی جڑ ملی ہوئی ہو (ایک ہی جڑ پر کھڑے ہوں) غیر صنوان الگ الگ جڑ پر سب ایک ہی پانی سے اگتے ہیں (ایک ہی ہوا سے ایک ہی زمین میں) آدمیوں کی بھی یہی مثال ہے کوئی اچھا کوئی برا حالانکہ سب ایک باپ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر) (3) ﴿يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ﴾ ”سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے“ سب ایک ہی پانی سے پروان چڑھتے ہیں لیکن ہر ایک دوسرے سے الگ رہتا ہے۔ (4) سرداران نبیاء نے اس آیت کی تفسیر بیان فرمائی کہ کوئی ترش ہوتا ہے، کوئی کسلا کوئی بیٹھا ہوتا ہے اور کوئی کھٹا۔ (ترمذی) (5) ایک ہی پانی اور ایک ہی مٹی کے باوجود ذائقوں کا اختلاف خالق کا پتہ دیتا ہے کہ وہ عظیم قوت رکھنے والا، بہترین منصوبہ بندی کرنے والا ہے۔

سوال 3: ﴿وَلَقَدْ بَخَسْنَا عَلَىٰ بَعْضِ فِي الْأَكْلِ﴾ ”اور ہم ان میں سے بعض کو مزے میں بعض پر فضیلت دیتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی رنگ، ذائقہ، فوائد اور لذت میں بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ پس یہ اچھی اور زرخیز زمین ہے جس میں بکثرت سرسبز گھاس، بیل بوٹے، درخت اور کھیتیاں اگتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ملی ہوئی زمین کی ایک قسم وہ ہے جس میں گھاس اگتی ہے، نہ وہ پانی کو روک کر اس کا ذخیرہ کر سکتی ہے۔ زمین کی ایک قسم وہ ہے جو پانی کو روک کر ذخیرہ کرتی ہے مگر اس میں ہریالی نہیں اگتی، ایک زمین وہ ہے جس میں درخت اور کھیتیاں اگتی ہیں مگر گھاس نہیں ہوتی۔ کوئی پھل شیریں ہے، کوئی تلخ اور کسی کا ذائقہ ان کے بین بین ہے۔ (تفسیر سعدی: 1307/2) (2) حسن بصری رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے لیے مثال بیان کی ہے کہ ان کی اصل ایک ہے اور وہ خیر

اور شر، ایمان اور کفر میں مختلف ہیں جیسا کہ پھلوں میں اختلاف ہے جو ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں۔

سوال 4: ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ ”بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ﴾ ”یقیناً اس میں“ یعنی زمین کے مختلف خطوں میں، پھلوں کے ذائقوں، رنگوں اور خوشبوؤں کے اختلاف میں۔ (2) ﴿لَآيَاتٍ﴾ ”یقیناً نشانیاں ہیں“ یعنی اس کی توحید اور اس کی ملاقات کے دلائل جو اس پر ایمان کو واجب کرتے ہیں۔ (3) ﴿لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ ”ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں“ نشانیاں ان ہی کے لیے ہیں جو غور و فکر کریں، سوچیں، سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا خالق ہے۔ جس نے ان کو جداگانہ بنایا اور ہر ایک کو اپنی منشا کے مطابق پیدا کیا۔ (مختصر ابن کثیر: 910/1) (4) کیا یہ تنوع ان کا ذاتی اور طبعی ہے یا غالب اور رحم کرنے والی ہستی کی مقرر کردہ تقدیر ہے؟ ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ یعنی اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایسی عقل سے بہرہ ور ہیں جو ان کی ان امور کی طرف راہ نمائی کرتی ہے جو ان کے لئے مفید ہیں۔ یہ عقل ان امور کی طرف لے چلتی ہے جن کے ذریعے سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے اوامر و نواہی کو سمجھتے ہیں۔ رہے روگرداں اور بلید الذہن لوگ، وہ اپنے نظریات کے اندھیروں میں حیران اور سرگرداں اور اپنی گمراہی میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اپنے رب کی طرف انہیں کوئی راہ سھائی دیتی ہے نہ اس کی بات کو یاد رکھتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1307/2)

﴿وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ إِذْ أَذَا كُنَّا رَبَّاءَ إِنَّا لَنَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلَابُ﴾

﴿أَعْمَاقِهِمْ ۗ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْأَنْرِ ۗ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝﴾

”اور اگر تم تعجب کرو تو تعجب کے قابل ان کی یہ بات ہے کہ کیا جب ہم مرکز مٹی ہو جائیں گے تو کیا واقعاً ہم یقیناً نئی تخلیق میں ہوں گے؟ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا کفر کیا اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“ (5)

سوال 1: ﴿وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ إِذْ أَذَا كُنَّا رَبَّاءَ إِنَّا لَنَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ﴾ ”اور اگر تم تعجب کرو تو تعجب کے قابل ان کی یہ بات ہے

کہ کیا جب ہم مرکز مٹی ہو جائیں گے تو کیا واقعاً ہم یقیناً نئی تخلیق میں ہوں گے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِنْ تَعْجَبْ﴾ ”اور اگر تم تعجب کرو“ اے نبی! اگر آپ ﷺ کو ان کے آپ کی رسالت پر ایمان نہ لانے اور رب کی توحید

کو نہ ماننے پر تعجب ہے۔ (امیر التفاسیر: 703) (2) ﴿فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ﴾ یقیناً مشرکوں کی باتیں تو قابل تعجب ہی ہیں۔ (3) ﴿إِذْ أَذَا كُنَّا رَبَّاءَ إِنَّا

لَنَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ﴾ ”کہ کیا جب ہم مرکز مٹی ہو جائیں گے تو کیا واقعاً ہم نئی تخلیق میں ہوں گے؟“ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی توحید کی

نشانوں کو دیکھ کر کافر اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا ایجاد کرنے والا ہے مگر پھر بھی زندگی بعد موت کو نہیں مانتے اور اللہ تعالیٰ کی خبر پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ جسے یہ جھٹلا رہے ہیں اس سے زیادہ حیرت انگیز مشاہدہ یہ کر چکے ہیں۔ ایک موٹی عقل والا بھی جانتا ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش کے مقابلے میں انسان کی پیدائش کچھ بھی نہیں۔ پھر ابتدائی پیدائش کے مقابلے میں دوسری پیدائش کچھ نہیں۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَا مَاتَ لَسَوْفَ أُوْحَرُّمْ حَيًّا ۝ أَوْ لَا يَدْ كُرُّ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝﴾ اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو واقعی جلد ہی میں زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ اور کیا انسان یا نہیں کرتا کہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے بھی اسے پیدا کیا تھا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟ (مریم: 66، 67) (5) ﴿وَقَالُوا إِذًا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا ۚ إِنْ أَتَانَا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۝ قُلْ كُونُوا حِجَابًا أَوْ حديدًا ۝ أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُبْخِشُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَ يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ هُوَ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ۝﴾ اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا یقیناً ہم نئی پیدائش پر ضرور اٹھائے جانے والے ہیں؟ آپ کہہ دیں تم پتھر یا لوہا بھی ہو جاؤ یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے دلوں میں اس سے بھی بڑی ہو۔ تو جلد ہی وہ کہیں گے کہ کون ہے جو ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا؟ آپ کہہ دیں وہی ذات جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا، تو جلد ہی وہ آپ کے سامنے تعجب سے سر ہلائیں گے اور کہیں گے تو یہ کب ہوگا؟ آپ کہہ دیں امید ہے کہ وہ قریب ہو۔ (بنی اسرائیل: 49-51) (6) ﴿وَأَقْسُوا بِاللَّهِ جَهْدَ آيَاتِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتٍ ۝ بَلَىٰ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ لَكِنَّا كُنَّا نَسْتَكْبِرُ فَكُنَّا لَا يَبْعَثُونَ ۝﴾ اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی پختہ قسمیں کھائیں کہ جو مر جائے گا اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ کیوں نہیں! یہ اس کے ذمے ایک سچا وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ (الاحقاف: 38) (7) ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَالْمَرُءِ وَالْمَرْءِ لَمْ يَجْعَلْ لَهُمْ لِقَاءَهُمْ وَأَنْ لَا يُعْلَمُونَ ۝﴾ اور کیا بھلا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو ان کی تخلیق سے تھکا نہیں، اس پر قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرے؟ ہاں! یقیناً وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ (الاحقاف: 33)

سوال 2: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ الْأَعْلَىٰ ۚ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا کفر کیا اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا کفر کیا“ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو جھٹلایا، رب کا انکار کیا، رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ ۚ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَئِكَ كَالْإِنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝﴾ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے اکثر کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے، ان کے لیے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کے لیے آنکھیں ہیں جن

سے وہ دیکھتے نہیں، اور ان کے لیے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، یہ لوگ جانوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔ (الاعراف: 179) (2) ﴿وَأُولَٰئِكَ الْأَعْمَىٰ﴾ اور یہی لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے، یہ طوق ہیں جو ان کو ہدایت سے روکتے ہیں۔ ان کی گردنوں میں کل آگ کے طوق ہوں گے جن سے انہیں گھسیٹ کر جہنم میں دھکا دے دیا جائے گا۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِذَا لَأَعْمَىٰ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلْسِلُ يُسْحَبُونَ ۖ فِي الْحَصِيمِ ۖ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۖ﴾ جب طوق اور زنجیریں ان کی گردنوں میں ہوں گے، وہ گھسیٹے جا رہے ہوں گے۔ کھولتے ہوئے پانی میں، پھر وہ آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔ (غافر: 71-72) (4) کیونکہ انہیں ایمان کی طرف بلا یا گیا مگر وہ ایمان نہ لائے، ان کے سامنے ہدایت پیش کی گئی مگر انہوں نے اسے قبول نہ کیا، لہذا سزا کے طور پر ان کے دل پلٹ دیئے گئے کیونکہ یہ لوگ پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے۔ (تفسیر سعدی: 1308/2) (5) ﴿وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ﴾ اور یہی آگ والے ہیں، یہ لوگ ازلی جہنمی ہیں۔ (6) ﴿هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، وہ نہ وہاں سے منتقل ہو سکیں گے، نہ وہاں سے کبھی نکل سکیں گے۔

﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَعْفَرٍ وَلِلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ

رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ۝١

”اور وہ بھلائی سے پہلے برائی کو جلدی مانگتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے بے شک بہت سی عبرت ناک سزائیں گزر چکیں یقیناً آپ کا رب لوگوں کے لیے ان کے ظلم کے باوجود بڑی بخشش والا ہے، اور یقیناً آپ کا رب بلاشہ بہت سخت سزا والا بھی ہے۔“ (6)

سوال 1: ﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُ﴾ اور وہ بھلائی سے پہلے برائی کو جلدی مانگتے ہیں۔ حالانکہ ان سے پہلے بے شک بہت سی عبرت ناک سزائیں گزر چکی ہیں، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾ اور وہ بھلائی سے پہلے برائی کو جلدی مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو آگاہ فرمایا ہے کہ وہ رحمت سے پہلے عذاب مانگتے ہیں۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ﴾ سوال کرنے والے نے واقع ہونے والے عذاب کا سوال کیا ہے۔ (المعارج: 1) (3) ﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ يَنْتَظِرُونَ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ اسے وہی لوگ جلدی مانگتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ (الشوری: 18) (4) ﴿وَقَالُوا إِنَّا بِنِعْمَةِ رَبِّنَا كَانُوا فِيهَا يَتَسَاءَلُونَ﴾ اور انہوں نے کہا: ”اے ہمارے رب! حساب کے دن سے پہلے ہی ہمارا حصہ ہمیں جلدی دے دے۔“ (ص: 16) (5) مشرکوں نے گناہوں پر فوری طور پر گرفت نہ ہونے کی وجہ سے سمجھا کہ وہ حق پر ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ عذاب لے آئیں جیسا کہ ابو جہل نے بدر کی جنگ میں جانے سے پہلے کعبے کے پردے پکڑ کر دعا کی۔ ﴿وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ ۖ وَأُنزِلْنَا بِعَذَابٍ آلِيمٍ﴾ اور جب

انہوں نے کہا: ”اے اللہ! اگر یہ واقعی تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسایا کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ۔“ (الانفال: 32) ﴿6﴾ «وَقَدْ حَكَمْتُم مِّن قَبْلِهِمُ السُّلْطٰنَ» حالانکہ ان سے پہلے بے شک بہت سی عبرتناک سزائیں گزر چکی ہیں، امثلات مثلاً کی جمع ہے یعنی جوڑا اور مشابہ اور دوسری آیت میں ہے اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الدِّينِ خَلَوْا مِثْلًا مِّثْلًا ان لوگوں کے دنوں کے جو پہلے گزر گئے۔ (بخاری کتاب الشیر) (7) یعنی کچھلی قوموں کے حالات اور عذاب کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ جیسے قوم ثمود نے مطالبہ کیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا اِنْتِبَاهِ عِبَادِنَا اِن كُنْتُمْ مِّنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اے صالح! اگر تم واقعی رسولوں میں سے ہو تو ہم پر لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو۔ (الاعراف: 77) ﴿8﴾ ﴿قَالُوْا اِيْنُومُ قَدْ جَدَلْتَنَا فَا كَشَرْتِ جَدَلْنَا فَا تِنَابْنَا عِدْنَا اِنَّا كُنْتُمْ مِّنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ انہوں نے کہا: ”اے نوح! یقیناً تم نے ہم سے جھگڑا کیا ہے پھر تم نے ہم سے بہت زیادہ جھگڑا کیا ہے چنانچہ وہ لے ہی آؤ جس کا تم ہمیں وعدہ دیتے ہو اگر تم بچوں میں سے ہو۔“ (ہود: 32) ﴿9﴾ کیا وہ اپنے حالات پر غور و فکر کر کے اپنی اس روش سے باز نہیں آسکتے؟

سوال 2: ﴿وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلُوْمِهِمْ﴾ اور یقیناً آپ کا رب لوگوں کے لیے ان کے ظلم کے باوجود بڑی بخشش والا ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور یقیناً آپ کا رب لوگوں کے لیے ان کے ظلم کے باوجود بڑی بخشش والا ہے“ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس کا عفو و درگزر ہے جس کی وجہ سے بندوں پر فوراً عذاب نازل نہیں ہوتا۔ بندے شرک کریں، نافرمانی کریں، جرائم کریں تب بھی وہ انہیں اپنے فضل سے محروم نہیں کرتا۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو وہ ان کا ولی ہے جو انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور اگر وہ توبہ نہ کریں تو وہ ان کا طبیب ہے، انہیں مصائب میں مبتلا کر کے گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ لِيَعْبُدِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ آپ کہہ دیں کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ یقیناً وہی بڑا بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (الزمر: 53) ﴿3﴾ ﴿وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اَمِنٌ وَّ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اَهْتَدٰى﴾ اور بلاشبہ جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے، پھر سیدھی راہ پر چلا، تو یقیناً میں بہت بخشنے والا ہوں۔ (طہ: 82)

سوال 3: ﴿وَ اِنَّ رَبَّكَ لَسَدِيْدٌ الْعِقَابِ﴾ اور یقیناً آپ کا رب بلاشبہ بہت سخت سزا والا بھی ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) جو لوگ اپنے گناہوں پر اصرار کرتے ہیں اور توبہ کرنے سے انکار کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرنا چاہیے کیونکہ اس کی گرفت سخت دردناک ہے۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ یقیناً بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (الانعام: 165)

سوال 4: مغفرت اور عذاب کا تذکرہ اکٹھے کیوں کیا گیا؟

جواب: (1) امید اور خوف دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھنے کے لیے کیونکہ انسان امید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرنے پر تیل جاتا ہے اور خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے۔ جب کہ ایمان خوف اور امید کے بین بین ہے۔ رب العزت نے فرمایا:

﴿يَتَىٰ عِبَادِيَ أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۖ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ۝﴾ آپ میرے بندوں کو بتادیں بلاشبہ میں بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہوں۔ اور یقیناً میرا عذاب وہ دردناک عذاب ہے۔ (الحجر: 49، 50) (2) ﴿عَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّلُوقِ﴾ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، بہت سخت سزا دینے والا، بڑے فضل والا ہے۔ (المومن: 3)

﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝﴾

”اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی جانب سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ بلاشبہ آپ تو محض

خبردار کر دینے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک راہ نما ہے۔“ (7)

سوال 1: ﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۗ ﴾ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی جانب سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اتارا گیا؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں“ وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید، بعثت اور نبوت کا انکار کیا وہ کہتے ہیں۔ (2) یعنی کافر اپنی خواہشات کے مطابق معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ (3) ﴿ لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ ﴾ ”کیوں نہیں اتارا گیا اس پر“ کیوں نہیں اتاری گئی، اس کو موخر کیوں کیا گیا؟ ﴿ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ﴾ ”اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ“ یعنی معجزہ جیسے عصائے موسیٰ علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی وغیرہ۔ (4) وہ یہ بات اپنی معذرت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں حالانکہ رسول کا معجزات پر کوئی اختیار نہیں اللہ تعالیٰ ہی معجزات نازل فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی آیات نازل کی ہیں جس میں اس کی توحید اور نبی ﷺ کی رسالت کے دلائل ہیں۔ جو کوئی حق کا طلب گار ہو وہ ان سے ہدایت پاسکتا ہے اور جہاں تک حق کا انکار کرنے والوں کا تعلق ہے وہ بے سوچے سمجھے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نَنْزِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الَّذِينَ أَزُولُونَ ﴾ اور ہمیں نہیں روکا اس بات سے کہ ہم نشانیاں بھیجیں مگر ان سے پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلایا ہے۔ (بنی اسرائیل: 59) (5) ایمان نہ لانے کی اصل وجہ خواہشات کی پیروی ہے۔

سوال 2: ﴿ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾ ”بلاشبہ آپ تو محض خبردار کر دینے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک راہ نما ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ ﴾ ”بلاشبہ آپ تو محض خبردار کر دینے والے ہیں“ یعنی آپ ﷺ تو صرف لوگوں کو بے دار کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچادیں۔ ان کو ہدایت دینا آپ ﷺ کی ذمہ داری نہیں ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ ان کو ہدایت دینا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (البقرة: 272) (2) ﴿مُنذِرًا﴾ سے مراد معلم ہے۔ (قرطبی: 201/5) (3) ﴿فَاتَّبَعْنَا عَلَيْكَ الْبَلَاءَ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ پھر یقیناً تمہارے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے۔ (الرعد: 40) (4) ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ اور ہر قوم کے لیے ایک راہ نما ہے، یعنی ہر قوم میں ایک داعی ہوتا ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف، اس کے دین کی طرف دعوت دیتا ہے۔ نبی کے پاس دلائل ہوتے ہیں جو اس کی دعوت کی صحت پر دلالت کرتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ﴾ اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے۔ (یونس: 47) (5) ﴿وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ اور کوئی امت نہیں مگر جس میں ایک خبردار کرنے والا نہ گزرا ہو۔ (فاطر: 24) (6) اگر دنیا کے کسی خطے میں کسی نبی کے تشریف لانے کا تحقیقی ثبوت نہ ملے تو اس سے آیت کے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نبی نہ آئے تو ان کے نائب ہادی ضرور آئے گو ہمیں ان سب کی تفصیل معلوم نہ ہو۔ نیز یہ بھی سمجھ لینا چاہئے جس کسی کی نبوت کا ثبوت نہ ہو اسے خواہ مخواہ اس لیے نبیوں کی فہرست میں شمار کر لینا گمراہی ہے۔ بعض لوگ ہندوؤں، بدھسٹوں اور زرتشتوں کے بڑوں کو نبی ماننے کو تیار ہیں۔ یہ ضلالت اور جہالت کی بات ہے۔ یہ لوگ آیت کریمہ ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ سے استدلال کرتے ہیں۔ اول تو آیت میں لفظ ہاد ہے لفظ نبی نہیں ہے۔ دوسرے لفظ نبی بھی ہوتا تب بھی کسی کو بلا دلیل شرعی محض انکل سے نبی ماننا غلط ہے۔ (انوار البیان: 146/3)

رکوع نمبر 8

﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَحْمِلُ الْأُنْثَىٰ وَمَا تَرُدُّنَّ إِلَىٰ اللَّهِ يَوْمَ تَأْتِي سَائِرًا﴾

”اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ہر مادہ اٹھاتی ہے اور جو کچھ رحم کم کرتے ہیں اور جو وہ زیادہ کرتے ہیں اور ہر چیز اس کے یہاں ایک اندازے سے ہے۔“ (8)

سوال 1: ﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَحْمِلُ الْأُنْثَىٰ وَمَا تَرُدُّنَّ إِلَىٰ اللَّهِ يَوْمَ تَأْتِي سَائِرًا﴾ ”اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ہر مادہ اٹھاتی ہے اور جو کچھ رحم کم کرتے ہیں اور جو وہ زیادہ کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اللَّهُ يَعْلَمُ﴾ ”اللہ تعالیٰ جانتا ہے“ اللہ رب العزت نے اپنے علم کے بارے میں خبر دی ہے کہ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے، وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَنْحَامِ﴾ اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے۔ (لقمان: 34) (2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیب کی پانچ کنجیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ عورتوں کے رحموں میں کیا کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب برسے گی، کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی موت کہاں ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ (بخاری: 4697)

(3) ﴿مَا تَحْوِلُ كُلُّ أُنْفُسٍ﴾ ”جو کچھ ہر مادہ اٹھاتی ہے“ یعنی انسانوں اور جانوروں میں سے ہر مادہ جو بچہ اٹھاتی ہے وہ نہرے یا مادہ، پورا ہے یا ناقص، خوب صورت ہے یا بد صورت، لمبا ہے یا چھوٹا، خوش نصیب ہے یا بد نصیب، دوست ہے یا دشمن، سخی ہے یا بخیل، عالم ہے یا جاہل، عقل مند ہے یا بے وقوف، حسن اخلاق والا ہے یا بد اخلاق، وہ ہر ایک کے بارے میں خوب جاننے والا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿حَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَانزَلَ كَلِمَةً مِنَ الْاَنْعَامِ ثَلَاثَةَ اَزْوَاجٍ لِيَحْلُقَكُمْ فِي بَطْنٍ مِنْ اُمَّهَاتِكُمْ حَلْقًا مِّنْ بَعْدِ حَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۗ ذٰلِكُمْ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ فَاتَّقُوا فَوْنَ ۝﴾ اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر اس جان سے اس کا ایک جوڑا بنایا اور اس نے تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ قسمیں (نر اور مادہ) اتاریں، وہی تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں، تین تارکیوں میں، ایک شکل کے بعد دوسری شکل میں پیدا کرتا ہے، یہی اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کدھر سے پھرائے جا رہے ہو؟ (الزمر: 6) (4) سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صادق و مصدوق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کا نطفہ اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن جمارہتا ہے۔ پھر اسی میں جما ہوا خون اتنی مدت رہتا ہے۔ پھر فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس کا رزق، عمر، عمل اور شقی یا سعید ہونا۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک تم میں سے کوئی اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہتا ہے تو اس پر تقدیر کا لکھا ہوا غالب آجاتا ہے اور وہ اہل جہنم جیسے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہتا ہے تو اس پر تقدیر کا لکھا ہوا غالب آجاتا ہے اور وہ اہل جنت والا عمل کر لیتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (بخاری: 6594) (5) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رحم مادر پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے اور وہ کہتا رہتا ہے کہ اے رب! یہ نطفہ قرار پایا ہے۔ اے رب! اب علقہ یعنی جما ہوا خون بن گیا ہے۔ اے رب! اب مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) بن گیا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی پیدائش پوری کرے تو وہ پوچھتا ہے اے رب! لڑکا ہے یا لڑکی؟ نیک ہے یا برا؟ اس کی روزی کیا ہوگی؟ اس کی موت کب ہوگی؟ اسی طرح یہ سب باتیں ماں کے پیٹ ہی میں لکھ دی جاتی ہیں۔ دنیا میں اسی کے مطابق ظاہر ہوتا ہے۔ (بخاری: 6595) (6) ﴿وَمَا تَغِيضُ الْاَنْعَامَ﴾ ”اور جو کچھ رحم کم کرتے ہیں“ جو رحم کے اندر حمل میں کمی ہوتی ہے، یا جو سکڑ جاتے ہیں یا ہلاک ہو جاتے ہیں۔ (7) ﴿وَمَا تَزَادُ﴾ ”اور جو وہ زیادہ کرتے ہیں“ جو کچھ رحم میں بڑھ جاتا ہے یعنی بچے۔

سوال 2: ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَنَا بِقَدَرٍ ۝﴾ ”اور ہر چیز اس کے یہاں ایک اندازے سے ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) کوئی چیز اس مقدار سے نہ بڑھ سکتی ہے نہ کم ہو سکتی ہے جس کا تقاضا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کا علم کرتا ہے۔ (2) ﴿بِقَدَرٍ﴾ یعنی اندازے سے، جوڑ سے۔ (بخاری، کتاب التفسیر) (3) اللہ تعالیٰ نے ان کا رزق اور ان کی اجل محفوظ کر رکھی ہے۔ (جامع البیان) (4) رب

العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا تَحْصِلُ مِنْ أَثْمِي وَلَا تَصْعُقُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۗ وَمَا يُعَمِّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقِصُ مِنْ عُمُرٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ﴾ اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ کوئی بچہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور کسی عمر پانے والے کو عمر نہیں دی جاتی اور نہ کسی کی عمر میں کمی کی جاتی ہے مگر وہ ایک کتاب میں ہے۔ (فاطر: 11) (5) ﴿إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۗ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ شَمَاتٍ مِنْ أَكْثَامِهَا ۗ وَمَا تَحْصِلُ مِنْ أَثْمِي وَلَا تَصْعُقُ إِلَّا بِعِلْمِهِ﴾ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور نہ کسی قسم کا پھل اپنے شگوفوں سے نکلتا ہے اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ ہی وہ بچہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے ہوتا ہے۔ (حم السجدہ: 47)

﴿عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ السُّعَالُ ①﴾

”وہ پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے، بہت بڑا ہے، نہایت بلند ہے۔“ (9)

سوال 1: ﴿عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ السُّعَالُ ①﴾ ”وہ پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے، بہت بڑا ہے، نہایت بلند ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عِلْمُ الْغَيْبِ﴾ ”وہ پوشیدہ کو جاننے والا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو مخلوق سے غائب ہوتی ہے۔ (2) اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چھپی ہوئی چیز مخفی نہیں ہے جیسا کہ سیدنا لقمان نے یہ کہا تھا ”اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں اللہ تعالیٰ اسے ضرور لائے گا۔“ (3) اللہ تعالیٰ سے کسی کے دل کا حال چھپا ہوا نہیں۔ (4) وہ دل کے حال اور اعمال دونوں کو جانتا ہے۔ (5) وہ تنہائیوں اور مجلسوں کے معاملات کو جانتا ہے۔ (6) وہ ان سارے جہانوں کو بھی جانتا ہے جو انسان کے علم میں نہیں ہیں۔ (7) ﴿وَالشَّهَادَةِ﴾ ”اور ظاہر کو“ اس آیت میں زمانہ حال سے متعلق دو مثالیں پیش کی گئی ہیں اور ان مثالوں میں غیب اور شہادت دونوں آجاتے ہیں۔ مثلاً ایک آدمی اپنے دل میں کوئی بات کرتا ہے یا سوچتا ہے یہ ہم لوگوں کے لیے غیب ہے اور دوسرا بلند آواز سے پکار کر بات کرتا ہے یہ ہم لوگوں کے لیے شہادت ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ وہ غیب کو ویسے ہی جانتا ہے جیسے شہادت کو۔ (تیسیر القرآن: 2/427) (8) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَإِنْ تَجَهَّرَ بِالنُّقُولِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ①﴾ اگرچہ آپ بلند آواز سے بات کریں یقیناً وہ تو پوشیدہ اور پوشیدہ تر کو بھی جانتا ہے۔ (طہ: 7) (9) ﴿وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ①﴾ اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، وہ جانتا ہے۔ (النمل: 25) (10) ﴿الْكَبِيرُ﴾ ”بہت بڑا ہے“ وہ اپنی ذات اور اپنے اسماء و صفات میں سب سے بڑا ہے۔ (11) اللہ تعالیٰ العظیم الشان ہے، ہر چیز سے بڑا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہر چیز صغیر ہے۔ اس کے مقابلے میں ہر چیز نقص والی ہے اس وجہ سے صغیر ہے۔ جب کہ وہ نقص سے پاک ہے اس لیے کبیر ہے۔ (12) ﴿السُّعَالُ﴾ ”نہایت بلند ہے“ یعنی وہ اپنی ذات، قدرت اور غلبہ کے اعتبار سے تمام مخلوق پر بلند ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1311) (13) اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بلند ہے اور وہ بلند ہی ہو

کر رہنے والا ہے۔

سوال 2: ﴿الْكَيْدُ الْمَتَالِ﴾ کا انسانی ذہن پر کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب: ”اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا، بڑا ہو کر رہنے والا ہے“ یہ شعور انسان کو ساری مخلوقات کی اصل تک لے جاتا ہے۔ ہر مخلوق میں نقص ہے۔ ہر مخلوق حقیر ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس میں کوئی نقص نہیں، وہی سب سے اعلیٰ، برتر اور بڑا ہے۔ ہر چیز اس تصور کے بعد اپنی اصل حقیقت کھو بیٹھتی ہے اور ایک اللہ تعالیٰ کی ذات اصل حقیقت کی صورت میں سامنے رہ جاتی ہے۔ ﴿الْكَيْدُ الْمَتَالِ﴾ سے انسان اسی نتیجے تک پہنچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حق ہے۔

﴿سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾

”اس کے لیے برابر ہے کہ جو چھپا کر بات کرے اور جو اس کو بلند آواز سے کرے اور وہ جو رات کو چھپنے والا ہے اور دن میں چلنے والا

ہے۔“ (10)

سوال: ﴿سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾ ”اس کے لیے برابر ہے کہ جو چھپا کر بات کرے اور جو اس کو بلند آواز سے کرے اور وہ جو رات کو چھپنے والا ہے اور دن میں چلنے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَوَاءٌ مِنْكُمْ﴾ ”اس کے لیے برابر ہے“ یعنی اس کے علم اور سمع و بصر میں۔ (تفسیر سعدی: 2/1311) (2) اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر چیز شامل ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ﴾ اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، وہ جانتا ہے۔ (انہل: 25) (3) ﴿مَنْ أَسَرَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ﴾ ”جو چھپا کر بات کرے اور جو اس کو بلند آواز سے کرے“ اللہ تعالیٰ کے لیے برابر ہے کوئی اونچی آواز میں بات کرے یا چھپا کر کرے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَإِنْ تَجَهَّرَ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى﴾ اگرچہ آپ بلند آواز سے بات کریں یقیناً وہ تو پوشیدہ اور پوشیدہ تر کو بھی جانتا ہے۔ (طہ: 7) (4) ﴿وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ﴾ ”اور وہ جو رات کو چھپنے والا ہے“ یعنی جو رات کے وقت کسی خفیہ مقام پر ٹھہرا ہوا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1311) (5) ﴿وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾ ”اور دن میں چلنے والا ہے“ یعنی دن کے وقت اپنی پناہ گاہ کے اندر ہے۔ اور (السرب) اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان چھپتا ہے، خواہ یہ جگہ گھر کے اندر ہو، کوئی غار ہو یا کوئی کھوہ وغیرہ ہو۔ (تفسیر سعدی: 2/1311) (6) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعُوبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مَّثَلٍ ذِكْرًا فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْعَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ اور آپ کسی حال میں نہیں ہوتے اور نہ آپ اس کی طرف سے قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہیں اور نہ کوئی عمل کرتے ہیں مگر ہم تمہارے اوپر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو اور آپ کے رب سے نہ کوئی ذرہ برابر چیز زمین میں غائب

ہوتی ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر ایک واضح کتاب میں ہے۔ (یونس: 61) ﴿7﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْزِمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ رَاٰهُمْ وَاَنْ هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيِّنْ مَا كَانُوْا ثُمَّ يَنْزِلُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا اَيُّوْمَ الْقِيٰمَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿8﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ یقیناً جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ تین میں کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں کہیں بھی وہ ہوتے ہیں، پھر قیامت کے دن وہ ان کو بتا دے گا جو انہوں نے عمل کیے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (المجادلہ: 7)

﴿لَهُ مَعْقِبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُوْنَهُ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُعَيِّرُوْا مَا لِيْ اَنْفُسِهِمْ ط وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَ لَهُ ط وَمَا لَهُمْ مِنْ دُوْنِهِ مِنْ وَاٰلٍ ﴿9﴾

”اس شخص کے لیے اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے باری باری آنے والے کئی پہرہ دار ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے یہاں تک کہ وہ بدل دیں جو ان کے دلوں میں ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے برائی کا ارادہ کرتا ہے تو کوئی اس کو ہٹانے والا نہیں ہوتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے لیے کوئی مددگار ہے۔“ (11)

سوال 1: ﴿لَهُ مَعْقِبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُوْنَهُ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ ”اس شخص کے لیے اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے باری باری آنے والے کئی پہرہ دار ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَهُ مَعْقِبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ﴾ ”اس شخص کے لیے اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے باری باری آنے والے کئی پہرہ دار ہیں“ یعنی انسان کے لیے پہرے دار فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ (2) معقبات نگہبان فرشتے جو ایک دوسرے کے بعد باری باری آتے رہتے ہیں۔ اسی سے عقبیہ کا لفظ نکلا ہے۔ عرب لوگ کہتے ہیں عقبیت فی اثرہ یعنی میں اس کے نشان قدم پر پیچھے پیچھے گیا۔ لفظ معقبات سے مراد یہ ہے کہ رات کے فرشتے الگ اور دن کے الگ ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر) (3) یعنی جو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے فرشتے ہیں۔ دن کے فرشتے جاتے ہیں تو رات کے آجاتے ہیں، رات والوں کے بعد دن والے آجاتے ہیں۔ (4) ﴿اِذْ يَتَكَلَّمُ الْمُتَّقِيْنَ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشَّمَالِ قَعِيْبًا ﴿10﴾ مَا يَلْفُظُوْنَ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَاقِيْبٌ عَتِيْبٌ ﴿11﴾﴾ جب کہ دو ضبط کرنے والے اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ضبط کرتے رہتے ہیں۔ کوئی لفظ وہ نکال نہیں پاتا مگر ایک تیار نگران اس کے پاس ہوتا ہے۔ (ق: 16، 17)

(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کئی فرشتے تمہارے پاس رات کو آتے جاتے ہیں اور کئی دن کو۔ فجر اور عصر کی نماز کے وقت وہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے اوپر چڑھ جاتے ہیں، جو رات تمہارے ہاں ٹھہرتے ہیں اور ان سے ان کا

پروردگار پوچھتا ہے حالانکہ وہ تم کو خوب جانتا ہے، تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں جب ہم ان کے پاس سے روانہ ہوئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس پہنچے تو بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ ابن خزیمہ نے ایک روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ”انہیں قیامت کے دن بخش دینا۔“ (بخاری: 7486) (6) ﴿يَحْفَظُونَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی یہ فرشتے اس کے جسم و روح کی ہر اس چیز سے حفاظت کرتے ہیں جو اس کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے، وہ اس کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ پس جیسے اللہ تعالیٰ کے علم نے انسان کا احاطہ کر رکھا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حفاظت کے لئے یہ فرشتے بھیج رکھے ہیں جب کہ انسان کے اعمال اور احوال اللہ تعالیٰ سے اوجھل ہیں نہ وہ ان میں سے کچھ بھولتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1311/2)

سوال 2: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُعَذِّبُ مَا يَقُولُ حَتَّىٰ يُعَذِّبُوا مَا بَايَأْتُوا نَفْسِهِمْ﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ انہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے یہاں تک کہ وہ بدل دیں جو ان کے دلوں میں ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُعَذِّبُ مَا يَقُولُ﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ انہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے“ بے شک اللہ تعالیٰ عافیت اور نعمت کو آزمائشوں اور عذاب سے نہیں بدلتا۔ (2) ﴿حَتَّىٰ يُعَذِّبُوا مَا بَايَأْتُوا نَفْسِهِمْ﴾ ”یہاں تک کہ وہ بدل دیں جو ان کے دلوں میں ہے“ یعنی طہارت، ایمان میں اخلاص اور اطاعت کو گناہوں اور برائیوں سے۔ (ایسر التفسیر: 704) (3) یعنی نعمت، احسان اور اسباب زیست کی فراوانی۔ (تفسیر سعدی: 1311/2) (4) ﴿حَتَّىٰ يُعَذِّبُوا مَا بَايَأْتُوا نَفْسِهِمْ﴾ ”یہاں تک کہ وہ بدل دیں جو ان کے دلوں میں ہے“ یعنی جب تک وہ ایمان سے کفر، اطاعت سے نافرمانی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر سے ناشکری کی طرف منتقل نہیں ہوتے، تب اس صورت میں اللہ تعالیٰ ان سے اپنی نعمتیں سلب کر لیتا ہے اور اسی طرح جب بندے اپنی حالت کو بدل لیتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو چھوڑ کر اطاعت کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں تو پھر ان کی بدبختی کی حالت کو بھلائی، مسرت، خوشی اور رحمت کی حالت میں بدل دیتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1311/2) (5) اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی نعمتوں کو اس وقت تک زائل نہیں کرتا جب تک وہ اپنی حالت بدل نہیں لیتی، یعنی خیر و صلاح کی راہ سے منحرف ہو جاتی ہے اور معاصی اور گناہوں کا ارتکاب کرنے لگتی ہے۔ (تیسیر الرحمن: 709/1)

سوال 3: ﴿وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءَ آفَآءٍ أَلَّا مَرَدُّ لَهُ وَمَالَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَاٰلٍ ۙ﴾ ”اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے برائی کا ارادہ کرتا ہے تو کوئی اس کو ہٹانے والا نہیں ہوتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے لیے کوئی مددگار ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءَ آفَآءٍ﴾ ”اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے برائی کا ارادہ کرتا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی فرد یا قوم کے لیے آزمائش یا عذاب کا ارادہ کرتا ہے۔ (2) ﴿فَلَا مَرَدُّ لَهُ﴾ ”تو کوئی اس کے ارادے کو ٹال نہیں سکتا۔“ (3) ﴿وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَاٰلٍ﴾ ”اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے لیے کوئی مددگار ہے“ یعنی کوئی ایسا نہیں جو ان سے عذاب کو دور کر سکے جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی

مدد نہ کرے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے تو وہ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے استغفار کرتے ہیں اور اس سے توبہ کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان سے برائی کو دور کر دیتے ہیں اور عذاب کو ہٹا دیتے ہیں۔ (4) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جو انسان کی سرپرستی کر سکتا ہو۔ وہی ہے جو وہ چیزیں عطا کرتا ہے جن میں انسان رغبت رکھتے ہیں اور جو انہیں محبوب ہوتی ہیں۔ اس لیے لوگوں پر لازم ہے کہ ان کاموں سے اپنے آپ کو بچائیں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا باعث بنتے ہیں اور وہ کام انجام دیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں جن کی وجہ سے اس کی جانب سے رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں مثلاً استغفار، توبہ، شکر وغیرہ۔

﴿هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرَقَ فَخَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝۱۲﴾

”وہی ہے جو تمہیں خوف اور امید کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور وہ جو بھل بادل پیدا کرتا ہے۔“ (12)

سوال: ﴿هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرَقَ فَخَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝۱۲﴾ ”وہی ہے جو تمہیں خوف اور امید کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور وہ جو بھل بادل پیدا کرتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرَقَ فَخَوْفًا وَطَمَعًا﴾ ”وہی ہے جو تمہیں خوف اور امید کے لئے بجلی دکھاتا ہے“، یعنی بجلی تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے، اس کے اشاروں پر چلتی ہے۔ (2) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: یہ بجلی کیا ہے؟ فرمایا پانی ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 914/1) (3) ﴿خَوْفًا وَطَمَعًا﴾ ”خوف اور امید کے لئے“، بجلی خوف ناک تباہی مچاتی ہے، چیزوں کو جلا ڈالتی ہے اس وجہ سے لوگ ڈرتے ہیں، عام طور پر مسافر ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بجلی کے ذریعے خوش گوار موسم کا پیغام دیتے ہیں۔ گرج چمک کے بعد موسلا دھار بارش ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ اس سے گھروں میں رہنے والے اور کسان فائدے کی امید رکھتے ہیں۔ (4) پس انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہے اور اس کے عذاب سے بھی ڈرتا رہے۔ (اشرف الحواشی: 301/1) (5) اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے محفوظ نہ سمجھے۔ (6) ﴿وَيُنشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ﴾ ”اور وہ جو بھل بادل پیدا کرتا ہے“ وہ بادل جن میں پانی بھرا ہوا ہو اور وہ پانی کے بوجھ سے بھاری بھرکم ہوں۔ (بخاری کتاب التفسیر) (7) بادلوں سے جو بارش برستی ہے وہ انسانوں اور ساری مخلوقات کے لیے نفع بخش ہوتی ہے۔

﴿وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْبَلَدُكَ مِنْ خَيْفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ

﴿شَدِيدُ الْحَالِ ۝۱۳﴾

”اور بادل کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے اور فرشتے اس کے خوف سے اور وہ کڑکنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے انہیں گرا دیتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ بہت سخت قوت والا ہے۔“ (13)

سوال 1: ﴿وَيَسْتَبِخُّمُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلٰئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ﴾ ” اور بادل کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے اور فرشتے اس کے خوف سے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَسْتَبِخُّمُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ﴾ ” اور بادل کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے“ یعنی وہ ذات ہے جس کے لیے کڑک بھی حمد بیان کرتی ہے۔ (2) (الرعد) سے مراد بجلی کی کڑک کی آواز ہے جو بادلوں سے سنائی دیتی ہے اور بندوں کو ڈرا دیتی ہے۔ یہ کڑک اپنے رب کے سامنے جھکی ہوئی، اس کی تسبیح کے ساتھ اس کی حمد کرتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 1312/2) (3) اسلامی عقیدہ کی رو سے یہ رعد اور برق وغیرہ طبعی قوانین کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ کائنات کے انتظام پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے۔ وہی مدبرات امر ہیں۔ بادل اور بارش پر میکائیل فرشتہ مقرر ہے۔ وہی بادلوں کو ہانکتا اور چلاتا ہے اور اس طرف ہانکتا ہے جدھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہو۔ پھر بارش اسی مقام پر برستی ہے، جدھر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو۔ اسی فرشتہ کے کوڑا مارنے سے رعد اور برق پیدا ہوتی ہے اور گرنے والی بجلی بھی صرف وہاں گرتی ہے جہاں اس فرشتہ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا تباہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ گرج کی آواز سنتے تو فرماتے: اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ ” اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے مار نہ ڈالنا اور ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ کرنا اور اس سے پہلے ہمیں عافیت دے دینا۔“ (جامع ترمذی: 3450)

(4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک یہودی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے ابوالقاسم ہمیں یہ بتائیے کہ رعد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ رعد فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر کیا ہوا ہے۔ اس کے پاس پھاڑنے والی چیزیں ہیں جو آگ کی بنی ہوئی ہیں۔ وہ ان کے ذریعے بادلوں کو ہانکتا ہے اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے وہاں لے جاتا ہے۔ یہودیوں نے عرض کیا کہ یہ آواز کیا ہے جو سننے میں آئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بادل کو جھڑکنے کی آواز ہے۔ رعد انہیں جھڑکتا ہے یہاں تک کہ بادلوں کو وہاں لے جاتا ہے جہاں لے جانے کا حکم ہوتا ہے۔ (ترمذی) (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يَسْبِغُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ (بنی اسرائیل: 44) (6) سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب بادل کی گرج سنتے تو باتیں کرنا چھوڑ دیتے اور یہ دعا پڑھتے: سُبْحَانَ الَّذِي يَسْبِغُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلٰئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ پاك ہے وہ ذات کہ گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتی ہے اور فرشتے اس کے خوف سے (اس کی تسبیح پڑھتے ہیں) آپ ﷺ فرماتے یہ گرج اور کڑک درحقیقت اہل زمین کے لیے ایک شدید وعید ہے۔ (موطا امام مالک: 26) (7) ﴿وَالْمَلٰئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ﴾ ” اور فرشتے اس کے خوف سے“ یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور وہ اپنے رب کے سامنے عاجزی سے خوف رکھتے ہوئے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

سوال 2: ﴿وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقُ فَيَهْلِكُ بِهَا مَن يُشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْحٰلِ ۝﴾ ” اور وہ کڑکنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے انہیں گرا دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ بہت سخت قوت

والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ﴾ ”اور وہ کڑکنے والی بجلیاں بھیجتا ہے“ وہ جس پر چاہے جتنی چاہے بجلیاں گرا دیتا ہے۔ (2) اس سے مراد وہ آگ ہے، جو بادلوں سے نکلتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 1313/2) (3) ﴿فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ﴾ ”پھر جس پر چاہتا ہے انہیں گرا دیتا ہے“ پھر وہ کڑکتی ہوئی بجلیاں جس پر چاہتا ہے، جس کے لیے ارادہ کرتا ہے اس پر گرا دیتا ہے۔ (4) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے قریب لوگوں پر کثرت سے بجلیاں گریں گی۔ حال یہ ہوگا ایک شخص لوگوں سے جا کر پوچھے گا کہ کل کس کس پر بجلی گری تو وہ جواب دیں گے کہ فلاں فلاں پر۔ (مسند احمد) (5) ﴿وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ﴾ ”اور وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں“ یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود میں اور اس کی صفات میں اور اس کی توحید میں اور اس کی اطاعت میں جھگڑتے ہیں۔ (امیر القاسم: 706) (6) ﴿وَهُوَ شَدِيدُ الْحَالِ﴾ ”اور وہ بہت سخت قوت والا ہے“ محال کے معنی مؤاخذہ، تدبیر اور قوت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شدید الحال ہے یعنی زبردست تدبیر کرنے والا ہے، سخت مؤاخذہ کرنے والا ہے اور بڑی قوت والا ہے۔ (7) سیدنا مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا: شدید الحال سے مراد شدید قوت والا ہے۔ (جامع البیان: 131/13) (8) وہ بہت زیادہ قوت و اختیار کا مالک ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے، کوئی اس کے سامنے دم مار سکتا ہے نہ بھاگ کر بچ سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اکیلا ہی بندوں کے لئے بادل اور بارش لاتا ہے جس کے اندر ان کے رزق کا مادہ ہے، وہی ہے جو تمام امور کی تدبیر کرتا ہے، بڑی سے بڑی مخلوق اس کے خوف سے نہایت عاجزی کے ساتھ اس کے سامنے سرفاگندہ ہے، بندے اس کے خوف سے لرزاں ہیں اور وہ بہت بڑی قوت کا مالک ہے۔ تب وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ (تفسیر سعدی: 1313/2)

سوال 3: اللہ تعالیٰ کے ﴿شَدِيدُ الْحَالِ﴾ ہونے کے یقین کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی قوت، تدبیر اور مؤاخذے کے سامنے انسان اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا ہے۔ (2) انسان سرکشی چھوڑ دیتا ہے۔ (3) انسان پر فرشتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کا خوف طاری ہونے لگتا ہے۔

﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ كَفَيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْتَغُوا فَآهٍ وَ مَا هُوَ بِالْعَاجِزِ

وَمَا دَعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿۱۴﴾

”اسی کو پکارنا برحق ہے اور اس کے سوا جن کو وہ پکارتے ہیں وہ ان کی دعا قبول نہیں کرتے مگر اس شخص کی طرح جو پانی کی طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلانے والا ہے تاکہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس تک ہرگز پہنچنے والا نہیں، اور کافروں کا پکارنا تو گمراہی

میں ہے۔“ (14)

سوال 1: ﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾ ”اسی کو پکارنا برحق ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾ ”اسی کو پکارنا برحق ہے“ یعنی صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے دعوت حق ہے۔ وہی حقیقی معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پرالہ کا اطلاق باطل ہے۔ ان معبودوں کی طرف دعوت باطل ہے۔ دعوت حق بے شک صرف اللہ وحدہ کے لیے ہے۔ (ایسر التفاسیر: 706) (2) اس سے مراد ہے کہ خوف اور امید میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کے لیے بھی پکار ہے بے فائدہ، مگر اہانہ اور باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت حق ہے۔ (3) دعوت حق سے مراد صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور دعائے عبادت اور دعائے مسئلہ کو صرف اسی کے لئے خالص کرنا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو پکارا جائے، اس سے ڈرا جائے، اس پر امیدیں باندھی جائیں، اس سے محبت کی جائے، اس کی طرف رغبت رکھی جائے، اس سے خوف کھایا جائے اور اسی کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ اسی کی الوہیت حق ہے اور غیر اللہ کی الوہیت باطل ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1313) (4) سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دعوت حق سے مراد توحید ہے۔ (ابن جریر)

سوال 2: ﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ ”اور اس کے سوا جن کو وہ پکارتے ہیں وہ ان کی دعا قبول نہیں کرتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ﴾ ”اور اس کے سوا جن کو وہ پکارتے ہیں“ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو بھی لوگ پکارتے ہیں، اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ (2) ﴿لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ ”وہ ان کی دعا قبول نہیں کرتے“ یعنی یہ جھوٹے معبود جن کو یہ پکارتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں، ان کو جواب نہیں دے سکتے۔

سوال 3: ﴿إِلَّا كَمَا يَطَّيَّرُ بِالنَّاسِ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الْآيَاتِ مَا هُوَ بَلَاغُهُ﴾ ”مگر اس شخص کی طرح جو پانی کی طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلانے والا ہے تاکہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس تک ہرگز پہنچنے والا نہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِلَّا كَمَا يَطَّيَّرُ بِالنَّاسِ﴾ ”مگر اس شخص کی طرح جو پانی کی طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلانے والا ہے“ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کما یطیئر بہ مشرک کی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی پوجا کرتا ہے جیسے پیاسا آدمی پانی کا تصور کر کے دور سے پانی کی طرف ہاتھ بڑھائے اور اس کو نہ لے سکے۔ ﴿كَمَا يَطَّيَّرُ بِالنَّاسِ﴾ جو دونوں ہاتھ بڑھا کر پانی لینا چاہے۔ یعنی اس شخص کی طرح جو دور سے ہاتھ پھیلا کر پانی کو زبان سے بلائے، ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرے، اس صورت میں پانی کبھی اس کی طرف نہیں آئے گا۔ (بخاری کتاب التفسیر) (2) ﴿لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الْآيَاتِ﴾ ”تاکہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے“ کیونکہ وہ پیاسا ہے اور شدت پیاس کی وجہ سے اپنا ہاتھ پانی کی طرف بڑھاتا ہے مگر وہ پانی اس تک پہنچ نہیں پاتا۔ اسی طرح کفار جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خود ساختہ معبودوں کو پکارتے ہیں، یہ معبود ان کو کوئی جواب دے سکتے ہیں نہ ان کی حاجت کے شدید ترین اوقات میں ان کو کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ خود اسی طرح محتاج ہیں جس طرح ان کو پکارنے والے محتاج ہیں۔ وہ زمین و آسمان میں ذرہ بھر کسی چیز کے مالک نہیں، نہ وہ ان میں شریک ہیں اور نہ ان

میں کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار ہے۔ (تفسیر سعدی: 1313، 1314/2) (3) اسی طرح وہ شخص جو زبان سے پانی پانی کہہ رہا ہو اور اسے اٹھا کر پیتا نہیں تو وہ اس سے سیراب نہیں ہو سکتا اسی طرح غیر اللہ سے دعائیں مانگنے سے ان کی مرادیں پوری نہیں ہو سکتیں جب وہ راستہ ہی چھوڑ دیا جس پر منزل مل جاتی تو بھلا منزل کہاں بلکہ منزل تو لمحہ لمحہ دور ہی ہوتی جا رہی ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 916/1)

سوال 4: ﴿وَمَا دَعَا الْكُفْرَيْنَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾ اور کافروں کا پکارنا تو گمراہی میں ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو لوگ پکارتے ہیں ان کو پکارنا، ان کی عبادت کرنا باطل ہے۔ اس لیے کافروں کی پکار سراسر گمراہی ہے۔ (2) کیونکہ جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں، باطل ہیں۔ پس ان کی عبادت کرنا اور ان کو پکارنا سب باطل ٹھہرا، مقاصد کے بطلان کے ساتھ وسائل بھی باطل ہو جاتے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ ہی واضح حقیقی بادشاہ ہے، اس لئے اس کی عبادت حق ہے اور عبادت گزار کو دنیا و آخرت میں نفع پہنچاتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 1314/2)

﴿وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَظِلْمُهُم بِالْغَدُوِّ وَالْاِصْلٰلِ﴾

”اور آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق خوشی سے یا ناخوشی سے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سجدہ کرتی ہے اور صبح و شام ان کے سائے بھی۔“ (15)

سوال 1: ﴿وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَظِلْمُهُم بِالْغَدُوِّ وَالْاِصْلٰلِ﴾ اور آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق

خوشی سے یا ناخوشی سے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سجدہ کرتی ہے اور صبح و شام ان کے سائے بھی، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا﴾ اور آسمانوں کی تمام مخلوق اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سجدہ کرتی ہے، یعنی ملائکہ۔ (2)

﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کی تمام مخلوق، یعنی مومن۔ (3) ﴿طَوْعًا وَّكَرْهًا﴾ خوشی سے یا ناخوشی سے، مومن خوشی سے سجدہ کرتا ہے اور

منافق جو کراہت سے سجدہ کرتا ہے۔ (ایسر التفسیر: 707) (4) (طوعاً) اس شخص کے لئے جو اختیاری طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتا اور اسے

سجدہ کرتا ہے جیسے اہل ایمان اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتے ہیں۔ (کرہاً) اس شخص کے لئے استعمال ہوا ہے جو تکبر کرتے

ہوئے اپنے رب کی عبادت نہیں کرتا مگر خود اس کی فطرت اور اس کا حال اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1314/2) (5)

﴿وَّظِلْمُهُم بِالْغَدُوِّ﴾ اور ان کے سائے بھی، یعنی سجدہ کرتے ہیں۔ (6) ﴿بِالْغَدُوِّ﴾ ”صبح“ دن کے پہلے حصے میں۔ (7) ﴿وَالْاِصْلٰلِ﴾ اور

شام“ دن کے آخری حصے میں۔ (ایسر التفسیر: 707) (8) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَقَيُّوْا ظِلْمَ اللّٰهِ عَنِ

الْيَمِيْنِ وَالشَّمٰوٰتِ سَجْدًا لِلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ﴾ اور کیا وہ دیکھتے نہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ان کے سائے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے

ہوئے دائیں بائیں ڈھلتے ہیں اس حال میں وہ سب عاجزی کرنے والے ہیں۔ (انحل: 48) (9) یعنی سایوں کے لیے جو قانون مقرر ہے

وہ اس کے پابند ہیں اور وہ یہ ہے کہ روشنی ہمیشہ صراط مستقیم میں سفر کرتی ہے اور صبح و شام کا ذکر اس لیے فرمایا کہ ان اوقات میں سائے زیادہ

لمبے اور پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور سایوں کے گھٹنے بڑھنے میں تدریج اسی نسبت سے ہوتی ہے جس نسبت سے سورج کسی جانب سفر کرتا ہے۔ (تیسیر القرآن: 431/2) (10) اس سے مراد ہے ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا غلبہ ہے۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہے اور اس کے سامنے سر بسجود ہے۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے، اللہ تعالیٰ کے قانون قدرت میں جکڑی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق چل رہی ہے۔ (11) جب صورت حال یہ ہے کہ تمام کائنات طوعاً و کرہاً اپنے رب کے سامنے سراگندہ ہے تو معلوم ہوا کہ وہی الہ حقیقی اور وہی معبود حقیقی ہے اور غیر اللہ کی الوہیت باطل ہے۔ (تفسیر سعدی: 1315/2) (12) یہ علم دے کر انسان سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ انسان بھی اللہ تعالیٰ کے آگے جھک جائے۔

﴿قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ اللَّهُ قُلْ أَفَأَتَّخِذُكُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمُتُ وَالنُّورُ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهُ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلْ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿16﴾﴾

”آپ پوچھیں آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہہ دو اللہ تعالیٰ ہی ہے، آپ کہہ دیں کیا پھر بھی تم نے اس کے سوا کچھ کارساز بنا رکھے ہیں جو اپنی ذات کے لیے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے؟ کہہ دو کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ یا کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہوتے ہیں؟ یا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی مانند پیدا کیا ہے؟ چنانچہ تخلیق ان پر مشتبہ ہوگئی ہے، آپ کہہ دو اللہ تعالیٰ ہی تمام اشیاء کا خالق ہے اور وہی ایک ہے، نہایت زبردست ہے۔“ (16)

سوال 1: ﴿قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ اللَّهُ قُلْ أَفَأَتَّخِذُكُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا﴾ ”آپ پوچھیں آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہہ دو اللہ تعالیٰ ہی ہے، آپ کہہ دیں کیا پھر بھی تم نے اس کے سوا کچھ کارساز بنا رکھے ہیں جو اپنی ذات کے لیے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”آپ پوچھیں آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟“ یعنی آپ ﷺ ان سے پوچھیں کہ زمین و آسمان کا خالق، مالک، ان کے کاموں کی تدبیر کرنے والا کون ہے؟ (ایسر التفاسیر: 707، 708) (2) ﴿قُلْ اللَّهُ﴾ ”کہہ دو اللہ تعالیٰ ہی ہے“ اللہ رب العزت نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ انہیں بتادیں کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے جب کہ ان کے پاس بھی اس کے سوا کوئی جواب نہیں۔ (3) ﴿قُلْ أَفَأَتَّخِذُكُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ﴾ ”آپ کہہ دیں کیا پھر بھی تم نے اس کے سوا کچھ کارساز بنا رکھے ہیں“ آپ ﷺ ان سے پوچھیں جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا اولیاء بناتے ہیں، جو ان سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہئے، جو ان کی عبادت کرتے ہیں جو عبادت کے مستحق نہیں۔ (4) ﴿لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا﴾ ”جو اپنی ذات کے لیے نفع و نقصان کا بھی اختیار

نہیں رکھتے؟“ جو اپنے ذاتی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے وہ مخلوق کے ولی، سرپرست کیسے ہو سکتے ہیں؟ (4) تم نے غیر اللہ کو اپنا سرپرست بنایا اور اس کو چھوڑ دیا جو زندوں اور مردوں کا مالک ہے، جو ساری کائنات کے نفع و نقصان کا اختیار رکھتا ہے، جو تخلیق پر قدرت رکھتا ہے، جو پوری کائنات کی تدبیر کرتا ہے وہی عبادت کا حق رکھتا ہے۔ وہی یہ حق رکھتا ہے کہ اس کی بات مانی جائے، اس کی اطاعت کی جائے۔ (5) جس کو اپنے نفع و نقصان پر اختیار نہیں بلکہ حقیقتاً اپنے نفع و نقصان کی بھی پوری سمجھ نہیں، وہ دوسروں کی راہ نمائی کیسے کر سکتا ہے؟

سوال 3: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ﴾ ”کہہ دو کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ یا کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہوتے ہیں؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ﴾ ”کہہ دو کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟“ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ ان سے کہہ دیں کہ ایک خالق کو ماننے والا، اس کی عبادت کرنے والا اور مخلوق کی اطاعت کرنے والا، اس کی ماننے والا، اس کی عبادت کرنے والا برابر نہیں ہو سکتے۔ خالق کی ماننے والے بینا ہیں اور مخلوق کی ماننے والے، ان کی عبادت کرنے والے نابینا ہیں۔ کیا اندھا اور آنکھوں والے برابر ہو سکتے ہیں، خود ہی فیصلہ کرو۔ (2) ﴿قُلْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ﴾ ”یا کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہوتے ہیں؟“ آپ خود ہی بتاؤ کیا روشنی اور اندھیرے کا ایک ہی مزاج ہے؟ خالق کی اطاعت کرنے والے روشنی میں ہیں اور مخلوق کی اطاعت کرنے والے اندھیرے میں ہیں۔ (3) کیا کفر اور اللہ تعالیٰ کا دین اور اس کی شریعت اور اس کی ہدایت برابر ہو سکتے ہیں؟ (الاساس فی التفسیر: 2736، 2735/2) (4) جب اندھا اور بینا، روشنی اور اندھیرے برابر نہیں ہو سکتے تو مومن اور کافر کیسے برابر ہو سکتے ہیں، ہدایت اور گمراہی کیسے برابر ہو سکتی ہے؟ مومن تو بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس کا خالق اور رازق ہے، جو اس کے کھلے، چھپے کو جانتا ہے اور جب اسے پکارے وہ اسے جواب دیتا ہے، جس نے اپنے رسول بھیجے، ان پر کتابیں نازل کیں اور کافر اور مشرک اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے کسی کی عبادت کرتا ہے جو اپنے لیے کسی فضیلت کا مالک نہیں، جو اپنے عبادت گزاروں کے نفع و نقصان کے مالک نہیں، نہ ان کی پکار سنتے ہیں، نہ ان کی دعاؤں کو قبول کرتے ہیں۔ مومن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ عبادات کے مطابق عبادت کرتا ہے اور اس سے اطاعت اور قربت کے جن کاموں کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ ان کو پورا کرتا ہے اور کافر اور مشرک اپنی خواہش کے مطابق باطل عبادت کرتا ہے اور زندگی میں گمراہی کے راستے پر چلتا ہے۔ (ایسر التفسیر: 708، 707)

سوال 4: ﴿أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهُ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ﴾ ”یا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی مانند پیدا کیا ہے؟ چنانچہ تخلیق ان پر مشتبہ ہو گئی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ﴾ ”یا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنائے ہیں“ کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک گھڑ لیے ہیں جن کے بارے میں ان کا یقین ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، جن کی یہ مانتے ہیں، جن کی یہ اطاعت کرتے ہیں۔ (2) ﴿خَلَقُوا﴾

﴿مَخْلُوقِهِ﴾ ”جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی مانند پیدا کیا ہے؟“ یعنی ان شریکوں نے مخلوق کو پیدا کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ (3) ﴿فَسَابِقَةُ الْعَقْلِ عَلَيْهِمْ﴾ ”چنانچہ تخلیق ان پر مشتبہ ہوگئی ہے“ پھر کیا مشرکوں پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا جس کی وجہ سے وہ ان کی عبادت کرتے ہیں تو اس کا جواب نہیں ہے کیونکہ نہ انہوں نے پیدا کیا ہے نہ کبھی یا اس سے بڑی یا چھوٹی چیز پیدا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں پھر ان کی عبادت کیسے درست ہو سکتی ہے جس نے کچھ بھی پیدا نہ کیا ہو؟ (4) غلبہ اور تو حید لازم و ملزوم اور اللہ واحد کے لیے متحقق اور متعین ہیں۔ تب ناقابل تردید عقلی دلیل کے ذریعے سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو پکارا جاتا ہے انہوں نے ان مخلوقات میں سے کسی چیز کو بھی تخلیق نہیں کیا اور اس طرح یہ بات متحقق ہوگئی کہ ان ہستیوں کی عبادت باطل ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1316)

سوال 5: ﴿قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ”آپ کہہ دو اللہ تعالیٰ ہی تمام اشیاء کا خالق ہے اور وہی ایک ہے، نہایت زبردست ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلِ﴾ اے رسول ﷺ آپ کہہ دیجیے۔ (2) ﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ”اللہ تعالیٰ ہی تمام اشیاء کا خالق ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہ اپنے آپ کو پیدا کر سکتا ہے نہ کوئی چیز بغیر خالق کے وجود میں آ سکتی ہے۔ تب پھر یہ بات ثابت ہوگئی کہ کوئی ایسی ذات ہے جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ وہی اس کا الہ ہے اور کائنات کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں کیونکہ وہ واحد اور قہار ہے۔ وحدانیت اور غلبہ لازم و ملزوم ہیں۔ (3) ﴿وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ”اور وہی ایک ہے، نہایت زبردست ہے“ اللہ تعالیٰ واحد ہے، اس کا کوئی ثانی نہیں، وہ ہر چیز پر غالب ہے پھر کیسے تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان سے بچا سکتے ہیں؟

﴿أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حَلِيبٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهٗ ۚ كَذٰلِكَ يَصْرِفُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبٰطِلَ ۚ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذٰبُ جُمْآءً ۙ وَاَمَّا الَّذِي فِي النَّارِ فَيَسْجُدُ لِمَنْ يَّرْتَضٰۤى مِنْ رَبِّهِ ۗ كَذٰلِكَ يَصْرِفُ اللّٰهُ الْاَمْرًا ۗ وَمَنْ يَّرْتَضٰۤى مِنْ رَبِّهِ ۗ كَذٰلِكَ يَصْرِفُ اللّٰهُ الْاَمْرًا ۗ وَمَنْ يَّرْتَضٰۤى مِنْ رَبِّهِ ۗ﴾

”اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا، چنانچہ کئی نالے اس سے اپنی اپنی وسعت کے مطابق بہہ نکلے، پھر سیلاب نے ابھرا ہوا جھاگ اٹھالیا اور اسی طرح کا جھاگ ان چیزوں پر بھی آتا ہے جن کو زوریور یا برتن بنانے کے لیے آگ پر تپاتے ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بیان کرتا ہے، چنانچہ جو جھاگ ہے سو وہ بے کار چلا جاتا ہے لیکن جو انسانوں کو فائدہ دیتی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے۔“ (17)

سوال 1: ﴿أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا﴾ ”اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا، چنانچہ کئی نالے اس سے اپنی اپنی وسعت کے مطابق بہہ نکلے، پھر سیلاب نے ابھرا ہوا جھاگ اٹھالیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً﴾ ”اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا“ رب العزت نے بارش کے پانی سے ہدایت کو تشبیہ دی ہے۔ بارش میں انسانوں کے لیے کثیر منافع ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ہدایت میں کثیر نفع ہے اور انسان اس ہدایت کے ضرورت مند ہیں۔ (2) اللہ تعالیٰ نے جس طرح پانی کو بدن کی زندگی کے لیے نازل فرمایا ہے اسی طرح قلب اور روح کی زندگی کے لیے ہدایت کو اپنے رسول پر نازل فرمایا۔ (3) ﴿فَسَالَتْ اَوْدِيَةً بِقَدَرِهَا﴾ ”چنانچہ کئی نالے اس سے اپنی اپنی وسعت کے مطابق بہہ نکلے“ رب العزت نے ہدایت پانے والوں کو اور ان کے درمیان فرق کو ان وادیوں سے تشبیہ دی ہے جن کے اندر سیلاب بہتے ہیں۔ (4) سالت اودیة بقدرها یعنی نالے اپنے انداز سے بہتے ہیں یعنی پانی بھر کر۔ (بخاری کتاب التفسیر) (5) ہر وادی اس کے مطابق بہتی ہے جتنا پانی اس میں موجود ہوتا ہے۔ (ایسر التفسیر: 708) (6) بڑی وادی بڑے دل کی طرح ہے جو علم سے لبریز ہوتا ہے اور چھوٹی وادی چھوٹے دل کی طرح ہوتی ہے جس میں تھوڑا علم ہوتا ہے۔ (7) ﴿فَاَحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا﴾ ”پھر سیلاب نے ابھرا ہوا جھاگ اٹھالیا“ ﴿زَبَدًا رَابِيًا﴾ سے مراد بہتے پانی کا پھین جھاگ ﴿زَبَدًا مِثْلَهُ﴾ سے لوہے، زیورات وغیرہ کا پھین جھاگ مراد ہے۔ رابیا ربا یربو اسے نکلا ہے یعنی بڑھنے والا یا اوپر تیرنے والا۔ (بخاری کتاب التفسیر) (8) وصول حق کے وقت دلوں کے اندر جو شہوات و شہوات ہوتے ہیں ان کو اس جھاگ سے تشبیہ دی ہے جو سیلاب کے پانی کی سطح پر آجاتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1316)

سوال 2: ﴿وَمِنَ امْرِئٍ قَدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدًا مِثْلَهُ﴾ ”اور اسی طرح کا جھاگ ان چیزوں پر بھی آتا ہے جن کو زیور یا برتن بنانے کے لیے آگ پر پتاتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمِنَ امْرِئٍ قَدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ﴾ ”اور اسی طرح کا جھاگ ان چیزوں پر بھی آتا ہے جن کو آگ پر پتاتے ہیں“ یعنی جیسے سونا، چاندی، تانبا وغیرہ پگھلائے جاتے ہیں۔ (2) ﴿ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ﴾ ”زیور بنانے کے لیے“ یعنی سونے، چاندی سے زیورات بنانا چاہتے ہو۔ ﴿اَوْ مَتَاعٍ﴾ ”یا برتن“ الممتع جس چیز سے تو فائدہ اٹھائے اس کو کام میں لائے۔ (بخاری کتاب التفسیر) (4) یہ جھاگ اس وقت بھی اوپر آجاتا ہے جب زیور کو کھوٹ سے خالص کرنے کے لیے آگ میں پتایا جاتا ہے اور جھاگ برابر پانی کے اوپر ہوتا ہے اور پانی کو مکدر کرنے والا میل کچیل پانی کی سطح پر تیرتا رہتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1316)

سوال 3: ﴿كَذٰلِكَ يَصْرِبُ اللّٰهُ الْحَيُّ وَالْبَاطِلُ﴾ ”اس طرح اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بیان کرتا ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح یعنی ان چاروں امور میں دو پانی اور جو ہر کی مثالیں ہیں جو حق کی ہیں اور دو باطل کی ہیں وہ پانی کے جھاگ اور دھاتوں کے جھاگ کی ہیں۔ (ایسر التفسیر: 709)

سوال 4: ﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذَرُ جُفَاءً ۗ وَاَمَّا مَا يَنْفَخُمُ النَّاسُ فَيَنْبَثُّ فِي الْاَرْضِ مُدْحَرًا ۗ كَذٰلِكَ يَصْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ﴾ ”چنانچہ جو جھاگ ہے سو وہ بے کار چلا جاتا ہے لیکن جو انسانوں کو فائدہ دیتی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان

کرتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَمَّا الرَّبُّكَ﴾ ”چنانچہ جو جھاگ ہے“ جہاں تک جھاگ کا تعلق ہے خواہ پانی پر ہو یا دھاتوں پر جو آگ پر تپائی جاتی ہیں۔
 (2) ﴿فَيَذَرُهَا حِجَابًا﴾ ”سو وہ بے کار چلا جاتا ہے“ جفاء اجفات القدر سے نکلا ہے یعنی ہانڈی نے جوش مارا جھاگ اوپر آ گیا پھر جب ہانڈی ٹھنڈی ہوتی ہے تو پھین جھاگ بے کار سوکھ کر فنا ہو جاتا ہے۔ حق باطل سے اسی طرح جدا ہوتا ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر) (3) ﴿وَاَمَّا مَا يَبْتَغِي النَّاسُ فَيَكُونُ فِي الْآثَرِ﴾ ”لیکن جو انسانوں کو فائدہ دیتی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے“ یہاں تک کہ وہ (جھاگ) مضحل ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور صاف پانی اور خالص زیور باقی رہ جاتا ہے جو لوگوں کے لیے نفع مند ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1316) (4) یہی حال شہوات و شہوات کا ہے۔ قلب ان شہوات و شہوات کو ناپسند کرتا ہے، وہ دلائل و براہین اور پختہ ارادے کے ذریعے سے ان کے خلاف جدوجہد کرتا ہے حتیٰ کہ یہ شہوات مضحل ہو کر ختم ہو جاتے ہیں اور قلب پاک صاف اور خالص ہو جاتا ہے اور حق کے علم، اس کو ترجیح دینے اور اس کی رغبت کے سوا اس میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ باطل زائل ہو جاتا ہے اور حق اس کو مٹا دیتا ہے۔ ان الباطل کان زھوقا بے شک باطل مٹنے ہی والا ہے۔ (بنی اسرائیل: 81) (تفسیر سعدی: 2/1316) (5) ﴿كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ﴾ ”اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے“ اللہ تعالیٰ اس لیے مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ حق کی پائیداری اور باطل کی ناپائیداری واضح ہو جائے۔ (6) یعنی اگر کبھی حق اور باطل جمع ہو جائیں تو حق باقی رہتا ہے اور باطل جلد فنا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح واضح فرمایا کہ جھاگ کارآمد نہیں ہوتے جلد ختم ہو جاتے ہیں۔ (7) یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جنہیں علم والے ہی زیادہ سمجھتے ہیں۔ (8) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اللہ تعالیٰ نے یہ دلوں کی مثالیں دی ہیں ان کے یقین اور شک کی مقدار کے مطابق۔ شک کے ساتھ عمل فائدہ نہیں دیتا اور یقین والوں کو اللہ تعالیٰ نفع دیتا ہے، جھاگ سے مراد شک ہے اور یقین خالص چیز ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ یقین کو قبول کرتا ہے اور شک کو چھوڑ دیتا ہے۔ (جامع البیان: 13/138) (9) اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعہ موحد مسلمان اور کافر کے درمیان فرق واضح کیا، کہ کافر اپنے دین کے معاملہ میں اندھے کے مانند ہے اور موحد مسلمان آنکھ کے مانند، کافر اپنے کفر کی تاریکی میں بھٹکتا رہتا ہے اور موحد ایمان و توحید کا مشعل لیے منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ (تیسیر الرحمن: 1/711) (10) سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو علم و ہدایت اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس کی مثال بے آباد زمین میں ہونے والی بارش کی ہے جس کا کچھ حصہ قابل کاشت تھا۔ اس نے پانی قبول کیا اور گھاس و نباتات اگائے اور کچھ حصہ نشیبی تھا، جہاں پانی رک گیا اور لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے فائدہ مند بنا دیا کہ اس سے خود بھی پیتے ہیں اور اپنے مویشیوں کو بھی پلاتے ہیں۔ زمین کے ایک اور حصے پر بھی بارش ہوئی جو صرف چٹیل میدان کی صورت میں تھا نہ اس نے پانی کو جمع کیا اور نہ اس نے نباتات کو اگایا تو یہ مثال ہے ایسے شخص کی جس نے اللہ تعالیٰ کے دین کو سمجھا اور تعلیم اور تعلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے لیے مفید بنا دیا اور ایسے شخص کی جس نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت

کو قبول نہ کیا۔“ (بخاری: 5953) (11) سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اس مومن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اس پر عمل بھی کرتا ہے بیٹھے لیٹوں کی سی ہے جس کا مزہ بھی لذت دار اور خوشبو بھی اچھی اور وہ مومن جو قرآن تو پڑھتا ہی نہیں لیکن اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال کھجور کی ہے جس کا مزہ تو عمدہ ہے لیکن خوشبو کے بغیر۔ اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحان کی سی ہے جس کی خوشبو تو اچھی ہوتی ہے لیکن مزا کڑوا ہوتا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن بھی نہیں پڑھتا اندرائن کے پھل کی سی ہے جس کا مزہ بھی کڑوا ہوتا ہے (راوی کو شک ہے) کہ لفظ مر ہے یا خبیث اور اس کی بو بھی خراب ہوتی ہے۔“ (بخاری: 5059) (12) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: رشک تو بس دو ہی آدمیوں پر ہونا چاہیے ایک اس پر جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا اور وہ رات دن اس کی تلاوت کرتا رہتا ہے کہ اس کا پڑوسی سن کر کہہ اٹھے کاش مجھے بھی اس جیسا علم قرآن ہوتا اور میں بھی اس کی طرح عمل کرتا اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اسے حق کے لئے لٹا رہا ہے (اس کو دیکھ کر) دوسرا شخص کہہ اٹھتا ہے کہ کاش میرے پاس بھی اس کے جتنا مال ہوتا اور میں بھی اس کی طرح خرچ کرتا۔“ (صحیح بخاری: 5026)

﴿لَلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ الْحُسْنَىٰ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَا فِتْنًا وَاِيَّاهُ﴾

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوۡءُ الْحِسَابِ ۗ وَمَا وَّلَّهُمْ جَهَنَّمَ ۗ وَبِئْسَ الْوِلٰٓءُ ۙ اُولٰٓئِكَ

”جن لوگوں نے اپنے رب کی بات قبول کر لی ان کے لیے بھلائی ہے اور جن لوگوں نے قبول نہیں کی اگر ان کے پاس واقعتاً وہ سب ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ اس کو ضرور فدیے میں دے دیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا برا حساب ہوگا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔“ (18)

سوال 1: ﴿لَلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ الْحُسْنَىٰ﴾ ”جن لوگوں نے اپنے رب کی بات قبول کر لی ان کے لیے بھلائی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) جب اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کو واضح کر دیا تو لوگوں کی دو قسموں کا ذکر کیا جن میں سے پہلی کے بارے میں فرمایا کہ وہ حق کی دعوت پر لبیک کہنے والے ہیں، ان کے ثواب کا ذکر فرمایا۔ (2) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے جنت ہے۔ (ایسر التفسیر: 708) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَلَّذِينَ احْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادًا﴾ جن لوگوں نے نیکی کی ان کے لیے نہایت اچھا بدلہ ہے اور کچھ مزید ہے۔ (یونس: 26) (4) ﴿وَالْمَآمِنِۙ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَآءٌ الْحُسْنَىٰ ۗ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اٰمَرٍ نَّارِۙمًا﴾ اور رہا وہ جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو اس کے لیے اچھی جزا ہے اور ہم جلد ہی اس کے لئے اپنے کام میں آسانی کا حکم دیں گے۔ (الکھف: 88) (5) یعنی جن کے دل علم و ایمان کے سامنے سرفگندہ ہیں اور ان کے جو ارح امر و نبی پر عمل پیرا ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے جو کچھ چاہتا

ہے وہ اس کی مراد کی موافقت کرتے ہیں۔ الحسنی یعنی اچھی حالت اور اچھا ثواب ان کی صفات جلیل ترین، ان کے مناقب بہترین اور ان کے لئے دنیاوی اور اخروی ثواب ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا گزر ہوا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1317)

سوال 2: ﴿وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ جِجَعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ﴾ ”اور جن لوگوں نے قبول نہیں کی اگر ان کے پاس واقعتاً وہ سب ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ اس کو ضرور فدیے میں دے دیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ﴾ ”اور جن لوگوں نے قبول نہیں کی“ یعنی جن لوگوں نے حق واضح ہونے کے بعد بھی اپنے رب کی پکار پر لبیک نہ کہا ان کے لیے عذاب ہے۔ (2) ﴿لَوْ أَنَّ لَهُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ جِجَعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ﴾ ”اگر ان کے پاس واقعتاً وہ سب ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ اس کو ضرور فدیے میں دے دیں“ جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری سے بچتے رہے وہ اگر ساری دنیا کی دولت جمع کر لیں اور قیامت کے دن فدیے میں دے کر عذاب سے اپنی جان چھڑانا چاہیں گے تو ان سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور زمین بھر مال انہیں ملے گا کہاں سے؟ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ﴾ ”یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ تعالیٰ (کی پکڑ) سے ہرگز کچھ بھی ان کے کام نہ آئیں گے اور وہی لوگ آگ کا ایندھن ہیں۔ (آل عمران: 10) (4) ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَمْوَالُهُمْ كُفْرًا فَكَانَ يُعْتَبَلُ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَالُهُمْ مِنَ نُصْرَتِنَا ۗ﴾ ”یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے اس حال میں کہ کافر تھے تو ان میں سے کسی ایک سے زمین بھر سونا بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور اگرچہ وہ اس کو فدیے میں دے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (آل عمران: 91)“

سوال 3: ﴿أُولَئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۗ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْبِهَادُ﴾ ”یہی لوگ ہیں جن کا برا حساب ہوگا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أُولَئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ﴾ ”یہی لوگ ہیں جن کا برا حساب ہوگا“ اس سے مراد ہے کہ ہر گناہ پر مواخذہ ہوگا اس میں کچھ بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔ (ایسر التفسیر: 708) (2) ﴿أُولَئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ﴾ ”یہی لوگ ہیں جن کا برا حساب ہوگا“ یعنی ہر برے کام کا حساب مثلاً انسانوں کے حقوق میں کمی اور دیگر برے کام وغیرہ۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مِنْ مُشْفِقِينَ مَنَافِيَهُ وَيَقُولُونَ لِيُوَيْسِتْنَا مَا لَ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۗ وَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۗ﴾ ”اور کتاب اعمال رکھ دی جائے گی، پس آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے کہ ہائے

ہماری کم بختی! یہ کتاب کیسی ہے جس نے چھوٹا بڑا کچھ بھی نہیں چھوڑا مگر اس کو شمار کر رکھا ہے اور جو بھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کو سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی ایک پر ظلم نہیں کرتا۔ (الکھف: 49) (4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس کے حساب میں کھوج کرید کی گئی اس کو ضرور عذاب ہوگا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے کہ پھر عنقریب ان سے ہلکا حساب لیا جائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس سے مراد صرف پیشی ہے۔ (بخاری: 6536) (5) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی بعض نمازوں میں یہ دعا مانگتے ہوئے سنا، (اللَّهُمَّ حَسِبْنِي حَسَابًا يَسِيرًا) (یعنی یا اللہ مجھ سے آسان حساب لینا) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! آسان حساب سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آسان حساب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے نامہ اعمال کو دیکھے اور اسے نظر انداز کر دے اور جس کے نامہ اعمال پر اس روز بحث شروع ہوگی اے عائشہ وہ تو ہلاک ہو گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح: 3/5563) (6) جن لوگوں کو اعمال نامہ بائیں ہاتھ یا پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا ان کا حساب مشکل ہوگا۔ (7) ﴿وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشَآلِهِ ۖ فَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيهِ ۗ وَلَمْ أَدْرِمَآ حِسَابِيهِ ۗ يَلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۗ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيهِ ۗ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيهِ ۗ﴾ لیکن جس کو اس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا: ”اے کاش! میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا جاتا! اور میں نہ جان پاتا کہ میرا حساب کیا ہے؟ اے کاش! وہی موت فیصلہ کن ہوتی! میرا مال میرے کام نہ آیا۔ میری حکومت مجھ سے برباد ہوگئی۔ (الحاقہ: 25-29) (8) ﴿وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ وَرَأَىٰ ظَهْرَهُ ۖ فَسَوْفَ يَدْعُو أَبْوَابًا ۙ وَيَصْلِي سَعِيرًا ۗ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مُسْمُورًا ۗ إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّنْ يَمُوتَ ۖ بَلَىٰ ۗ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۗ﴾ مگر جس کو اس کا نامہ اعمال اس کے پیٹھ پیچھے سے دیا گیا۔ تو عنقریب وہ بڑی ہلاکت کو پکارے گا۔ اور بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا۔ بلاشبہ وہ اپنے گھر والوں میں خوش تھا۔ اور اس نے سمجھا تھا کہ وہ ہرگز واپس نہیں لوٹے گا۔ کیوں نہیں! بے شک اس کا رب اسے خوب دیکھنے والا تھا۔ (الانشقاق: 10-15) (9) ﴿وَمَا أُوْتِنَاهُمْ جَهَنَّمَ﴾ ”اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا“ اس سے مراد ہے ان کی قرار گاہ جہنم ہوگی ﴿وَيُسَّوُّنَ الْوَهَّاءُ﴾ ”اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے“ یعنی جہنم کا فرش ان کے لیے بچھونا ہونا۔ (ابیر التفسیر: 709) (10) ﴿وَمَا أُوْتِنَاهُمْ جَهَنَّمَ﴾ جس میں ہر قسم کا عذاب جمع ہے۔ مثلاً شدید بھوک، دردناک پیاس، بھڑکتی ہوئی آگ، کھانے کو تھوہر، ٹھٹھرا دینے والی سردی، خاردار جھاڑ اور عذاب کی وہ تمام اقسام جن کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، ﴿وَيُسَّوُّنَ الْوَهَّاءُ﴾ یعنی ان کا مسکن اور ٹھکانہ بدترین ہوگا۔ (تفسیر سعدی: 2/1318)

رکوع نمبر: 9

﴿أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّزْلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ الْحَقَّ ۖ لَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۗ إِنَّ كَيْدَ كَرُومٍ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ﴾ (19)

”پھر کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ یقیناً آپ پر جو آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا وہی حق ہے، اس شخص جیسا ہے جو اندھا ہے؟“

بلاشبہ نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔“ (19)

سوال 1: ﴿أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ لَمْ يَأْمُرْهُ بِالْحَقِّ﴾ ”پھر کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ یقیناً آپ پر جو آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا وہی حق ہے، اس شخص جیسا ہے جو اندھا ہے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ﴾ ”پھر کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ یقیناً آپ پر جو آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا وہی حق ہے“ رب العزت نے حق کا علم رکھنے والوں اور نہ رکھنے والوں کے درمیان فرق کو واضح فرمایا ہے کہ جو حق کو اچھے طریقے سے سمجھتا ہو اور اس پر عمل کرتا ہو۔ (2) ﴿لَمْ يَأْمُرْهُ بِالْحَقِّ﴾ ”اس شخص جیسا ہے جو اندھا ہے؟“ وہ اس شخص کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جو نہ حق کا علم رکھتا ہے، نہ اس پر عمل کرتا ہے۔ دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ رب العزت نے فرمایا: ﴿لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ الْفَائِزُونَ﴾ دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہو سکتے، جنت میں جانے والے ہی کامیاب ہیں۔ (الحشر: 20) (3) وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ محمد ﷺ کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وہی حق ہے جس میں کوئی شک نہیں، وہ پورے کا پورا حق ہے، اس کی خبریں حق، اس کے اوامر و نہی عدل پر مبنی ہیں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَتَنَزَّلُ عَلَيْكَ الْوَحْيَ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْحَقَّ﴾ اور آپ کے رب کی بات سچائی اور انصاف میں مکمل ہے۔ (الانعام: 115) یعنی رب کی بات خبروں میں سچی اور طلب میں کامل ہے، اس لیے وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جس نے اس کی تصدیق کی جو محمد ﷺ لے کر آئے اور جس نے اس کی تصدیق نہ کی۔ جو دیکھتا نہیں، خیر کی طرف راہ نمائی نہیں پاتا، اس کو سمجھتا نہیں اور اگر سمجھ تو اس پر عمل نہیں کرتا، وہ نہ تو تصدیق کرتا ہے اور نہ اتباع کرتا ہے، وہ اندھا ہے۔ (تفسیر منیر: 162/7)

(4) پس بندے پر لازم ہے کہ وہ غور کرے کہ فریقین میں سے کس کا حال اچھا اور کس کا انجام بہتر ہے۔ پھر اسے چاہیے کہ اسی راستے کو ترجیح دے اور اسی گروہ کی پیروی میں رواں دواں رہے۔ مگر اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص غور و فکر نہیں کرتا کہ اس کے لئے کیا چیز فائدہ مند اور کیا چیز نقصان دہ ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1319)

سوال 2: ﴿إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ ”بلاشبہ نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) عبرت تو وہی حاصل کرتے ہیں جن کے پاس صحیح سمجھ بوجھ ہو جو پختہ عقل رکھتے ہوں، جن کی رائے کامل ہو، ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے چنا ہے۔ (2) ﴿أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ سے مراد عقل والے لوگ ہیں، جو اپنی عقل کو استعمال کرتے ہیں، جن کے پاس عقل سلیم ہو، جن کے دل گناہوں سے آلودہ نہ ہوں اور جنہوں نے اپنی عقلوں کو خراب نہ کیا ہو۔ (3) جو اپنے نفس میں اہل حق کی صفات پائے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جو اہل باطل کی صفات پائے وہی ظالم ہے۔ (الاساس فی التفسیر: 2740/5) یا ارحم الراحمین ہمیں سمجھ بوجھ والوں میں شامل فرمائے۔ آمین

﴿الَّذِينَ يُؤْتُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَأْتُونَ الْبَيْتَاتِ﴾ (20)

”جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وہ پختہ عہد نہیں توڑتے۔“ (20)

سوال 1: ﴿الَّذِينَ يُؤْتُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَأْتُونَ الْبَيْتَاتِ﴾ ”جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وہ پختہ عہد نہیں توڑتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِينَ يُؤْتُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ﴾ ”جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرتے ہیں“ اہل حق کے اوصاف میں سے پہلا وصف ہے جو جنت تک پہنچانے والا ہے کہ وہ اپنے عہدوں پر جسے رہتے ہیں، قول و قرار نہیں توڑتے۔ (2) جو ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ نے ان پر عائد کی ہیں اور وہ عہد جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا یعنی اس کے حقوق کا کامل طور پر قائم کرنا، ان کو پوری طرح ادا کرنا یعنی ان حقوق کی نشوونما اور ان میں خیر خواہی کرنا۔ (تفسیر سعدی: 1319/2) (3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عہد کو پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حلال کو حلال جاننا، اس کے حرام کو حرام جاننا، اس کے فرائض کی پابندی کرنا، اس کی حد بندی کی نگہداشت کرنا بھی ہے، کسی بات کے خلاف نہ کرو، حد کو نہ توڑو، کسی حرام کام کو نہ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر: 702/1) (4) ﴿وَلَا يَأْتُونَ الْبَيْتَاتِ﴾ ”اور وہ پختہ عہد نہیں توڑتے“ یعنی اس معاہدے کو نہیں توڑتے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے باندھا ہے اس میں ہر قسم کا عہد شامل ہے مثلاً قسم، نذر اور عام معاہدے جنہیں لوگ اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدوں کو پورا کرو۔ (المائدہ: 1) کوئی شخص بھی معاہدے کی پابندی کے بغیر عقل والوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ اور عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل: 34) (5) رحمن کے بندے تو وہ ہیں جو عہد کی پابندی کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لَا يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِمْ وَعَهْدُهُمْ لِمَنْ عَاهَدُوا﴾ اور وہی جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔ (المومنون: 8) (6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی علامتیں تین ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے جب وہ وعدہ کرے اس کے خلاف کرے اور جب اس کو امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ (بخاری: 33) (7) سیدنا علاء بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں، خواہ وہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور گمان رکھے کہ وہ مسلم ہے۔ (مسلم: 213)

سوال 2: عہد کی پاسداری کون کر سکتا ہے؟

جواب: جو شخص ایمانی عہد کی پاسداری کرتا ہے تو وہ سارے انسانی اور ربانی عہدوں کی پاسداری کرتا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا آمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْتُوا مَالَهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ﴾ (21)

”اور جو ان رشتوں کو ملاتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں ملایا جائے اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور

برے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔“ (21)

سوال 1: ﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ﴾ ”اور جو ان رشتوں کو ملاتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں ملایا جائے اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا خوف رکھتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ﴾ ”اور جو ان رشتوں کو ملاتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں ملایا جائے“ یہ ان تمام امور کے لیے عام ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ملانے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت، اللہ تعالیٰ وحدہ کی عبادت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لئے سر تسلیم خم کرنا سب اس میں داخل ہے۔ یہ لوگ اپنے ماں باپ کے ساتھ تولی اور فعلی حسن سلوک کے ذریعے سے صلہ رحمی کرتے ہیں اور ان کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اسی طرح اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اپنے قول و فعل میں حسن سلوک کے ذریعے سے صلہ رحمی کرتے ہیں۔ اپنی بیویوں، اپنے دوستوں، ساتھیوں اور اپنے غلاموں کے دینی اور دنیاوی حقوق کی کامل ادائیگی کے ذریعے سے حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2/1320، 1319) (2) سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ (صحیح بخاری: 5984) (3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جسے پسند ہے اس کی روزی میں فرانی ہو اور اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ صلہ رحمی کیا کرے۔ (صحیح بخاری: 5985) (4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لفظ رحم (بمعنی رشتہ داری) رحمٰن سے ملی ہوئی شاخ ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے (رحم سے) فرمایا: جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑوں گا۔ (صحیح بخاری: 5987) عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے مرفوعاً بیان کیا، فرمایا کہ کسی کام کا بدلہ دینا صلہ رحمی نہیں ہے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ نہ کیا جا رہا ہو تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔ (صحیح بخاری: 5991) (5) ﴿وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ﴾ ”اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا خوف رکھتے ہیں“ اور وہ محرک جس کی وجہ سے انسان ان رابطوں کو جوڑتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور حساب کتاب کا خوف ہے۔ (6) وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور حشر کے میدان میں اس کے سامنے پیش ہونے کا خوف انہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات میں کوتاہی اور نافرمانی سے روکتا ہے۔ (7) خشیت اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور علم کی وجہ سے پیدا ہونے والا خوف ہے جس کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے بندوں میں صرف علم رکھنے والے ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ (فاطر: 8) (8) ﴿وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ﴾ ”اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا خوف رکھتے ہیں“ وہ آخرت میں برے حساب کا کھڑکار رکھتے ہیں، اس لیے وہ پوم حساب سے پہلے اپنے نفسوں کا محاسبہ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نظروں میں محسوس

کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کے تمام کام، ان کی حرکات و سکنات اور حالات درست رہتے ہیں اور وہ استقامت کی راہ پر رہتے ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَرَبُّهُمْ سَرَّاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

أُولَٰئِكَ لَهُمْ عِشْيُ الدَّارِ (22)﴾

”اور جن لوگوں نے اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ

کیا اور جو بھلائی سے برائی کو ہٹاتے ہیں ان ہی کے لیے اس گھر کا اچھا انجام ہے۔“ (22)

سوال 1: ﴿وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ﴾ ”اور جن لوگوں نے اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے صبر کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِينَ صَبَرُوا﴾ ”اور جن لوگوں نے صبر کیا“ وہ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنے، معاہدوں کو توڑنے سے بچنے اور صلہ رحمی کے لیے صبر کرتے ہیں۔ (جامع البیان: 143/13) (2) یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل اور ان کاموں سے دور رہنے کے لیے جن سے اس نے روکا ہے اس کی قضا و قدر پر ناراضگی کے بغیر صبر کرتے ہیں۔ (3) ﴿ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ﴾ ”اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے“ یعنی ان کا صبر کسی اور غرض کے لیے نہیں ہوتا وہ تو صرف اس سے اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں۔ (4) وہی صبر ایمان والوں کی خصوصیت ہے جس میں مومن اپنے رب کی رضا اور اس کا قرب چاہتا ہے، جس میں وہ اپنے رب سے ثواب کی امید باندھتا ہے۔ ﴿سَلِّمْ عَلَيْكُمْ يَا صَبْرْتُمْ فَبِعَمِّ عِشْيِ الدَّارِ﴾ تم پر سلام ہو اس کے بدلے جو تم نے صبر کیا، سو کتنا ہی اچھا ہے اس گھر کا انجام! (الرعد: 24) جس صبر میں فخر ہو وہ رب کی رضا کے لیے نہیں ہوتا نہ اس صبر کا ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے۔

سوال 2: ﴿وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ﴾ ”اور نماز قائم کی اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ﴾ ”اور نماز قائم کی“ یعنی وہ فرض نماز کو اس کے اوقات میں ادا کرتے ہیں۔ (جامع البیان: 144/13) (2) یعنی وہ نماز کو اس کے تمام ارکان، شرائط اور ظاہری و باطنی تکمیل کے ساتھ قائم کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1320/2) (3) یعنی وہ نبی ﷺ جیسی نماز پڑھتے ہیں۔ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّيُ نماز اس طرح پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ (4) ﴿وَأَتَوُا الزَّكَاةَ﴾ ”اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کیا“ اس میں تمام قسم کا انفاق آجاتا ہے مثلاً زکوٰۃ، صدقات، کفارے وغیرہ۔ (5) وہ کھلے چھپے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان تمام مقامات پر خرچ کرتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے مطالبہ کیا ہے۔ وہ خوش دلی سے خرچ کرتے ہیں جہاں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے مثلاً بیوی

بچوں پر خرچ، رشتہ داروں پر، دوستوں پر، فقیروں اور محتاجوں پر، ناداروں اور پانچوں پر اپنا پاک مال خرچ کرتے ہیں۔

سوال 3: ﴿وَيَذَرُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّبِيَةَ﴾ اور جو بھلائی سے برائی کو ہٹاتے ہیں، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَذَرُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّبِيَةَ﴾ اور جو بھلائی سے برائی کو ہٹاتے ہیں، یعنی وہ جہالت کو حلم سے اور اذیت کو صبر سے دور کرتے

ہیں۔ (2) یعنی جو کوئی قول و فعل کے ذریعے سے ان کے ساتھ براسلوک کرتا ہے، وہ اس کے ساتھ برے طریقے سے پیش نہیں آتے بلکہ

اس کے برعکس حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ پس جو کوئی انہیں محروم کرتا ہے یہ اسے عطا کرتے ہیں، جو کوئی ان پر ظلم کرتا ہے یہ اسے معاف

کردیتے ہیں، جو کوئی ان سے قطع تعلق کرتا ہے یہ اس سے جڑتے ہیں اور جو کوئی ان سے براسلوک کرتا ہے یہ اس کے ساتھ حسن سلوک سے

پیش آتے ہیں۔ جب براسلوک کرنے والوں کے ساتھ ان کے حسن سلوک کی یہ کیفیت ہے تو اس شخص کے ساتھ ان کے حسن سلوک کی

کیا کیفیت ہوگی جس نے ان کے ساتھ کبھی براسلوک نہیں کیا۔ (تفسیر سعدی: 2/1320) (3) سیدنا ابن عباس اور ابن زید نے کہا کہ وہ شر کو

خیر سے، سعید بن جبیر نے کہا منکر کو معروف سے، ضحاک نے کہا نفس کو سلام سے، جو بیر نے کہا ظلم کو عفو سے، ابن شجر نے کہا گناہوں کو توبہ سے

دور کرتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُدْهِنُ السَّيِّئَاتِ﴾ بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔ (ہود: 114) سیدنا ابو ذر رضی اللہ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جہاں کہیں ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ہر برائی کو بھلائی کے ساتھ مٹا دو اور لوگوں سے نیک خلقی

کے ساتھ پیش آؤ۔ (جامع ترمذی: 1987) (4) ﴿إِذْ قُم بِالَّذِي هِيَ أَحْسَنُ فَأَذَا لِي مِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ برائی کو تم اس سے ہٹا

دو جو سب سے اچھا ہے تو اچانک وہ شخص تمہارے اور اس کے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہوگا گویا وہ دلی دوست ہے۔ (حم السجدہ: 34) (5) رب

العزت نے فرمایا: ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ اور برائی کا بدلہ اس جیسی ایک

برائی ہے، پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ یقیناً وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ (الشوری: 40)

(6) ﴿وَلَكِنَّ صِدْقَ وَغَفْرًا إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ اور یقیناً جو صبر کرے اور معاف کر دے، تو بلاشبہ یہ یقیناً بڑی ہمت کے کاموں میں

سے ہے۔ (الشوری: 43) (7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ آپ

کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے۔ (مشکوٰۃ

المصابیح: 434) (8) ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَتَّقُونَ عَلَى الْإِثْمِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو

زمین پر نرمی اور عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کریں تو کہہ دیتے ہیں سلام ہو۔ (الفرقان: 63)

سوال 4: برائی کا جواب بھلائی سے دینے کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: برائی کا جواب بھلائی سے دینا اعلیٰ خصوصیات میں سے ہے۔ (1) برائی کا جواب بھلائی سے دینے کی وجہ سے شرکی آگ بجھ جاتی

ہے۔ (2) اس کی وجہ سے شیطان کے وسوسے ختم ہو جاتے ہیں اور پوری برائی ختم ہو جاتی ہے۔ (3) اس کی وجہ سے دوسرے انسان کی

سرکشی میں کمی آجاتی ہے۔ (4) اس کی وجہ سے دوسرا انسان بھلائی پر مائل ہو جاتا ہے۔

سوال 5: ﴿أُولَٰئِكَ لَنْهُمْ عُقُبُ الدَّارِ﴾ ”ان ہی کے لیے اس گھر کا اچھا انجام ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أُولَٰئِكَ﴾ یہی لوگ ہیں جو جلیل القدر صفات رکھتے ہیں۔ (2) ﴿لَنْهُمْ عُقُبُ الدَّارِ﴾ ”ان ہی کے لیے اس گھر کا اچھا انجام ہے“ ان کے لیے آخرت کے گھر میں اچھا انجام ہے۔ (3) یعنی آگ کے بدلے میں جنت ہے۔ کل دو گھر ہوں گے فرماں برداروں کے لیے جنت اور نافرمانوں کے لیے دوزخ۔ (الجامع لاحکام القرآن: 219/5)

سوال 6: برائی کا جواب بھلائی سے کب دیا جاتا ہے؟

جواب: (1) برائی کا جواب بھلائی سے اس وقت دیا جاتا ہے جب دو افراد کے درمیان معاملہ ہو اور دونوں کی حیثیت ایک جیسی ہو۔ (2) ان معاملات میں یہ رویہ اختیار کرنا درست نہیں جن کا تعلق دین سے ہے کیونکہ دین کے معاملے میں کوئی خرابی پیدا کرنے کی کوشش کرے اور زمین میں فساد پھیلانے آپس کے تعلقات کو بگاڑے تو ایسے حالات میں برائی کو جڑ سے ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ جہاں بھی ضرورت پڑے شر سے ماحول کو بچایا جائے تاکہ شر کی قوتیں مزید قوت نہ حاصل کر جائیں اور انہیں مزید سرکشی کی جرأت نہ ہو۔

﴿جَنَّتٍ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ﴾ (23)

”ابدی باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بھی جو ان کے آباء و اجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولادوں میں سے نیک

ہوئے اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔“ (23)

سوال 1: ﴿جَنَّتٍ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ﴾ ”ابدی باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے

اور وہ بھی جو ان کے آباء و اجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولادوں میں سے نیک ہوئے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿جَنَّتٍ عَدْنٍ﴾ یعنی ہمیشہ کی رہائش کے لیے جنتیں۔ (ایسر التفسیر: 709) (2) یعنی وہ ان جنتوں میں قیام کریں گے وہ کبھی ان سے دور نہ ہوں گے اور نہ وہ ان جنتوں سے منتقل ہونا چاہیں گے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے اوپر کوئی منزل نہیں۔ کیونکہ یہ جنتیں ایسی نعمت اور

مسرت پر مشتمل ہیں جو مطلوب و مقصود ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1320) (3) ﴿وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ﴾ ”اور وہ بھی جو ان

کے آباء و اجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولادوں میں سے نیک ہوئے“ یہاں صلح سے مراد ایمان اور عمل صالح ہے۔ (ایسر التفسیر

: 710) (4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اس کے اعمال نے پیچھے کر دیا تو اسے اس کا نسب

آگے نہیں بڑھا سکتا۔ (صحیح مسلم: 6853) (5) رب العزت کا وعدہ ہے: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا

أَلَتْهُمْ مِنْ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرَأٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنٌ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد جو ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلی، ہم

ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں سے کچھ بھی کمی نہ کریں گے۔ ہر شخص اس کے بدلے جو اس نے کمایا گروہ رکھا ہوا ہے۔ (الطور: 21)

سوال 2: ﴿وَالْبَلِیْکَةُ یُنْخَلَوْنَ عَلَیْهِمْ مِنْ کُلِّ بَابٍ﴾ ”اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: جنت کے ہر دروازے سے فرشتے ان کی طرف پلکیں گے، انہیں مبارک دیں گے، سلام کریں گے۔

﴿سَلِّمْ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ (24)

”تم پر سلام ہو اس کے بدلے جو تم نے صبر کیا، سو کتنا ہی اچھا ہے اس گھر کا انجام!“ (24)

سوال 1: ﴿سَلِّمْ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ ”تم پر سلام ہو اس کے بدلے جو تم نے صبر کیا، سو کتنا ہی اچھا ہے اس گھر کا انجام!“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَلِّمْ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ﴾ ”تم پر سلام ہو اس کے بدلے جو تم نے صبر کیا“، یعنی فرشتے مسلمانوں کو کہتے جائیں گے تم سلامت رہو۔ (بخاری کتاب التفسیر) (2) رسول اللہ ﷺ شروع میں ہر سال شہیدوں کی قبروں کی زیارت کیا کرتے تھے اور یہ پڑھا کرتے تھے۔

(3) ﴿سَلِّمْ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ ”تم پر سلام ہو اس کے بدلے جو تم نے صبر کیا، سو کتنا ہی اچھا ہے اس گھر کا انجام!“ سیدنا ابو

بکر بن عبد اللہ، سیدنا عمر بن عبد اللہ اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کا بھی یہی دستور تھا۔ (مختصر ابن کثیر: 1/922) (4) فرشتے کہیں گے کہ یہ تمہارا صبر ہے جس نے تمہیں بلند مقام اور عالی شان جنت میں پہنچایا ہے۔ (5) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے

ہوئے سنا: بے شک پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا وہ فقراء مہاجرین کا ہوگا، وہ جو فقر و فاقہ کے باوجود نافرمانیوں سے بچتے رہے۔ جب ان کو حکم دیا جاتا تو وہ سنتے اور اطاعت کیا کرتے تھے، اگر ان میں سے کسی کو امیر کے ساتھ کوئی حاجت و ضرورت ہوتی تو اس کی حاجت پوری

نہ ہوتی حتیٰ کہ اسے موت آجاتی اور وہ حاجت و خواہش اس کے سینے ہی میں دفن ہو جاتی۔ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت کو بلائے گا، تو وہ اپنی تمام تر رنگینیوں کے ساتھ چلی آئے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے وہ بندے کہاں ہیں جنہوں نے میرے راستے میں قتال

کیا اور وہ میرے راستے میں قتل کر دیے گئے۔ میرے راستے میں ان کو تکالیف پہنچیں اور انہوں نے میرے راستے میں جہاد کیا۔ جاؤ! تم لوگ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (یہ صورت حال دیکھ کر) فرشتے (در بار الہی

میں) حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، اے ہمارے رب! ہم دن رات تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں، تو یہ کون لوگ ہیں جن کو تو نے ہم پر ترجیح دے دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ وہ لوگ ہیں جو میرے راستے میں لڑتے رہے اور میرے راستے میں تکلیفیں

برداشت کرتے رہے، اس پر فرشتے جنت کے دروازے سے ان کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے: ﴿سَلِّمْ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى

الدَّارِ ﴿سَلَامٌ هُوَ تَمَّ بِرَأْسِ كَمَا بَدَلَهُ جَوْتَمُ نِي صَبْرَ كَمَا سَوَّجَهَا هِيَ اسْ كَهْرُ كَا اِنْجَامِ - (الرعد: 24) (متدرک حاکم: 2393.901/3) (7) ﴿قَوْمِ عَقْبِيِّ الدَّارِ﴾ ”سوا چھا ہے اس گھر کا انجام“ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ (اے جنت والو) تمہارے لیے (یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ) تم صحت مند رہو گے کبھی بیمار نہیں ہو گے اور تم زندہ رہو گے تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور تم جوان رہو گے تم کبھی بوڑھے نہیں ہو گے۔ تم آرام میں رہو گے تمہیں کبھی تکلیف نہیں آئے گی۔ تو اللہ عزوجل کا یہی فرمان ہے کہ: آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے تم اپنے (نیک) اعمال کے بدلہ میں اس جنت کے وارث ہوئے۔ (صحیح مسلم: 7157) (8) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنَزَّ عَنَّا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلِّ تَجْوِيٍّ مِنْ تَحْتِهِمُ اَلَا نُنْهَرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ قٰدِرِيْنَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَفَقَدْنَا جَاۤءَتْ رُسُلٌ مِّنْ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۗ وَنُودُوا اَنْ تَنْكُمُ الْجَنَّةُ اَوْ مَرِضْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ اور ہم ان کے سینوں سے ہر قسم کا کینہ نکال دیں گے، ان کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے: ”(الحمد للہ) سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، ہمیں اللہ تعالیٰ ہی نے اس کے لئے ہدایت دی اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی بھی ہدایت نہ پاتے، بلاشبہ یقیناً ہمارے رب کے رسول یقیناً حق ہی لائے تھے“ اور وہ پکارے جائیں گے: ”یہ جنت کہ جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، اس کا بدلہ ہے جو تم عمل کرتے تھے“ (الاعراف: 43) (9) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دوزخ اور جنت کا (آپس میں) جھگڑا ہوا۔ دوزخ نے کہا: میرے اندر بڑے بڑے ظالم اور متکبر لوگ داخل ہوں گے اور جنت نے کہا: میرے اندر کمزور اور مسکین لوگ داخل ہوں گے۔ اللہ عزوجل نے دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے میں تیرے ذریعے جسے چاہوں گا عذاب دوں گا اور اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے میں تیرے ذریعے جس پر چاہوں گا رحمت کروں گا لیکن تم میں سے ہر ایک کا بھرا ضروری ہے۔ (صحیح مسلم: 7172) (10) پس جو کوئی اپنے نفس کا خیر خواہ ہے اور اس کے نزدیک اس کی قدر و قیمت ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے تزکیہ کے لئے پوری جدوجہد کرے شاید وہ عقل مندوں کے اوصاف سے بہرہ ور ہو سکے اور شاید اسے آخرت کے گھر سے کوئی حصہ مل سکے، جو دلوں کی آرزو اور روح کا سرور ہے، جو ہر قسم کی لذتوں اور فرحتوں کا جامع ہے۔ پس اس قسم کی منزل کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے اور اس قسم کے مقام کے لئے سبقت کرنی چاہیے۔ (تفسیر سعدی: 1321/2)

﴿وَالَّذِينَ يَبْتُغُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيثَاقِهِمْ وَيَقْطَعُونَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُصَلَّ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ

الْعَذَابُ وَلَهُمْ سُوۤءُ الدَّارِ (25)﴾

”اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور وہ اس کو کاٹ ڈالتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے گھر کی خرابی ہے۔“ (25)

سوال 1: ﴿وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور وہ اس کو کاٹ ڈالتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور وہ اس کو کاٹ ڈالتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، رب العزت نے جنت والوں کے حالات بیان کرنے کے بعد جہنم والوں کے حالات بیان کیے ہیں۔ (2) ﴿وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑ دیتے ہیں، یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے جو اطاعت کرنے کا عہد کیا اس کو پورا نہیں کیا بلکہ اسے توڑ ڈالا اور نافرمانی کے کام کیے۔ (3) ﴿وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْصَلَ﴾ اور وہ اس کو کاٹ ڈالتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں ملایا جائے، یعنی انہوں نے ایمان و عمل کے ذریعے سے اپنے اور اپنے رب کے مابین تعلق کو قائم کیا، نہ انہوں نے صلہ رحمی کی اور نہ انہوں نے حقوق ادا کئے۔ (تفسیر سعدي: 1321/2)

(4) انہوں نے کفر کیا، نافرمانیاں کیں، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا، اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ تک پہنچنا مشکل بنا دیا اور دوسری طرف رشتہ داریوں کو کاٹا۔ (5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جسے پسند ہے کہ اس کی روزی میں فراخی ہو اور اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ صلہ رحمی کیا کرے۔ (صحیح بخاری: 5985) (6) سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک گاؤں والا اعرابی نبی ﷺ کے مکان پر حاضر ہوا، اور سوال کیا کہ مجھے یہ بتلا دیجئے کہ وہ کون سا عمل ہے جو مجھے جنت سے قریب کر دے اور جہنم سے دور کر دے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحمی کرو۔ (بخاری: 198/5) (7) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صلہ رحمی اتنی بات کا نام نہیں کہ تم دوسرے عزیز کے احسان کا بدلہ ادا کرو اور اس نے تمہارے ساتھ کوئی احسان کیا ہے تو تم اس پر احسان کرو، بلکہ اصل صلہ رحمی یہ ہے کہ تمہارا رشتہ دار عزیز تمہارے حقوق میں کوتاہی کرے، تم سے نہ رکھے تم پھر بھی محض اللہ تعالیٰ کے لئے اس سے تعلق قائم رکھو اور اس پر احسان کرو۔ (معارف القرآن: 198/5) (8) آپ ﷺ نے فرمایا: صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دے بلکہ وہ ہے کہ اگر دوسرا اس سے برے سلوک سے قطع کرنے کی کوشش کرے تو وہ اچھا سلوک کر کے اسے جوڑے رکھنے کی کوشش کرے۔ (بخاری، کتاب الادب) (9) ﴿وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یعنی نماز ترک کر کے، زکوٰۃ روک کر، برائیوں کا ارتکاب کر کے اور بھلائیاں چھوڑ کر انہوں نے زمین میں فساد پھیلایا۔ (ایسر التفاسیر: 711) (10) بلکہ اس کے برعکس انہوں نے کفر و معاصی کا ارتکاب کر کے، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روک کر اور اس کے راستے کو ٹیڑھا کرنے کی کوششوں کے ذریعے سے زمین میں فساد پھیلایا۔ (تفسیر سعدي)

(1321,1322/2:

سوال 2: ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾ ”یہی لوگ ہیں ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے گھر کی خرابی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾ ”یہی لوگ ہیں ان کے لیے لعنت ہے“ لعنت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کو کہتے ہیں۔ (2) ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور اس کے فرشتوں اور اس کے مومن بندوں کی طرف سے مذمت ہے۔ (تفسیر سعیدی: 1322/2) (3) ﴿وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾ ”اور ان کے لیے گھر کی خرابی ہے“ یعنی ان کے لیے جہنم ہے جو برا ٹھکانہ ہے۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۗ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ آپ کہہ دیں کیا ہم تمہیں بتائیں جو لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں؟ وہ لوگ جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ہی کھو گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناً وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں۔ (الکہف: 103، 104)

﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۗ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ (26)﴾

”اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور وہ دنیا کی زندگی پر ہی خوش ہو گئے، حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی تھوڑے سے سامان کے سوا کچھ نہیں۔“ (26)

سوال 1: ﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾ ”اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾ ”اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے“ اللہ تعالیٰ اپنی مصلحت سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ کافروں کا رزق فراخ ہو تو وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی فراخی ہی سب کچھ ہے وہ آخرت سے غافل ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِنْ مَّالٍ ذَبْنِينَ ۗ نُسَاءُ لَهُمْ فِي الْخَيْبَاتِ ۗ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں مال اور پیٹوں سے مدد دے رہے ہیں؟ ہم انہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم عمل ہیں؟ بلکہ وہ سمجھتے نہیں۔ (المومنون: 55، 56) (2) دنیا کی فراخی ایک مہلت ہے جسے استدراج کہتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِالْآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۗ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہم ضرور انہیں آہستہ آہستہ کھینچ کر لے جائیں گے جہاں سے وہ نہیں جانتے۔ (الاعراف: 182) اللہ تعالیٰ کافر کے رزق میں وسعت دے کر اسے ڈھیل دیتے ہیں تاکہ وہ کفر اور نافرمانیوں میں آگے بڑھ جائے۔ بعض اوقات مومن کی زندگی کو تنگ کر دیتے ہیں تاکہ

کہ دنیا میں اس کے گناہ ختم ہو جائیں۔ (4) رزق میں وسعت کافروں کا انعام اور تنگی مومن کے لیے تذلیل نہیں۔

سوال 2: رزق کی کمی بیشی میں صحیح طرز عمل کیا ہے؟

جواب: (1) رزق زیادہ ملے تو انسان شکر گزار ہو۔ (2) رزق کم ملے تو انسان صبر اور قناعت کا طریقہ اختیار کرے۔

سوال 3: رزق کی کمی بیشی میں غلط طرز عمل کیا ہے؟

جواب: (1) رزق کی کمی کی وجہ سے انسان احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (2) رزق کی زیادتی کی وجہ سے انسان احساس برتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

سوال 4: ﴿وَقَدْ حُورِ الْبَحِيوَةُ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ﴾ ”اور وہ دنیا کی زندگی پر ہی خوش ہو گئے، حالانکہ آخرت

کے مقابلے میں دنیا کی زندگی تھوڑے سے سامان کے سوا کچھ نہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَدْ حُورِ الْبَحِيوَةُ الدُّنْيَا﴾ ”اور وہ دنیا کی زندگی پر ہی خوش ہو گئے“ یعنی کافر دنیا کی زندگی پر مطمئن ہو کر آخرت سے غافل ہو

گئے۔ (2) ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ﴾ ”حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی تھوڑے سے سامان کے سوا کچھ

نہیں“ دنیا تو آخرت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا

تُظْلَمُوْنَ قَلِيْلًا﴾ آپ کہہ دیں کہ دنیا کا سامان بہت ہی کم ہے اور آخرت اس کے لیے بہت ہی بہتر ہے جو حقیقی بنے اور تم پر ایک دھاگے کے

برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (النساء: 77) (3) سیدنا مستور رضی اللہ عنہ بنی فہر کے بھائی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم!

دنیا آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے کہ جس طرح تم میں سے کوئی آدمی اپنی انگلی اس (دریا) میں ڈال دے۔ یحییٰ نے شہادت کی انگلی

کی طرف اشارہ کیا اور پھر اس انگلی کو نکال کر دیکھے کہ اس میں کیا لگتا ہے۔ (صحیح مسلم: 7197) (4) سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر سوائے ہوئے بے دار ہوئے تو آپ ﷺ کے پہلو مبارک پہ نشان پڑے ہوئے تھے، ہم نے عرض

کیا: اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ کے لیے بستر نہ بنا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میں تو دنیا میں ایک سوار کی طرح

ہوں (جو دوران سفر) کسی درخت کے سایہ میں ٹھہرتا ہے اور آرام کرنے کے بعد اسے چھوڑ کر (اپنی منزل کی طرف روانہ) ہو جاتا ہے۔

(ترمذی: 2377) (5) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) بازار سے گزرتے ہوئے کسی بلندی سے

مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے دونوں طرف تھے۔ آپ ﷺ نے بھیڑ کا ایک بچہ جو چھوٹے کانوں والا تھا

مرا ہوا دیکھا۔ آپ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا: تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم میں

سے کوئی بھی اسے کسی چیز کے بدلے میں لینا پسند نہیں کرتا اور ہم اسے لے کر کیا کریں گے (کیونکہ یہ تو مردار ہے) آپ ﷺ نے فرمایا:

کیا تم چاہتے ہو، یہ تمہیں مل جائے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کی قسم! اگر یہ (بھیڑ کا بچہ) زندہ بھی ہوتا تو پھر بھی اس میں عیب تھا

کیونکہ اس کا کان چھوٹا ہے حالانکہ اب تو یہ مردار ہے (اسے کون لے گا؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے کہ جس طرح تمہارے نزدیک یہ مردار ذلیل ہے۔ (مسلم: 7418) (6) ﴿يَلْ تُوْتُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۗ وَالْآخِرَةَ حَيٰوةً وَّآٰبَتِي ۗ﴾ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ (الاعلىٰ: 16,17) (7) دنیا کی زندگی سے تھوڑا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ دنیا جدا ہو جائے گی اور انسان کو تباہی اور ہلاکت کے گھر میں بھجوانے کا سبب بن جائے گی۔

رکوع نمبر 10

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا اَنْزَلَ عَلَيْنَا آيٰةٌ مِنْ رَّبِّنَا ۗ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ (27) ﴾

”اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ اس پر کیوں نہیں اتارا گیا؟ آپ فرمادیں بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو رجوع کرے وہ اسے ہی اپنی طرف راہ دکھاتا ہے۔“ (27)

سوال 1: ﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا اَنْزَلَ عَلَيْنَا آيٰةٌ مِنْ رَّبِّنَا ﴾ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ اس پر کیوں نہیں اتارا گیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں“ کا فروں اور مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا۔

(2) ﴿ لَوْلَا اَنْزَلَ عَلَيْنَا آيٰةٌ مِنْ رَّبِّنَا ﴾ ”اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ اس پر کیوں نہیں اتارا گیا“ پچھلے انبیاء کی طرح آپ ﷺ

معجزات کیوں نہیں دکھاتے یعنی ان کا خیال تھا کہ معجزہ آتا تو وہ ایمان لاتے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ قُلْ اَنْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ

الْاَرْضِ ۗ وَمَا تُعْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّجُوْمُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۗ ﴾ کہہ دو کہ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے؟ اور نشانیاں اور ڈرانے والی

چیزیں ان کے کام نہیں آتیں جو لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (یونس: 101) (3) ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمٰتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۗ لَوْ جَاءَهُمْ كُلُّ

آيَةٍ حَتّٰى يَرَوْا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۗ ﴾ یقیناً جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہوگئی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگرچہ ان کے پاس ہر نشانی

آجائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔ (یونس: 96,97) (4) ﴿ لَوْ اَنَّآ نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتُوْنَ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ

شَيْءٍ قَبْلًا مَا كَانُوْا يُّؤْمِنُوْا اِلَّا اَنْ يَّسْآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ يَّجْحُوْنَ ۗ ﴾ اور اگر واقعاً ہم ان پر فرشتے اتار دیتے اور مردے ان سے

باتیں کرتے اور ہم ان کے سامنے ہر چیز جمع کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے تھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے لیکن ان میں سے اکثر جہالت

برتتے ہیں۔ (الانعام: 111)

سوال 2: ﴿ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ ﴾ ”آپ فرمادیں بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ ﴾ ”آپ فرمادیں بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے“ رب العزت نے اپنے نبی کو

حکم دیا ہے کہ آپ کہہ دیں ہدایت اور گمراہی تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔
(2) ہدایت اور گمراہی معجزات پر موقوف نہیں ہے۔

سوال 3: ﴿وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن أَرَادَ﴾ اور جو رجوع کرے وہ اسے ہی اپنی طرف راہ دکھاتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَهْدِي إِلَيْهِ﴾ ”اور وہ اپنی طرف راہ دکھاتا ہے“ وہ حق کی طرف ہدایت دیتا ہے یا اسلام کی طرف یا اپنی جناب کی طرف۔
(2) ﴿مَن أَرَادَ﴾ ”اسے ہی جو رجوع کرے“ جو توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ انابت کی اصل خیر اور بھلائی کی طرف رجوع کرنا ہے۔ (فتح القدیر: 102/3) (3) ہدایت معجزات سے نہیں رجوع الی اللہ سے ملتی ہے۔ اگر کسی نے ایک معجزہ، ایک نشانی بھی نہ دیکھی ہو لیکن وہ رب کی طرف رجوع کرے تو وہ اس کو ہدایت دیتا ہے یعنی نیکی کا الہام بھی کرتا ہے اور نیکیاں کرنے کی توفیق بھی دیتا ہے۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (28)

”جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے

ہیں۔“ (28)

سوال 1: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ﴾ ”جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”جو لوگ ایمان لائے“ جو لوگ اپنے رب کو مان لیتے ہیں، جن کے دل اس پر یقین کر لیتے ہیں۔ (2) ﴿وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ﴾ ”اور ان کے دل اطمینان پاتے ہیں“ ان کے دل سے اضطراب دور ہو جاتا ہے، قلق ختم ہو جاتا ہے۔ (3) ﴿بِذِكْرِ اللَّهِ﴾ ”اللہ تعالیٰ کی یاد سے“ ان کے دلوں کے اطمینان کا سبب اللہ تعالیٰ کا ذکر بنتا ہے۔ (4) اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ایمان والوں کے دلوں کو تسکین پہنچتی ہے۔ ان کی خوشی اور فرحت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہو کر کھل جاتے ہیں۔ (5) انسان کے لیے وہی چیز اطمینان اور خوشی کا باعث بنتی ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے، جس پر وہ یقین رکھتا ہے، جس سے اس کا دل جڑا ہوا ہوتا ہے۔ ذکر بھی ان ہی کو تسکین دیتا ہے جو رب پر یقین رکھتے ہیں اور اس سے محبت کرتے ہیں۔ (6) دنیا میں خوشی کے اور ذرائع بھی ہیں۔ تسکین اور اطمینان کے بہت سے اسباب ہیں مگر ان سے جو سکون اور خوشی ملتی ہے وہ عارضی ہوتی ہے دیرپا نہیں ہوتی۔ انسان عارضی سکون کے لیے وقتی خوشیوں کے لیے کتنی محنت کرتے ہیں اور حقیقی خوشی اور اطمینان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ایسے انسان دھوکے میں ہیں۔ (7) ذکر اللہ سے مراد تسبیح (سبحان اللہ) تہلیل (لا الہ الا اللہ) استغفار (استغفر اللہ) یا قرآن کی تلاوت ہے۔ (8) ایمان والوں کے دل اللہ تعالیٰ کی جانب مائل ہو کر خوش ہوتے ہیں اور اس کے ذکر میں تسکین پاتے ہیں اور اس کے مولیٰ اور مددگار ہونے پر راضی رہتے ہیں۔ (الاساس فی التفسیر:

(275/5) (9) جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے، اس کے ذکر سے کڑھنے لگتے ہیں، جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ﴾ اور جب اکیلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل تنگ پڑتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ (الزمر: 45)

سوال 2: ﴿الْأَبْدَانُ لِلَّهِ تَتَكَلَّمُ الْقُلُوبُ﴾ ”سن لو! اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الْأَبْدَانُ لِلَّهِ تَتَكَلَّمُ الْقُلُوبُ﴾ ”سن لو! اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے“ اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے، جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَ لَنْ كَرَّمَ اللَّهُ الْكِبْرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر یقیناً بہت بڑا ہے۔ (العنکبوت: 41) یہ ذکر مومنوں کے دلوں کو مطمئن کرتا ہے اور جہاں تک کافروں کا تعلق ہے تو ان کے دل دنیا کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں اور مشرکوں کے دل اپنے بتوں کے تذکرے سے مطمئن ہوتے ہیں۔ (2) ﴿تَتَكَلَّمُ الْقُلُوبُ﴾ ”دل اطمینان پاتے ہیں“ دلوں کا اطمینان اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہے۔ دلوں کے لائق اور سزاوار بھی یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا کسی چیز سے مطمئن نہ ہوں کیونکہ دلوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کے انس اور اس کی معرفت سے بڑھ کر کوئی چیز لذیذ اور شیریں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کی مقدار کے مطابق دل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس قول کے مطابق یہاں ذکر سے مراد بندے کا اپنے رب کا ذکر کرنا ہے مثلاً تسبیح اور تکبیر، تہلیل وغیرہ۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کتاب اللہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی یاد دہانی کے لئے نازل فرمائی ہے۔ تب ذکر الہی کے ذریعے سے اطمینان قلب کے معنی یہ ہوں گے کہ دل جب قرآن کے معنی اور اس کے احکام کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں تو اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ قرآن کے معانی حق بین پر دلالت کرتے ہیں اور دلائل و براہین سے ان کی تائید ہوتی ہے اور اس پر دل مطمئن ہوتے ہیں کیونکہ علم اور یقین کے بغیر دلوں کو اطمینان حاصل نہیں ہوتا اور کتاب اللہ کامل ترین وجوہ کے ساتھ علم اور یقین کو متضمن ہے۔ کتاب اللہ کے سوا دیگر کتب علم و یقین کی طرف راجع نہیں ہوتیں، اس لئے دل ان پر مطمئن نہیں ہوتے، بلکہ اس کے برعکس وہ دلائل کے تعارض اور احکام کے تضاد کی بنا پر ہمیشہ قلق کا شکار رہتے ہیں۔ ﴿وَلَوْ كَانُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں وہ بہت زیادہ اختلاف پاتے۔ (سورہ النساء: 82) اور یہ چیز کتاب اللہ کی دی ہوئی خبر، کتاب اللہ میں تدبیر اور دیگر مختلف علوم میں غور و فکر سے واضح ہو جاتی ہے۔ پس (طالب حق) ان کتب علوم اور کتاب اللہ کے درمیان بہت بڑا فرق پائے گا۔ (تفسیر سعدی: 2/1324، 1323) (3) دلوں کا اطمینان اللہ تعالیٰ کی توحید میں ہے اور کہا گیا ذکر سے مراد اطاعت ہے اور اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے وعدوں سے دل اطمینان پاتے ہیں اور اللہ کی قسم کھانے سے دلوں کو سکون ملتا ہے اور کہا گیا اس کی رحمت کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں۔ (فتح القدیر: 3/102) (4) طمانیت قلب سے مراد اللہ تعالیٰ کی یاد میں خوشی اور سکون ملنا ہے جو اس کے کمال کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جو اس کے ثواب پر راضی رہنے اور یقین سے ملتا ہے۔ (تفسیر اشعری: 368/3) (5) رب العزت نے سکون پانے کی کیفیت کا ذکر فرمایا ہے: ﴿ثُمَّ تَلْبِثُنَّ جُلُودَهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكُمْ هُدَىٰ اللَّهِ يَهْدِي بِهَا

مَنْ يَشَاءُ وَ مَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ حَادٍ ﴿٦﴾ پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف نرم ہو جاتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اس سے وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے وہ گمراہ کر دیتا ہے تو اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ (الزمر: 23) (6)

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ اِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَ جِلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَاذْا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهُ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَاَعْلٰى رٰبِعُهُمْ يَمُوْا كَأَنَّوْنَ ﴿٧﴾ بلاشبہ مومن وہی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ ان کو ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر اعتماد کرتے ہیں۔ (الانفال: 2) (7) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر آدمی کے دل کے دو خانے ہوتے ہیں، ایک خانہ میں فرشتہ کا ظہور ہوتا ہے اور دوسرے خانہ میں شیطان کا ظہور۔ جب آدمی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے کوسٹ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا تو شیطان اپنی چونچ آدمی کے دل کے اندر رکھ دیتا ہے اسی طرح وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے۔ (ابن ابی شیبہ فی المصنف) (8) شیطان نے اپنا منہ ابن آدم کے دل پر رکھا ہوا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو وہ کھسک جاتا ہے اور اگر وہ بھول جائے تو وہ اس کے دل کو لقمہ بنا لیتا ہے اور یہی وسوسہ ڈالنے والا خناس ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ) (9) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: جب میرا بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے ذکر سے ہونٹ ہلاتا ہے، میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (ابن ماجہ، ابن حبان) (10) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ذکر الہی کے لیے کوئی قوم جب اور جہاں بیٹھتی ہے تو ملائکہ ان پر گھیرا ڈال لیتے ہیں، رحمت الہی کا ان پر سایہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مجلس میں ان کا تذکرہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم 6855) (11) سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے رب کو یاد کرنے والے اور نہ یاد کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔ (بخاری) (12) سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل جنت کو صرف اس گھڑی کی حسرت ہوگی جس میں انہوں نے (دنیا میں) اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا ہوگا۔ (طبرانی، بیہقی) (13) جس گھر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ زندہ انسانوں کا گھر ہے اور جس گھر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا جاتا وہ مردہ شخص کا گھر ہے۔ (صحیح مسلم: 1823) (14) ابوداؤد کا قول ہے کہ: ہر شے کے لیے کوئی نہ کوئی چمکانے والی چیز موجود ہے اور دلوں کو چمکانے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ بیہقی نے مرفوعاً عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث ذکر فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ہر شے کے لیے صیقل ہے۔ دلوں کی صیقل ذکر الہی ہے، عذاب الہی سے بچانے کے واسطے انسان کے لیے ذکر الہی سے زیادہ کوئی چیز موجب نجات نہیں۔ صحابہ نے دریافت کیا: جہاد فی سبیل اللہ سے بھی؟ فرمایا: خواہ تلوار مارتے مارتے خود ہی شہید اور پرزہ پرزہ کیوں نہ ہو جائے۔ (15) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿الَّذِينَ يَدُّ كُرُوْنَ اِلٰهًا قَبِيْلاً وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُمُوْبِهِمْ وَّ يَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ رٰى مَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَا طِلًا ۗ سُبْحٰنَكَ قَبِيْلاً عَذَابِ الْاٰسٰرِ ﴿١٦﴾ وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا، آپ پاک ہیں، سو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالیں۔ (آل عمران: 191) (16) سیدہ عائشہ

صدقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اللہ (عزوجل) کا ذکر ہر حال میں کرتے تھے۔ (مسلم: 826)

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحَسُنَ مَا يُرِيدُ﴾ (29)

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے راحت و فرحت ہے اور اچھا ٹھکانہ ہے۔“ (29)

سوال 1: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحَسُنَ مَا يُرِيدُ﴾ ”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے راحت و فرحت ہے اور اچھا ٹھکانہ ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”جو لوگ ایمان لائے“ یعنی جو اللہ تعالیٰ، محمد ﷺ اور قرآن مجید پر ایمان لائے۔ (تفسیر سمرقندی: 2/236)

(2) یعنی جو اپنے دل سے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ (3) ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ”اور انہوں نے نیک عمل کیے“ ہر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خالصتاً اس کی رضا کے لیے اور نبی ﷺ کی سنت کے مطابق ہو وہ عمل صالح ہے۔ اعمال صالحہ کا تعلق دل، زبان اور اعضاء سے ہے۔ دل کے نیک اعمال جو دل کی عبادت ہیں ان میں اخلاص، اللہ تعالیٰ سے محبت، توکل، اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنا، اس سے امید باندھنا، تقویٰ، صبر، شکر، تفکر، محاسبہ وغیرہ ہیں۔ زبان کے اعمال میں ذکر الہی، دعا، تلاوت، قرآن مجید کی تعلیم، نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا وغیرہ آجاتا ہے اور اعضاء کے اعمال میں نماز، خدمت خلق کے کام، حلال رزق کمانا، دعوت الی اللہ کے کام اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ ہیں جن کے ذریعے ایمان کی تصدیق ہوتی ہے۔ (4) ﴿طُوبَىٰ لَهُمْ﴾ ”ان کے لیے راحت و فرحت ہے“ یعنی ایمان لا کر اچھے اعمال کرنے والوں کا حال اچھا ہے۔ (5) طوبیٰ جنت کے ایک درخت کا نام ہے جس کی ٹہنیاں ساری جنت میں پھیلی ہوئی ہیں اور ہر گھر میں اس کی ایک شاخ ہے۔ (ابن جریر) (6) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ اگر عمدہ گھوڑے یا تیز رفتاری کے لیے تیار گھوڑے کا سوار اس کے سائے میں سو سال تک بھی چلتا رہے تو اس کا سایہ ختم نہیں ہوگا۔ (بخاری: 6553) (7) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب جنت کی پیدائش ہو چکی اس وقت جناب باری نے یہی فرمایا تھا۔ کہتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت کا نام بھی طوبیٰ ہے کہ ساری جنت میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں ہر گھر میں اس کی شاخ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاتھوں سے بویا ہوگا۔ لولو کے دانے سے پیدا کیا ہے اور حکم الہی یہ بڑھا اور پھیلا ہے۔ اس کی جڑوں سے جنتی شہد، شراب، پانی اور دودھ کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ (ابن کثیر) (8) ﴿وَحَسُنَ مَا يُرِيدُ﴾ ”اور اچھا ٹھکانہ ہے“ یعنی جنت جو دارالسلام ہے، جس کی نعمتیں قائم رہنے والی ہیں۔ (9) یعنی ان کا حال پاک صاف اور ان کا انجام اچھا ہے اور یہ اس بنا پر ہے کہ انہیں دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی طرف سے اکرام و تکریم حاصل ہے اور انہیں کامل راحت اور پورا اطمینان قلب عطا کیا گیا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1324) (10) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم

قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ نبی ﷺ نے پوچھا، کیا چودہویں رات کو چاند دیکھنے میں کوئی دشواری ہوتی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! پھر آپ نے پوچھا کہ جب بادل نہ ہوں تو تمہیں سورج کو دیکھنے میں کوئی دشواری ہوتی ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں یا رسول اللہ! نبی ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے قیامت کے دن۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کرے گا اور فرمائے گا کہ تم میں جو کوئی جس چیز کی پوجا پاٹ کیا کرتا تھا وہ اس کے پیچھے لگ جائے۔ چنانچہ جو سورج کی پوجا پاٹ کیا کرتا تھا، وہ سورج کے پیچھے ہو جائے گا، جو چاند کی پوجا کرتا تھا وہ چاند کے پیچھے ہو جائے گا اور جو بتوں کی پوجا کیا کرتا تھا وہ بتوں کے پیچھے لگ جائے گا (اسی طرح قبروں تعزیوں کے پجاری قبروں تعزیوں کے پیچھے لگ جائیں گے) پھر یہ امت باقی رہ جائے گی اس میں بڑے درجے کے شفاعت کرنے والے بھی ہوں گے یا منافق بھی ہوں گے۔ ابراہیم کو ان لفظوں میں شک تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم یہیں رہیں گے۔ یہاں تک کہ ہمارا رب آجائے۔ جب ہمارا رب آجائے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جسے وہ پہچانتے ہوں گے اور فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں، وہ اقرار کریں گے کہ تو ہمارا رب ہے چنانچہ وہ اس کے پیچھے ہو جائیں گے اور دوزخ کی پیٹھ پر پل صراط نصب کر دیا جائے گا اور میں اور میری امت سب سے پہلے اس کو پار کرنے والے ہوں گے اور اس دن صرف انبیاء بات کر سکیں گے اور ان انبیاء کی زبان پر یہ ہوگا: اے اللہ مجھ کو محفوظ رکھ مجھ کو محفوظ رکھ۔ (بخاری: 7437)

﴿ كَذَلِكَ أَمْرُ سَلْتِكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ حَلَّتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَّةٌ لَتَنْتَلُوْا عَلَيْهِمُ الَّذِيْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمٰنِ لُقُلْ هُوَ

رَبِّيْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ (30) ﴾

”اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے یقیناً اس سے پہلے کئی قومیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ لوگوں کو وہ پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور وہ رحمن کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیں وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔“ (30)

سوال 1: ﴿ كَذَلِكَ أَمْرُ سَلْتِكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ حَلَّتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَّةٌ ﴾ ”اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے یقیناً اس سے پہلے کئی قومیں گزر چکی ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ كَذَلِكَ أَمْرُ سَلْتِكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ حَلَّتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَّةٌ ﴾ ”اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے یقیناً اس سے پہلے کئی قومیں گزر چکی ہیں“ یعنی جیسے ہم نے پہلے رسولوں کو بھیجا اسی طرح آپ ﷺ کو مبعوث کیا تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں اور اس کا پیغام پہنچائیں۔

سوال 2: ﴿لَتَشْكُرُوا عَلَيْنَهُمُ الَّذِينَ يَأْتِيكَ مِنْهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ﴾ ” تاکہ آپ لوگوں کو وہ پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور وہ رحمن کے ساتھ کفر کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَتَشْكُرُوا عَلَيْنَهُمُ الَّذِينَ يَأْتِيكَ مِنْهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ﴾ ” تاکہ آپ لوگوں کو وہ پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے“ یعنی آپ ﷺ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی کو تلاوت کریں جو رحمت، ہدایت اور شفا ہے۔ (2) آپ ﷺ ان پر قرآن پڑھیں جس میں تذکیر، تعلیم، خوش خبریاں اور ڈراوے ہیں۔ (3) قرآن حکیم کی آیات دلوں کے لیے شفا ہیں، وہ انسان کے نفس کا تزکیہ کرتی ہیں۔ یہ آیات ہدایت ہیں، ان کی وجہ سے بندوں کو زندگی گزارنے کے لیے راہ نمائی ملتی ہے۔ (4) ﴿وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ﴾ ” اور وہ رحمن کے ساتھ کفر کرتے ہیں“ مکہ والوں کو اللہ تعالیٰ کے اسماء الرحمن اور الرحیم سے شرم آتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے سے انہیں آرتی تھی۔ اس لیے کہتے تھے کہ ہم رحمن کو نہیں جانتے، اس لیے فرمایا: ﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَدْعُوا الرَّحْمَنَ أَيُّ مَآئِدَةٍ عُوا فَلَئِنَّ الْأَسْمَاءَ الْخُسْفَى﴾ آپ کہہ دیں کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو، جس سے بھی تم پکارو سب بہترین نام اسی کے ہیں۔ (بنی اسرائیل: 110) (5) الرحمن وہ ہے جس نے آپ ﷺ کو ان کی طرف ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ ان کو سعادت اور کمال حاصل ہو اور وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ (ایسراف: 71، 72) (6) وہ الرحمن کا انکار کرتے ہیں جس نے اتنی نعمتیں عطا کی ہیں جن کا وہ شمار نہیں کر سکتے۔ اس کی رحمت نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے اور وہ اس کی رحمت اور اس کے فضل کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اس کا احسان ہے کہ اس نے قرآن نازل فرمایا جو دنیا و آخرت کے مصالح کی کفالت کرنے والا ہے۔

سوال 3: ﴿قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ﴾ ” آپ کہہ دیں وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ ” آپ کہہ دیں وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں“ یہ آیت کریمہ دو قسم کی توحید کو متضمن ہے، توحید الوہیت اور توحید ربوبیت۔ پس وہ میرا رب ہے اور جب سے وہ مجھے وجود میں لایا ہے اس وقت سے میری پرورش کر رہا ہے اور وہی میرا معبود ہے۔ (تفسیر سعدی: 1325/2) (2) میرا ایمان ہے، وہی میرا رب ہے اور وہی سچا معبود ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ (3) ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ ” اسی پر میں نے بھروسہ کیا“ وہی اعتماد کے لائق ہے۔ میں اپنے ہر کام میں اسی پر اعتماد کرتا ہوں، ہر مومن کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہئے کیونکہ اس کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس سے زیادہ کوئی اپنے وعدوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ مومن اپنے سارے معاملات اس کے حوالے کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی بھروسے کے لائق نہیں۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو وہی اس کو کافی ہے۔ (الطلاق: 3) (5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت میں کچھ ایسی قومیں داخل ہوں گی کہ

جن کے دل نرم مزاجی اور توکل علی اللہ میں پرندوں کی طرح ہوں گے۔ (صحیح مسلم: 7162) (6) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو بھی ایسے رزق دیا جائے جیسا کہ پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ صبح کو وہ گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔ (جامع ترمذی: 2344) (7) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص گھر سے نکلتے وقت یہ دعا، بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ اللّٰهُ تَعَالَى کے نام سے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہوں، طاقت اور قوت اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ہے، پڑھ لیتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے تو کفایت کیا گیا ہے اور شر سے محفوظ کیا گیا ہے اور شیطان اس سے دور رہتا ہے۔ (جامع ترمذی: 3426) (8) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: اللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اَمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَآلَيْكَ اَنْبَتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ اللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ لِاِلٰهٍ اِلَّا اَنْتَ اَنْ تَضِلَّنِيْ اَنْتَ الْحَيُّ الَّذِىْ لَا يَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ يَمُوْتُوْنَ ” اے اللہ! میں تیرا فرمان بردار ہوا اور تجھ پر ایمان لایا اور تجھ ہی پر میں نے بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف میں نے رجوع کیا اور تیرے ہی لیے میں نے جھگڑا کیا۔ اے اللہ! میں تیری عزت کی پناہ میں آتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں یہ کہ تو مجھے گمراہ کرے۔ تو ہی زندہ ہے جسے کبھی موت نہیں آتی اور جن اور انسان تو مر جائیں گے۔ (مسلم: 2717) (9) سیدنا ابوعمار براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فلاں! جب تو اپنے بستر کی طرف جگہ پلڑے یعنی لیٹ جائے تو یہ پڑھ لیا کر: اللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَالْجَاثُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَا وَلَا مُنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِىْ اَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِىْ اَرْسَلْتَ ” اے اللہ! میں نے اپنا نفس تیرے سپرد کر دیا اور اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کر لیا اور اپنا معاملہ تجھے سونپ دیا ہے اور اپنی پیٹھ تیری طرف لگالی ہے تیری طرف رغبت کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے، تیری گرفت کے مقابلے میں تیرے سوا کوئی جائے پناہ اور مقام نجات نہیں۔ میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل کی اور اس پیغمبر کو مانا جسے تو نے بھیجا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اگر تجھے تیری اس رات میں موت آگئی تو تجھے فطرت اسلام پر موت آئے گی اور اگر تو نے صبح کی یعنی موت نہ آئی تو تو بھلائی کو پہنچ گیا۔ (بخاری: کتاب الدعوات) (10) ﴿وَالَيْهِ مَتَابٌ﴾ ” اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے، ” میں اسی کی درگاہ میں تو بہ کرتا ہوں۔ (بخاری کتاب التفسیر) (11) یعنی میں اپنی تمام عبادات اور حاجات میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ (تفسیر سعدی: 2/1325)

سوال 4: توکل کی صفت اپنے اندر کیسے پیدا کریں؟

جواب: (1) توکل کے لئے ضروری ہے کہ انسان یہ یقین رکھے، اپنے دل میں چند باتیں بٹھالے کہ (i) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں۔ (ii) اللہ تعالیٰ پورے علم والا ہے وہ نینوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہے۔ (iii) اللہ تعالیٰ تمام اختیارات کا مالک ہے۔ (iv) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بڑھ کر کسی کی رحمت نہیں۔ (v) اللہ تعالیٰ کی قوت سے زیادہ کسی کی قوت نہیں۔ (vi) اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی سے بڑھ کر کسی کی راہ

نمائی نہیں۔ (2) توکل کے لئے دل کی قوت چاہیے، یقین کی طاقت چاہیے۔ دل کی قوت ایمان کی قوت سے ہے اور ایمان کو دل میں بٹھانا پڑتا ہے اور دل میں بٹھانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا کلام یہ یقین دل میں بٹھاتا ہے، کوشش انسان کے پارٹ پر ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے کلام کو دن رات تلاوت کرے، ذاتی رشتہ قائم کرنا ضروری ہے۔ دعا لازم ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! اس قرآن حکیم کو میرے دل کی بہار، میری آنکھوں کا نور، میرے غم کا مداوا بنا دے۔ (3) اللہ تعالیٰ کی ذات پر اتنا اعتماد رکھے جتنا انصاف کے حصول کے لئے وکیل پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ یہ پہلا درجہ ہے۔ (4) اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایسا اعتماد رکھے جیسا ننھا بچہ اپنی ماں پر یقین رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا شیدائی ہے۔ اپنے سارے کام اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے یہ سچا توکل ہے۔ (5) اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں انسان ایسا ہو جائے جیسے میت کو نہلانے والے کے ہاتھ میں میت ہوتی ہے، نہ اپنی مرضی، نہ resistance، پوری حواگی۔ (6) یہ توکل انسان کے اندر مسلسل توجہ سے اور کوشش سے پیدا ہوگا۔ مسلسل کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع سے مراد ہے اپنے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے فیصلہ لینا۔ (2) اپنی غلطیوں پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا۔ (3) اپنے سارے کاموں میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا۔ (4) اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنا۔ (5) اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ (6) اللہ تعالیٰ کے آگے جھکے رہنا۔

﴿وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمَةٌ بِهِ السَّمَوَاتُ لَبُلَّ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَبِيحًا ۗ أَلَمْ يَأْتِ الْبَشَرِ الْأَمْرًا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهْدَى النَّاسَ جَبِيحًا ۗ وَلَا يَرِئَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا نُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةً أَوْ تَحُلُّ قُرَيْبًا مِنْ دَارِهِمْ حَطْلًا ۗ يَأْتِي وَعْدُ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ (31)

”اور اگر واقعاً قرآن ایسا ہوتا جس کے ساتھ پہاڑ چلا دیئے جاتے یا جس کے ساتھ زمین ٹکڑے کر دی جاتی یا اس کے ساتھ مردوں سے کلام کیا جاتا۔ بلکہ سارے کا سارا کام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ تو کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں مایوس نہیں ہو گئے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب انسانوں کو ہدایت دے دیتا اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کا ہمیشہ یہی حال رہے گا کہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان پر کوئی نہ کوئی آفت آتی رہے گی یا ان کے گھر کے قریب کہیں نازل ہوتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔“ (31)

سوال 1: ﴿وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمَةٌ بِهِ السَّمَوَاتُ لَبُلَّ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَبِيحًا﴾ ”اور اگر واقعاً قرآن ایسا ہوتا جس کے ساتھ پہاڑ چلا دیئے جاتے یا جس کے ساتھ زمین ٹکڑے کر دی جاتی یا اس کے ساتھ مردوں سے کلام کیا جاتا۔ بلکہ

سارے کا سارا کام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے قرآن مجید کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا﴾ ”اور اگر واقعاً قرآن ایسا ہوتا“ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں سے کوئی ایسا قرآن ہوتا۔ (2) ﴿سُيُوتُ بِهِ الْجِبَالُ﴾ ”جس کے ساتھ پہاڑ چلا دیئے جاتے“ جس سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے ﴿أَوْ تُطَعَّثُ بِهِ الْأَمْثُلُ﴾ ”یا جس کے ساتھ زمین ٹکڑے کر دی جاتی“ یا اس کے ذریعے زمین ٹکڑے ٹکڑے کر دی جاتی یعنی اسے پھاڑ کر دریاؤں اور باغوں میں تبدیل کر دیا جاتا ﴿أَوْ كَلِمَ بِهِ الْمَوْتَى﴾ ”یا اس کے ساتھ مردوں سے کلام کیا جاتا“ یا اس کے ذریعے، اس کی برکت سے مردے زندہ ہو کر بولنے لگتے تو وہ قرآن ہی ہوتا جس میں یہ صفات پائی جاتیں۔ (3) اس قرآن میں وہ اعجاز ہے کہ تمام انسان اور جن مل کر بھی اس کی آیت نہیں بنا سکتے۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ﴾ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو یقیناً آپ اسے اللہ تعالیٰ کے خوف سے پست ہونے والا ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا دیکھتے۔ (الحشر: 21) (5) نبی ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو کوئی نہ کوئی ایسا معجزہ ملا جسے دیکھ کر لوگ ایمان لائے، مجھے ایسا معجزہ ملا جو قرآن ہے اور مجھے امید ہے کہ میری امت کی تعداد تمام امتوں کی تعداد سے زیادہ ہوگی۔ (ابن کثیر) (6) ﴿بَلَىٰ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا﴾ ”بلکہ سارے کا سارا کام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے“ وہ جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ (7) اس لئے اللہ تعالیٰ صرف وہی معجزے دکھاتا ہے جن کا تقاضا اس کی حکمت کرتی ہے۔ تب ان جھٹلانے والوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنی خواہش سے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں؟ پس کیا ان کو یا کسی اور کو آیات و معجزات پر کوئی اختیار ہے؟ پس انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو ہدایت دینے پر قادر ہے مگر اللہ تعالیٰ ایسا کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1326، 1325) (8) افسوس تو یہ ہے کہ وہ قرآن جیسی مقدس کتاب کو ٹھکرارہے ہیں۔ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی پیدا کرنے والا ہے، قدرت رکھنے والا، ہر چیز کا مالک ہے، جو وہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔

سوال 2: ﴿أَفَلَمْ يَأْتِكُم مِّنَ الَّذِينَ آمَنُوا أَن لَّوِيسَاءُ اللَّهِ لَهْدَىٰ النَّاسَ جَمِيعًا﴾ ”تو کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں مایوس نہیں ہو گئے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب انسانوں کو ہدایت دے دیتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”تو کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں مایوس نہیں ہو گئے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب انسانوں کو ہدایت دے دیتا“ ایمان والے کیوں ناامید ہو گئے؟ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہدایت دینے پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا اور ساری دنیا میں لوگ صرف اسلام پر چلتے مگر اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرنا چاہتا۔ وہ جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔

سوال 3: ﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُصِيبَهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةً أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّنْ دَارِهِمْ﴾ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کا ہمیشہ یہی

حال رہے گا کہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان پر کوئی نہ کوئی آفت آتی رہے گی یا ان کے گھر کے قریب کہیں نازل ہوتی رہے گی، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کا ہمیشہ یہی حال رہے گا، یعنی کافر کبھی نصیحت حاصل نہیں کرتے اسی وجہ سے کافروں پر ہمیشہ مصیبتیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ (2) ﴿ثُمَّ يَصِيبُهُمُ بِمَا صَنَعُوا﴾ ان کے اعمال کی وجہ سے ان پر آتی رہے گی، یعنی ان کے کفر و شرک کی وجہ سے۔ (3) ﴿قَارِعَةً﴾ ”کوئی نہ کوئی آفت“ یعنی ایسا اندوہ ناک عذاب جس سے ان کے دل ڈر جائیں اور وہ خوف اور غم میں مبتلا ہوں مثلاً بیماری، قتل اور قید وغیرہ۔ (ایسر التفسیر: 713) (4) قارعة: آفت، مصیبت۔ (بخاری کتاب التفسیر) (5) ﴿أَوْ تَعْلُ قَرْيَةً﴾ ”یا ان کے گھر کے قریب کہیں نازل ہوتی رہے گی“ یا ان کے آس پاس کی بستیاں مصائب کا شکار رہتی ہیں تاکہ وہ عبرت پکڑیں اور اپنی بد اعمالیوں سے باز آجائیں۔ (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا صَاحَوْكُمْ مِنَ الْقَرْيَةِ وَصَرَفْنَا الْإِزْلِيمَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ اور ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر دیں اور ہم نے پھیر پھیر کر اپنی آیات بیان کیں، شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔ (الاحقاف: 27) (6) ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ إِلَّا أَوْ اِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کو بیشگی نہیں دی، سو کیا اگر آپ وفات پا جائیں تو وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ (الانبیاء: 34)

سوال 4: ﴿حَلِي يَا قِيَوْمُ وَعَدَا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ﴾ ”یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿حَلِي يَا قِيَوْمُ وَعَدَا اللَّهُ﴾ ”یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے“ حسن نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سے مراد قیامت ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ کے وعدے سے مراد فتح مکہ، ناگہانی آفت یا قیامت کا دن ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 926/1) (3) ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا“، یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اور رسول اللہ ﷺ سے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا کیونکہ وہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفًا وَعْدَهُمْ سَلَةً إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ چنانچہ آپ اللہ تعالیٰ کو ہرگز ایسا نہ سمجھیں کہ وہ اپنے رسولوں سے وعدے کے خلاف کرنے والا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، انتقام لینے والا ہے۔ (ابراہیم: 47) (5) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول عذاب کے بارے میں تہدید و تحویف ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر، عناد اور ظلم کی بنا پر وعدہ کر رکھا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1326، 1325/2)

رکوع نمبر 11

﴿وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْتُمْ بِرُسُلِ رَبِّكُمْ لَقَدْ أَخَذْنَا مِنْكُمْ كَفْرًا إِنَّكُمْ كَانْتُمْ كَذِبًا﴾ (32)

”اور بلاشبہ یقیناً آپ سے پہلے بھی کئی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ہے تو میں نے ان کو مہلت دی جنہوں نے کفر کیا پھر میں نے انہیں آپکا

تو کیسا تھا میرا عذاب!“ (32)

سوال 1: ﴿وَلَقَدْ آسَأْتُنَّزِي رَسُولٍ مِّن مَّبَلِّك﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً آپ سے پہلے بھی کئی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور بلاشبہ یقیناً آپ سے پہلے بھی کئی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ہے“ رب العزت نے نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کہ لوگوں کے جھٹلانے کا غم نہ کریں، آپ ﷺ سے پہلے بھی لوگ جھٹلائے جاتے رہے ہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے بھی کوئی رسول ایسا نہیں گزرا جس کا مذاق نہ اڑایا گیا ہو جیسا کہ فرمان الہی ہے۔ ﴿وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّن سُرْسُلٍ إِلَّا كَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ﴾ اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا تھا مگر وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ (الحج: 11) (2) آپ ﷺ کی مشرک قوم آپ ﷺ کو جھٹلاتی ہے تو دراصل اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتی ہے۔ ان کی اذیتوں پر صبر کریں اور اپنے رب کے حکم پر ثبات قدمی سے عمل کریں اور انہیں برے انجام سے ڈراتے رہیں۔

سوال 2: ﴿فَأَمْكَيْتَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِمَ أَخَذْتَهُم بِكَيْفٍ كَانَ عِقَابِ﴾ ”تو میں نے ان کو مہلت دی جنہوں نے کفر کیا پھر میں نے انہیں آپکا تو کیسا تھا میرا عذاب!“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَأَمْكَيْتَ﴾ میں نے ڈھیلا چھوڑا مہلت دی، یہ لفظ ملی اور ملاوۃ سے نکلا ہے اسی سے نکلا ہے جو جبرائیل کی حدیث میں ہے۔ فلبت ملیا (یا قرآن میں ہے) واہجونی ملیا اور کشادہ لمبی زمین کو ملا کہتے ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر) (2) ﴿فَأَمْكَيْتَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ پھر ایک مدت تک میں نے ان کو مہلت دی جنہوں نے رسولوں کا انکار کیا حتیٰ کہ انہیں یقین ہو گیا کہ انہیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ (3) ﴿لِمَ أَخَذْتَهُم﴾ ”پھر میں نے انہیں آپکا“ یعنی انہیں مختلف طرح کے عذابوں میں پکڑ لیا۔ (4) ان کی نافرمانیوں اور تکذیب کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا۔ (تفسیر سمرقندی: 2/238) (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ لِّمَنَّا أَخَذْنَا بِهَا مِنَ الصَّيُورِ﴾ اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں میں نے ڈھیل دی اس حال میں کہ وہ ظالم تھیں پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ (الحج: 48) (6) ﴿فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ﴾ ”تو کیسا تھا میرا عذاب!“ یعنی غور تو کرو میں نے ان کے ساتھ کیا کیا؟ انہیں مہلت دی پھر پکڑ لیا اور تباہ کر دیا۔ (7) اللہ تعالیٰ کی سزا بڑی سخت اور اس کا عذاب بڑا دردناک ہے۔ وہ لوگ جو آپ کو جھٹلاتے ہیں اور آپ کا تمسخر اڑاتے ہیں، ہماری دی ہوئی مہلت سے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں، ان کے سامنے ان سے پہلے گزری ہوئی قوموں کا نمونہ موجود ہے، لہذا انہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان کے ساتھ بھی وہی سلوک نہ کیا جائے جو گزشتہ نافرمان قوموں کے ساتھ کیا گیا۔ (تفسیر سعدی: 2/1326) (8) سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ظالم کو چند روز دنیا میں مہلت دیتا رہتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔ راوی نے بیان کیا پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی ”اور تیرے پروردگار کی پکڑ اسی طرح ہے جب وہ بستی

کے علم میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس کی شریک ہو تو ان کے اس دعویٰ کا بطلان واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے اور تم اس شخص کی مانند ہو جو اللہ تعالیٰ کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس کا کوئی شریک ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہیں ہے اور یہ باطل ترین قول ہے۔ (تفسیر سعدی: 1327/2) (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا﴾ اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اسے بھی جانتا ہے۔ (الانعام: 59)

(6) ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رَاغِبَةٌ وَاعْلَمُ مَسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ زمین میں چلنے والا کوئی جان دار نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو بھی جانتا ہے اور اس کے سوچنے جانے کی جگہ کو بھی، سب کچھ ایک واضح کتاب میں ہے۔ (ہود: 6) (7) ﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُؤَيَّبُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يُعْزَبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ شَيْءٍ ذَرَفٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ اور آپ کسی حال میں نہیں ہوتے اور نہ آپ اس کی طرف سے قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہیں اور نہ کوئی عمل کرتے ہیں مگر ہم تمہارے اوپر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو اور آپ کے رب سے نہ کوئی ذرہ برابر چیز زمین میں غائب ہوتی ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر ایک واضح کتاب میں ہے۔ (یونس: 61) (8) ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۗ يَعْلَمُ مَا يَدْرَجُونَ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۗ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر بلند ہوا، وہ جانتا ہے جو زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور جہاں کہیں تم بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ (الحديد: 4) (9) ﴿أَمْ يظَاهِرُونَ الْقَوْلَ﴾ ”یا یہ ظاہری باتوں میں سے ہیں“ تمہارے دعویٰ کہ اللہ تعالیٰ کا شریک ہے، کی انتہا یہ ہے کہ یہ تمہاری خالی خالی باتیں ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور تمام کائنات میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو کچھ بھی عبادت کی مستحق ہو۔ (تفسیر سعدی: 1327.1328/2) (10) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمِيئَةٌ مَوْهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۗ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَىٰ الْأَنفُسُ ۗ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ رَبِّهِمْ الْهُدٰى ۗ﴾ یہ (بت) کچھ نہیں سوائے چند ناموں کے جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، نہیں وہ پیچھے چلتے مگر وہم و گمان کے اور جو ان کے دل چاہتے ہیں۔ حالانکہ بلاشبہ یقیناً ان کے رب کی جناب سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔ (انجم: 23) (11) حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگوں نے کچھ نام گھڑ لیے پھر خود ہی انہیں نفع اور نقصان پر قادر سمجھ لیا پھر انہیں پوجنے لگے۔ تمہارے پاس نہ اس کی کوئی عقلی دلیل ہے، نہ نقلی، محض وہم ہے۔

سوال 2: ﴿بَلْ يُرِيدُ الَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرَهُمْ وَصَلُّوا عَنِ السَّبِيلِ﴾ ”بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا ان کی مکاریاں ان کے لیے خوش نمابندی گئی ہیں اور وہ سیدھے راستے سے روک دیے گئے“ کی وضاحت کریں؟

سوال 1: ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَعَذَابٌ الْآخِرَةِ أَشَقُّ﴾ ”ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور یقیناً آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ سخت ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے“ یعنی دنیا کی زندگی میں ان کے لیے سخت عذاب ہیں۔ قید اور دیگر ساری مصیبتیں۔ (تفسیر مراغی: 90/5) (2) ﴿وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ﴾ ”اور یقیناً آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ سخت ہے“ یعنی آخرت کا عذاب اپنی شدت کی وجہ سے بھی دنیا کے عذاب سے سخت ہے اور دوسرا وہ دائمی عذاب ہے۔ (3) نبی ﷺ نے لعان کرنے والوں سے یہ کہا تھا: ان عذاب الدنیا ہون من عذاب الآخرة بے شک دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے۔ (مسلم: 3746) (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿فِيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَآءَهُ أَحَدًا﴾ چنانچہ اس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب جیسا کوئی عذاب نہ دے گا۔ (انجیر: 25)

سوال 2: ﴿وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ﴾ ”اور انہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور انہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں“ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بچانے والا نہیں ہوگا کہ ان سے عذاب کو ہٹا دے یا اس کو دور کر دے۔ (2) جب وہ عذاب میں مبتلا کر دیے جائیں گے تو اسے کوئی روک نہیں سکے گا۔

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ ۚ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظُلُمَاتُهَا لَيْسَ فِيهَا كُفْرٌ ۚ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا وَعُقْبَىٰ

الْكُفْرِينَ ۖ الْآثَرُ (35)﴾

”جنت کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے، اس کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہیں۔ یہ ان

لوگوں کا انجام ہے جو متقی بنے اور کافروں کا انجام آگ ہے۔“ (35)

سوال 1: ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ ۚ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظُلُمَاتُهَا﴾ ”جنت کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے، اس کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ﴾ ”جنت کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے“ جنت جس کا وعدہ کیا گیا ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر نیک اعمال کیے اور اس کے عذاب کے خوف سے برے اعمال سے بچتے رہے۔ یہ وعدہ خالق و مالک کی جانب سے متقیوں سے کیا گیا۔ (2) یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نواہی کو ترک کر دیا اور اس کے اوامر کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کی، ان کے لئے جنت کا وعدہ ہے۔ (تفسیر سعدی: 1328/2) (3) ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ”اس کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں“ جنت کیسی ہے؟ اس کا ماحول کیا ہے؟ اس میں کیسی کیسی نعمتیں رکھی گئیں؟ وہاں نہریں بہ رہی ہوں گی، شراب کی نہریں جو پینے والوں کی عقل

مختل کرے گی نہ اس سے سرد درد ہوگا، دودھ کی نہریں جو کبھی خراب نہیں ہوگا۔ پانی کی نہریں جو شفاف ہوگا۔ شہد کی نہریں جس میں مری ہوئی مکھیوں کی ٹانگیں نہیں ہوں گی، ایسی نہریں جو جنت کے باغوں کو سیراب کریں گی اور باغات میں طرح طرح کے پھل ہوں گے۔ ایسی نہریں جس میں گڑھے نہیں ہوں گے۔ (5) ﴿اَلْاَکْاٰدِ اَیْمٌ وَّظَلْمًا﴾ ”اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہیں“ اس کے پھل ہمیشہ رہیں گے نہ موسم ختم ہوگا، نہ درختوں پر پھل ختم ہوں گے۔ وہ درخت کبھی فنا نہیں ہوں گے۔ (6) جنت کے پھل اور اس کی چھاؤں دائمی ہے۔ (7) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَا یَرَوْنَ فِیْہَا شَیْئًا سَاوًا لَّا رَمَہُمْ یَیُّوۡا ﴿۱۳﴾﴾ نہ اس میں وہ شدید دھوپ دیکھیں گے اور نہ ہی بخ سردی۔ (الانسان: 13) (8) ایک دن ظہر کی نماز میں ہم رسول ﷺ اللہ کے ساتھ تھے کہ آپ آگے بڑھے پھر ہم نے دیکھا کہ آپ نے کوئی چیز لینے کا ارادہ کیا پھر آپ پیچھے ہٹ آئے نماز کے خاتمے کے بعد سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آج تو ہم نے آپ کو ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا کہ آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میرے سامنے جنت پیش کی گئی جو تروتازہ تازگی سے مہک رہی تھی میں نے چاہا کہ اس میں سے ایک خوشہ انگور کا توڑ لاؤں لیکن میرے اور ان کے درمیان آڑ آگئی اگر میں اسے توڑ لاتا تو تمام دنیا ساری زندگی تک کھاتی رہتی اور ذرا بھی کمی نہ آتی۔ ایک دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا جنت میں انگور ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اتنے بڑے ہوں گے کہ کالا کوا اگر اس پہ مینے بھر بھاگتا رہے تو بھی اگلے خوشے تک نہ پہنچ سکے!!! (ابویعلیٰ) (9) حدیث میں ہے کہ جنتی جب پھل توڑیں گے تو فوراً اس کی جگہ نیا پھل لگ جائے گا۔ رسول ﷺ نے فرمایا: جنتی لوگ بہت کھائیں پیئیں گے پھر انہیں نہ تھوک آئے گی نہ ناک نہ پیشاب اور بس مشک جیسی خوشبو والا پسینہ آئے گا۔ اور اس سے کھانا ہضم ہو جائے گا۔ جیسے سانس بے تکلف چلتا ہے اور اس طرح تسبیح اور تقدیس الہام کی جائے گی۔ (ابن کثیر: 55) (10) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنتی جنت میں خوب کھائیں پیئیں گے، لیکن وہ نہ تھوکیں گے، نہ پیشاب کریں گے اور نہ پاخانہ اور نہ ناک جھاڑیں گے۔ لوگوں نے عرض کی کہ پھر کھانا، کہاں جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں ڈکارا اور پسینہ آئے گا، اس میں مشک کی خوشبو ہوگی۔ (بس اسی سے ان کا کھانا وغیرہ ہضم ہو جائے گا) اور (جنت میں) ان کی زبانوں پر تسبیح و تحمید اس طرح جاری ہوگی جس طرح سانس چلتا ہے۔ (مسلم: 7152) (11) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ جس کے سائے میں چلنے والا عمدہ تیز رفتار گھوڑے کا سوار سو سال تک چل کے بھی اسے طے نہیں کر سکتا۔ (صحیح مسلم: 7139) (12) سیدنا سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ جس کے سائے میں چلنے والا سو سال تک بھی طے نہیں کر سکتا۔ (صحیح مسلم: 7138) (13) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت والے اپنے اوپر کے بالا خانہ والوں کو اس طرح دیکھیں گے کہ جس طرح تم مشرقی یا مغربی کناروں میں چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ اس وجہ سے کہ جنت والوں کے درجات میں آپس میں تفاوت ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول

ﷺ! کیا وہ انبیاء علیہم السلام کے درجات ہوں گے کہ جن تک ان کے علاوہ کوئی نہیں پہنچ سکے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! ان لوگوں کو بھی وہ درجات عطا کیے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اس کے رسولوں کی تصدیق کریں۔ (صحیح مسلم: 7144) (14) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جنت والوں سے فرمائے گا: اے جنت والو! جنتی عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! ہم حاضر ہیں اور نیک و بخشتی اور بھلائی تیرے ہی قبضے میں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تمہیں ان نعمتوں سے بھی بڑھ کر اور نعمت عطا نہ کروں۔ جنتی عرض کریں گے: اے پروردگار! ان نعمتوں سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی۔؟ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم سے اپنی رضا اور خوشی کا اعلان کرتا ہوں اب اس کے بعد سے میں تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (صحیح مسلم: 7140)

سوال 2: ﴿تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ الْكَاثِرُ﴾ ”یہ ان لوگوں کا انجام ہے جو متقی بنے اور کافروں کا انجام آگ ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا﴾ ”یہ ان لوگوں کا انجام ہے جو متقی بنے“ یعنی ان کا انجام جو رب پر ایمان لائے، اس کی عبادت کی، اس کو ایک جانا، اس کے اوامر و نواہی میں اس کی اطاعت کی۔ (ایسر التفسیر: 715) (2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت تکلیفوں سے گھری ہوئی ہے جب کہ دوزخ نفسانی خواہشات سے گھری ہوئی ہے۔ (صحیح مسلم: 7130) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحِلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمُ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَأْسِهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ ﴿بلاشبہ مومن وہی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ ان کو ایمان میں بڑھادیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر اعتماد کرتے ہیں۔ (الانفال: 2) (4) سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جہاں کہیں ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور برائی کو بھلائی کے ساتھ مٹا دو اور لوگوں کے ساتھ نیک خلقی کے ساتھ پیش آؤ۔ (جامع ترمذی: 1987) (5) رسول اللہ ﷺ تقویٰ کے لیے دعا کرتے تھے۔ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْهُدٰی وَالتَّقٰی وَالعَفَافَ وَالعِنٰی ”اے اللہ میں تجھ سے ہدایت تقویٰ پاک دامنی اور غنا مانگتا ہوں۔ (صحیح مسلم: 6904) (6) ﴿وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ الْكَاثِرُ﴾ ”اور کافروں کا انجام آگ ہے“ یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا، گناہ کیے اور اپنے نفسوں کو گناہوں میں آلودہ کیا ان کا انجام آگ ہے۔ دیکھو دونوں گروہوں کے انجام میں کتنا فرق ہے۔ (7) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَا یَسْتَوِیْ اَصْحَابُ النَّارِ وَاَصْحَابُ الْجَنَّةِ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ الْقَائِمُونَ﴾ ﴿دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہو سکتے، جنت میں جانے والے ہی کامیاب ہیں۔ (الحشر: 20)

﴿وَالَّذِينَ اتَّبَعَتْهُمْ يُقْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ قُلْ إِنَّمَا أَمْرٌ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا

أَشْرِكْ بِهِ ۖ إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مآبُ (36) ﴿﴾

”اور جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو آپ پر اتارا گیا ہے اور ان گروہوں میں ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض حصے کا انکار کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیں مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ بناؤں۔ میں اس کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔“ (36)

سوال 1: ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَنْصُرُهُمْ وَاللَّهُ مَنَّانٌ﴾ اور جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو آپ پر اتارا گیا ہے اور ان گروہوں میں ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض حصے کا انکار کرتے ہیں، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ﴾ اور جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، رب العزت نے فرمایا جن لوگوں کو ہم نے کتاب اللہ یعنی قرآن مجید دی ہے۔ وہ اس کی تلاوت کا حق بھی ادا کرتے ہیں۔ اس کا علم بھی حاصل کرتے ہیں، اس کو سمجھتے ہیں، اس پر غور و فکر کرتے ہیں، اس کی معرفت رکھتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اسے پڑھتے ہیں جیسا کہ اسے پڑھنے کا حق ہے، وہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ (البقرہ: 121) (2) وہ رب ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا وہی جس کو چاہتا ہے اس کا فہم دیتا ہے، اس کی معرفت عطا کرتا ہے۔ (3) عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔ (بخاری: 5027) (4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کا ماہر نیک بزرگ اور کاتب فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن مجید پڑھتے ہوئے اٹکتا ہے، پڑھتے ہوئے اسے مشکل پیش آتی ہے، اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ (بخاری، مسلم) (5) اسید بن خنیر نے بیان کیا کہ وہ رات کو سورۃ بقرہ پڑھ رہے تھے، ان کا گھوڑا پاس بندھا ہوا تھا، اتنے میں گھوڑا بھڑکنے لگا (چکا)۔ اسید خاموش ہو گئے۔ (قرأت چھوڑ دی) تو گھوڑا بھی تھم گیا، پھر انہوں نے پڑھنا شروع کیا تو پھر گھوڑا چکا، پھر چپ ہو گئے تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ پھر پڑھنا شروع کیا تو پھر گھوڑا بگڑا۔ جب تو انہوں نے اپنے لڑکے یحییٰ کو سنبھالا۔ وہ گھوڑے کے قریب تھے، ڈرے کہ کہیں اس کو صدمہ نہ پہنچے۔ اپنے پاس گھسیٹ لیا اور آسمان کی طرف نگاہ کی۔ (ایک چیز سائبان کی طرح دکھائی دی) اسی کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ غائب ہو گئی۔ (اوپر چڑھ گئی) صبح کو اسید نے یہ قصہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسید قرآن پڑھتا رہا، قرآن پڑھتا رہا، (یہ جو تجھ پر گزرا بڑا عمدہ واقعہ ہے) اسید نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں ڈر گیا کہیں گھوڑا یحییٰ کو کچل نہ ڈالے، وہ بالکل گھوڑے کے قریب پڑا تھا اور سر اٹھا کر ادھر خیال کیا۔ پھر میں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو سائبان کی طرح کچھ معلوم ہوا۔ اس میں جیسے چراغ روشن ہیں۔ پھر میں باہر آ گیا یہاں تک کہ وہ نظر

سے غائب ہو گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اسید تو جانتا ہے یہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز سن کر قریب آگئے تھے اور اگر تو قرآن پڑھتا رہتا تو صبح کو ان فرشتوں کو دوسرے لوگ بھی دیکھ لیتے، وہ ان کی نظر سے غائب نہ ہوتے۔ (بخاری: 5018) (6) سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں سے کچھ افراد اللہ تعالیٰ کے خویش و اقارب ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل قرآن اللہ والے اور اس کے خاص افراد ہیں۔ (سنن نسائی، سنن ابن ماجہ) (7) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿رَبِّسُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ﴾ قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے زینت بخشو۔ (سنن ابوداؤد: 1468) (8) ﴿يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ ”وہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو آپ پر اتارا گیا ہے“ وہ اس لیے خوش ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ایمان میں سچے ہیں۔ (9) دوسری آسمانی کتابوں سے موافقت اور تصدیق پر وہ لوگ خوش ہوتے ہیں جو پہلے ایمان لائے، جو اہل کتاب میں سے ہیں، جیسے نبی ﷺ کے دور میں عبد اللہ ابن سلام وغیرہ تھے۔ رب العزت نے اس کتاب کے ملنے پر خوشی منانے کا حکم بھی دیا ہے۔ ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٥﴾﴾ آپ کہہ دیں یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے، سو اسی کے ساتھ تو لازم ہے کہ وہ خوش ہوں، وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں۔ (یونس: 58) (10) ﴿وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُفَكِّرُ بَعْضُهُمْ﴾ ”اور ان گروہوں میں ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض حصے کا انکار کرتے ہیں“ جیسے اہل کتاب میں سے یہودی قرآن حکیم کے احکامات کے غالب حصے کا انکار کرتے تھے اور وہ قصص کے ماسوا کسی چیز کی تصدیق نہیں کرتے تھے۔ مشرکوں نے ”الرحمن“ کا انکار کیا اور کہا کوئی رحمن نہیں سوائے یمامہ کے رحمن کے یعنی مسیلمہ کذاب۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ (ایسران القاسم: 715)

سوال 2: ﴿قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ﴾ ”آپ کہہ دیں مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ بناؤں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ﴾ ”آپ کہہ دیں مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے“ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ نہیں بتادیں کہ مجھے حکم دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی حکم کا پابند ہوتا ہے۔ (2) ﴿أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ﴾ ”میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ بناؤں“ یعنی مجھے تو دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے میں حکم عدولی نہیں کر سکتا۔

سوال 3: ﴿إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مآبٍ﴾ ”میں اس کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِلَيْهِ﴾ ”اس کی طرف“ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف۔ (2) ﴿أَدْعُوا﴾ ”میں دعوت دیتا ہوں“ میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کی توحید کے اقرار، اس کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَعَفُوْا إِنَّ الشَّهْدَ وَإِبَاتًا مُسْلِمُونَ ﴿١٠٧﴾﴾

”آپ کہہ دیں اے اہل کتاب! اس کلمے کی طرف آؤ جو ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان برابر ہے یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ایک دوسرے کو بھی رب نہ بنائیں۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو آپ کہہ دیں کہ تم گواہ ہو جاؤ بلاشبہ ہم مسلمان ہیں۔ (آل عمران: 64) (3) ﴿وَاللّٰهُ مَابٍ﴾ ”اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے“ اور اس کی طرف میرا رجوع، میرا ٹھکانہ ہے۔ وہ مجھے جزا دے گا، دین کو اس کے لیے خالص کرنے کی، اس کے دین کی طرف دعوت دینے کی۔ مجھے تو جو حکم دیا گیا ہے میں اس کی تعمیل کروں گا اور اس کی جزا کی امید اپنے رب سے باندھوں گا۔

﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۗ وَلَئِن اَتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ لَمَّا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّوَلٰٓءٍ﴾

واقی (37)

”اور اسی طرح ہم نے اس کو ایک عربی فرمان بنا کر آپ پر نازل کیا ہے۔ اور یقیناً اگر اپنے پاس علم آجانے کے بعد بھی آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔“ (37)

سوال 1: ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا﴾ ”اور اسی طرح ہم نے اس کو ایک عربی فرمان بنا کر نازل کیا ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ﴾ ”اور اسی طرح ہم نے اس کو نازل کیا ہے“ یعنی ہم نے جیسے پہلے نبی اور پہلی کتابیں بھیجیں اسی طرح آپ کو نبی بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ پر قرآن اتارا ہے۔ (2) ﴿حُكْمًا عَرَبِيًّا﴾ ”عربی فرمان بنا کر“ یعنی اس قرآن کو اللہ تعالیٰ نے عربی فرمان بنا کر بھیجا ہے۔ (3) یہ قرآن عربی زبان میں ہے جو فصاحت و بلاغت اور وضاحت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ (4) اس قرآن کو محکم بنا کر اس لیے نازل کیا گیا ہے تاکہ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہ رہے اور لوگ اس کی اتباع کریں اور اس کے خلاف نہ چلیں۔ (5) قرآن مجید کو پختہ بنا کر اس لیے نازل کیا گیا ہے تاکہ بے علم لوگوں کی خواہشات سے اس کے متضاد کاموں کی پیروی نہ کی جائے۔ (6) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِبَلْسَانٍ قَوْمٍ لَّيْبِيْنَ لَهُمْ ۗ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان ہی میں بھیجا تاکہ وہ ان کے لیے کھول کر بیان کر دے، پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخش دیتا ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (ابراہیم: 4)

سوال 2: ﴿وَلَئِن اَتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ لَمَّا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّوَلٰٓءٍ﴾ ”اور یقیناً اگر اپنے پاس علم آجانے کے بعد بھی آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَئِن اَتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ ”اور یقیناً اگر اپنے پاس علم آجانے کے بعد بھی آپ نے ان کی

خواہشات کی پیروی کی، رب العزت نے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! اگر آپ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم آچکا، اس کے باوجود آپ ﷺ نے لوگوں کی خواہشات کو مان لیا تو آپ ﷺ کو کوئی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا نہیں ہوگا۔ (2) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا علم وحی خواہشات نفس کی پیروی سے روکتا ہے۔ (3) ﴿مَالِكٌ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ﴾ ”تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا“ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی آپ ﷺ کا ولی نہیں ہوگا جو آپ ﷺ کی نصرت اور حفاظت کرے۔ (4) ﴿وَلَا وَاقِي﴾ ”اور نہ کوئی بچانے والا“ جو آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالے جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے اہل باطل کی پیروی اور حق اور اہل حق کو چھوڑ دینے کی وجہ سے آپ ﷺ کا ارادہ کر لے۔ (ایسرالتفاسیر: 715، 716) (6) اس آیت میں عالموں کو بڑا بھاری ڈراوا ہے کہ علم کے باوجود نبی کی سنت چھوڑ کر گمراہوں کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 930/1)

رکوع نمبر 12

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ آذْوَاجًا وَذُرِّيَّةً وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ

كِتَابٍ (38)﴾

”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کی بیویاں اور اولادیں بنائی تھیں اور کسی رسول کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آتا، ہر وقت کے لیے ایک کتاب ہے۔“ (38)

سوال 1: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ آذْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کی بیویاں اور اولادیں بنائی تھیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے“ یعنی اے پیارے نبی ﷺ! جس طرح ہم نے آپ ﷺ کو بشر اور رسول بنا کر بھیجا اسی طرح آپ سے پہلے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ (مختصر ابن کثیر: 930/1) (2) رسالت کوئی انوکھی چیز نہیں ہے، آپ ﷺ سے پہلے بھی نبی آتے رہے۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا مَنَعَهُ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمْ هُدًى إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبْعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا﴾ اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو انہیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ وہ ایمان لائیں اس کے سوا کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ (بنی اسرائیل: 94) (4) ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ آذْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾ ”اور ہم نے ان کی بیویاں اور اولادیں بنائی تھیں“ تمام انبیاء بیوی، بچوں والے تھے، کھاتے پیتے تھے، اسی لیے آپ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ ﷺ کہہ دو: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ ”آپ فرمادیں کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان

ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ (الکھف: 110) اس لئے آپ ﷺ کے دشمن اس وجہ سے آپ کی عیب چینی نہ کریں کہ آپ کے بیوی بچے ہیں۔ آپ کے بھائی دیگر انبیاء و مرسلین کے بھی بیوی بچے تھے۔ تب وہ آپ میں کس بات پر جرح و قدح کرتے ہیں؟ حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ سے قبل انبیاء و مرسل بھی اسی طرح تھے۔ ان کی یہ عیب چینی اپنی اغراض فاسدہ اور خواہشات نفس کی خاطر ہے۔ اگر وہ آپ سے کوئی معجزہ طلب کرتے ہیں تو اپنی خواہش کے مطابق مطالبہ کرتے ہیں۔ آپ کو کسی چیز کا بھی اختیار نہیں۔ (تفسیر سعدی: 2/1330) (5)

رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَكَافِرُونَ الظَّعَامَ وَيَشْهَوْنَ فِي الْأَسْوَاقِ ۖ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۗ أَنْ تُضَادُّوهُ ۗ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ۙ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول بھیجے مگر وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔ اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے، کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب ہمیشہ سے ہی سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (الفرقان: 20) (6) ﴿وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا آلَايَا كُفُونَ الظَّعَامَ﴾ اور ہم نے ان کے جسم ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں۔ (الانبیاء: 8) (7) سیدنا سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے ایک سوال کروں، وہ یہ کہ کنوارا رہنا اور کبھی نکاح نہ کرنا، آپ اسے (شریعت کی رو سے) کیسا خیال کرتی ہیں؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہرگز ایسا کام نہ کرنا، تو نے نہیں سنا جو اللہ عزوجل نے قرآن میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾ اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کے لیے بیویاں اور اولاد بنائی۔ آیت پڑھ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: (اے سعد!) تو ہرگز متبتل اختیار نہ کرنا۔ (سنن نسائی: 3218) (8) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں انبیاء کی سنت میں سے ہیں: خوشبو، نکاح، مسواک اور مہندی۔ (ترمذی) (9) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین اصحاب رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے گھر آئے (سیدنا علی اور عبداللہ ابن عمر اور عثمان بن مظعون) اور آپ کی عبادت کا حال پوچھا، جب ان کو بتلایا گیا تو انہوں نے اس عبادت کو کم خیال کیا، کہنے لگے: ہم کہاں، نبی ﷺ کہاں، ہم کو آپ ﷺ سے کیا نسبت! آپ ﷺ کے تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب قصور بخش دیے ہیں، ہم لوگ گناہ گار ہیں ہمیں بہت عبادت کرنی چاہئے۔ ان میں سے ایک کہنے لگا: میں تو ساری عمر رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا اور دوسرا کہنے لگا: میں تو ہمیشہ روزہ دار رہوں گا کبھی دن کو افطار نہیں کروں گا۔ تیسرا کہنے لگا: میں تو عمر بھر عورتوں سے الگ رہوں گا، نکاح نہیں کروں گا۔ پھر نبی ﷺ تشریف لائے اور ان سے پوچھا کہ کیا تم نے ہی یہی باتیں کہی ہیں؟ سن لو اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اللہ رب العالمین سے تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں، میں تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں اگر روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں، رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ جس نے میرے طریقے سے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔ (بخاری: 5063)

سوال 2: ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”اور کسی رسول کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی

معجزہ لے آتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ﴾ ”اور کسی رسول کے لیے ممکن نہیں تھا“ یعنی کسی رسول کے بس کی بات نہیں۔ (2) ﴿أَنْ يَأْتِيَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالْكِتَابِ﴾ ”کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آتا“ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر معجزے ظاہر کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہی معجزے دکھاتا ہے جس میں رسول کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ معجزے دکھانے کی تب اجازت دیتا ہے جب اس کی قضا و قدر کے مطابق مقرر کیا ہو اور وقت آجاتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1330)

سوال 3: ﴿لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ﴾ ”ہر وقت کے لیے ایک کتاب ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لِكُلِّ أَجَلٍ﴾ ”ہر وقت کے لیے ہے“ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہو اور وقت نہ آگے بڑھ سکتا ہے، نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے۔ (2) نشانیاں دکھانے کے مطالبات سے مقررہ وقت آگے پیچھے نہیں کیا جاسکتا۔ (3) ﴿كِتَابٌ﴾ ”ایک کتاب“ اس سے مراد ام الکتاب ہے۔ (4) جیسے موت کی بے ہوشی حق کے ساتھ آپہنچتی ہے اور حق اس کے ساتھ آتا ہے اسی طرح ہر ایک وعدے کے لیے کتاب ہے اور کتاب کے لیے اجل ہے۔ (جامع البیان: 13/168)

﴿يَسْأَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۖ وَعِنْدَ أُمِّ الْكِتَابِ﴾ (39)

”اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اس کے پاس ہے۔“ (39)

سوال 1: ﴿يَسْأَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۖ وَعِنْدَ أُمِّ الْكِتَابِ﴾ ”اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اس کے پاس ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَسْأَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾ ”اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے“ یعنی وہ اپنی تقدیر میں سے جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے۔ (2) ﴿وَأَيُّثُثُثُ﴾ ”اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے“ اور جو چاہتا ہے وہ قائم رکھتا ہے اور یہ تغیر اور محو کرنا ان امور کے علاوہ ہے جن کو اس کا قلم تقدیر لکھ چکا ہے۔ پس ان امور میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ محال ہے کہ اس کے علم میں کوئی نقص یا خلل ہو۔ (تفسیر سعدی: 2/1330، 1331) (3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ جو چاہے بدل دے اور جسے چاہے بحال رکھے۔ یہ تمام باتیں ام الکتاب میں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور نسخ ہے اور ہر بدلی جانے والی اور برقرار رہنے والی بات دوسری کتاب میں ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1/931) (4) عکرمہ نے کہا: وہ توبہ سے سارے گناہ مٹا دیتا ہے اور نیکیاں قائم رکھتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو یہی لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (الفرقان: 70) (5) سیدنا ابن

عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: خَلْقٌ اور خُلُقٌ، اجل، رزق، سعادت اور بدبختی نہیں بدلتیں۔ (تفسیر ابن کثیر: 519/2) (6) جو چیزیں بدلی نہیں جاسکتیں ان کے اصول ہیں: خَلْقٌ، خُلُقٌ، اجل، رزق، سعادت، بدبختی اور جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، ثابت ہے، بدلتا نہیں مثلاً قیامت کا قائم ہونا، اجل، قبر میں لوگوں کا رہنا اور لوگوں کی اجل کا لکھا ہونا۔ (تفسیر منیر: 204/7) (7) شقیق کہا کرتے تھے: اے اللہ تعالیٰ! اگر تو نے ہمیں بد بخت لکھا ہے تو اسے مٹا دے اور ہمیں خوش بخت لکھ دے اور اگر تو نے ہمیں خوش بخت لکھا ہے تو اسے برقرار رکھنا پھر یقیناً آپ جسے چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں برقرار رکھتے ہیں۔ لوح محفوظ تو آپ ہی کے پاس ہے۔ (جامع البیان: 170/13) (8) سیدنا عمر رضی اللہ عنہما دوران طواف روتے ہوئے یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ اگر تو نے مجھے بد بخت یا گناہ گار لکھا ہے تو اسے مٹا دے۔ بے شک تو جو چاہے مٹا سکتا ہے اور جو چاہے قائم رکھ سکتا ہے اور تیرے پاس ام الکتاب ہے۔ تو اس میں سعادت اور مغفرت کو لکھ دے۔ (جامع البیان: 170/13) (9) ہر انسان کے بارے میں لوح محفوظ میں نوشتہ ہے کہ وہ نیک ہوگا یا بد، اس کی روزی، عمر، اور اس سے متعلق خیر و شر کی ہر بات لکھی ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی مرضی اور ارادہ و مشیت کے مطابق اس میں تبدیلی کرتا ہے، اس کی مشیت میں کسی کا دخل نہیں ہے۔ (تیسیر الرحمن: 719/1) (10) سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تقدیر کو محض دعا ہی ٹالتی ہے اور صرف نیکی ہی عمر میں اضافے کا باعث ہوتی ہے۔ (ترمذی: 2139) (11) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جسے پسند ہے اس کی روزی میں فراخی ہو اور اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ صلہ رحمی کیا کرے۔ (بخاری: 5985) (12) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نوجوان ہوں اور مجھے اپنے پرزنا کا خوف رہتا ہے۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس پر میں کسی عورت سے شادی کر لوں۔ آپ میری یہ بات سن کر خاموش رہے۔ دوبارہ میں نے اپنی یہی بات دہرائی لیکن آپ اس مرتبہ بھی خاموش رہے۔ دوبارہ میں نے عرض کیا آپ پھر بھی خاموش رہے۔ میں نے یہ چوتھی مرتبہ عرض کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! جو کچھ تم کرو گے اسے (لوح محفوظ میں) لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے۔ خواہ اب تم خصمی ہو جاؤ یا بازر ہو۔ یعنی خصمی ہونا بے کار محض ہے۔ (صحیح بخاری: 5076) (13) ﴿وَعِنْدَآءُ الْمَكْتَبِ﴾ اور اصل کتاب اس کے پاس ہے، یعنی اس کے پاس لوح محفوظ ہے۔ جس کی طرف تمام اشیاء لوٹتی ہیں۔ یہ اصل ہے اور باقی تمام اشیاء اس کی فروع ہیں۔ پس تغیر و تبدل فروع میں واقع ہوتا ہے مثلاً روز و شب کے اعمال جن کو فرشتے لکھ لیتے ہیں اور ان اعمال کو قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ اسباب فراہم کرتا ہے اور ان کو محو کرنے کے لئے بھی اسباب مہیا کرتا ہے اور یہ اسباب اس نوشتہ تقدیر سے تجاوز نہیں کرتے، جو لوح محفوظ میں مرقوم ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے نیکی، صلہ رحمی اور احسان کو لمبی عمر اور کشائش رزق کے لئے اسباب بنایا ہے، جیسے گناہوں کو رزق اور عمر میں بے برکتی کا سبب بنایا ہے اور جیسے ہلاکت سے نجات کے اسباب کو سلامتی کا سبب بنایا اور جیسے ہلاکت کے مواقع میں پڑنے کو ہلاکت کا سبب بنایا۔ پس اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور ارادے کے مطابق تمام امور کی تدبیر کرتا ہے، اس کی تدبیر اس کے مخالف نہیں ہوتی جسے اس نے اپنے علم کے مطابق لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ (تفسیر سعری: 1330، 1331/2)

﴿ وَإِنْ مَأْتِرِيَّكَ بَعْضُ الَّذِينَ لَدَهُمْ أَوتُوْكَؤُفِيَّكَ فَاذْكُمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴾ (40)

”اور جس کی ہم انہیں دھمکی دے رہے ہیں اگر اس کا کچھ حصہ ہم آپ کو دکھادیں یا واقعاً ہم آپ کو اٹھالیں تو بلاشبہ آپ کے ذمے صرف پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے۔“ (40)

سوال 1: ﴿ وَإِنْ مَأْتِرِيَّكَ بَعْضُ الَّذِينَ لَدَهُمْ أَوتُوْكَؤُفِيَّكَ ﴾ ”اور جس کی ہم انہیں دھمکی دے رہے ہیں اگر اس کا کچھ حصہ ہم آپ کو دکھادیں یا واقعاً ہم آپ کو اٹھالیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَإِنْ مَأْتِرِيَّكَ بَعْضُ الَّذِينَ لَدَهُمْ ﴾ ”اور جس کی ہم انہیں دھمکی دے رہے ہیں اگر اس کا کچھ حصہ ہم آپ کو دکھادیں“ اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے کہ کافروں کو جس عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اسے آپ ﷺ کی زندگی میں لے آئیں اور آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔ (2) ﴿ اُوْتُوْكَؤُفِيَّكَ ﴾ ”یا واقعاً ہم آپ کو اٹھالیں“ یا آپ ﷺ کے بعد یہ طے شدہ ہے، آپ ﷺ جلدی نہ کریں۔

سوال 2: ﴿ فَاذْكُمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴾ ”تو بلاشبہ آپ کے ذمے صرف پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَاذْكُمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ ﴾ ”تو بلاشبہ آپ کے ذمے صرف پہنچا دینا ہے“ آپ ﷺ کا فرض پیغام پہنچانا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَذِكْرٌ لِّاٰنْمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۗ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ۝۲۱ ﴾ بس آپ نصیحت کریں، یقیناً آپ نصیحت کرنے والے ہی ہیں۔ آپ ان پر ہرگز کوئی مسلط کیے ہوئے نہیں ہیں۔ (الغاشیہ: 21, 22) (2) ﴿ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴾ ”اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے“ لوگوں کے اعمال کا حساب لینا اور ان کا بدلہ دینا ہمارا فرض ہے۔ ہم مخلوق سے ان کی ذمہ داریوں کا حساب لیں گے کہ انہوں نے فرائض ادا کیے ہیں یا نہیں ضائع کر دیا ہے؟ اسی کے مطابق جزا سزا ہوگی۔ ﴿ اِلَّا مَنْ تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ۗ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَلَدَ كَبِيْرًا ۗ اِنَّ الْاِيْنَانَ اِيَّا بَعْضًا لِّحِسَابِهِمْ ۗ ﴾ مگر جس نے منہ موڑا اور کفر کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دے گا، بہت بڑا عذاب۔ یقیناً انہیں ہماری جانب ہی لوٹ کر آنا ہے۔ پھر یقیناً ان کا حساب بھی ہمارے ہی ذمے ہے۔ (الغاشیہ: 26-23)

﴿ اَوْ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اَتَانِي الْاَرْضَ نَشَقُّهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۗ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَمْ يُعَقَّبْ لِحُكْمِهِ ۗ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴾ (41)

”اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ بلاشبہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے چلے آتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ فیصلے کرتا ہے اور اس کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے والا کوئی نہیں اور وہی بہت جلد حساب لینے والا ہے۔“ (41)

سوال 1: ﴿ اَوْ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اَتَانِي الْاَرْضَ نَشَقُّهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ﴾ ”اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ بلاشبہ ہم زمین کو اس کے کناروں

سے کم کرتے چلے آتے ہیں؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اُولَئِكَ يَدْرَا﴾ ”اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں“ رب العزت نے جھٹلانے والوں کو وعید سنائی ہے۔ (2) ﴿اَلَا تَاْتِي الْاَرْضَ مَنۡ نُّنۡفِثُ مِمَّا نَزَّلْنَا مِنۡ سَمٰوٰتِنَا مِثۡرًا مَّائِدًا﴾ ”بلاشبہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے چلے آتے ہیں؟“ یعنی کیا وہ زمین کا دائرہ تنگ ہوتے نہیں دیکھ رہے کہ کیسے ہم ظالموں اور جھٹلانے والوں کو ہلاک کر رہے ہیں؟ (3) مسلمانوں کی فتح سے کافروں کی سرزمین تنگ نہیں ہو رہی اور دارالاسلام میں اضافہ نہیں ہو رہا؟ (4) یہ غلبہ اور نصرت کی آیات میں سے ہے۔ (الاساس: 2761/5) (5) اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مشرکین کے شہروں کی فتح، ان کے مال اور بدن میں کمی کے ذریعے سے چاروں طرف سے ان پر حلقہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی تفسیر میں بعض دیگر اقوال بھی ہیں۔ اس کے ظاہر معنی یہ ہیں واللہ تعالیٰ اعلم کہ اللہ تعالیٰ نے ان جھٹلانے والوں کی اراضی کی حالت یہ بنا دی کہ وہ فتح ہو رہی ہیں اور جھینی جا رہی ہیں، ان پر چاروں طرف سے مصائب ٹوٹ رہے ہیں، ان کی جان و مال میں کمی سے پہلے یہ ان کے لئے تنبیہ ہے اور اللہ تعالیٰ ان پر ایسے عذاب نازل کر رہا ہے جسے کوئی رد کرنے پر قادر نہیں۔ (تفسیر سعدی: 1331، 1332/2)

سوال 2: ﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لِمَنْ يَّعْتَبُ بِحُكْمِهِۦ ۗ وَهُوَ سَرِيۡمٌ اَلۡحٰسِبُ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ فیصلے کرتا ہے اور اس کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے والا کوئی نہیں اور وہی بہت جلد حساب لینے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لِمَنْ يَّعْتَبُ بِحُكْمِهِۦ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ فیصلے کرتا ہے اور اس کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے والا کوئی نہیں“ اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم شرعی، حکم کوئی و قدری اور حکم جزائی داخل ہے۔ یہ تمام احکام، جن کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے، حکمت اور پختگی کے بلند ترین درجے پر پائے جاتے ہیں، جن میں کوئی نقص اور کوئی خلل نہیں۔ بلکہ یہ تمام احکام عدل و انصاف اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پر مبنی ہیں۔ کوئی ان فیصلوں میں خامی اور نقص تلاش نہیں کر سکتا اور نہ ان میں جرح و قدح کی کوئی گنجائش ہے۔ اس کے برعکس دیگر ہستیوں کے فیصلے کبھی حق و صواب کے موافق ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے۔ (تفسیر سعدی: 1331، 1332/2) (2) اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے، کسی کو بلند کرتا ہے، کسی کو پست، کسی کو زندگی دیتا ہے تو کسی کو موت، کسی کو غنی کرتا ہے تو کسی کو فقیر اور اس نے اسلام کی عزت اور دوسرے ادیان پر اس کی برتری کا حکم دیا ہے۔ (فتح القدر: 113/3) (3) ﴿وَهُوَ سَرِيۡمٌ اَلۡحٰسِبُ﴾ ”اور وہی بہت جلد حساب لینے والا ہے“ اللہ تعالیٰ نے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے، اس سے کچھ بھی چھپا نہیں ہو اور وہ انہیں جزا دے گا۔ (جامع البیان: 179/13)

﴿وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبْلِهِۦمۡ فَلِلّٰهِ اَلۡمَكْرُ جَمِيۡعًا ۗ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ اَلۡكٰفِرُ لِمَنۡ عَقِبُوۡا اَلۡدٰۤاِۡرَۡ (42)﴾

”اور بلاشبہ وہ لوگ بھی تدبیریں کر چکے جو ان سے پہلے تھے سواصل تدبیر ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے، وہ جانتا ہے جو بھی ہر شخص کما تا ہے اور جلد ہی کافر جان لیں گے کہ کس کے لیے اس گھر کا اچھا انجام ہے؟“ (42)

سوال 1: ﴿وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَعِيلاً﴾ ” اور بلاشبہ وہ لوگ بھی تدبیریں کر چکے جو ان سے پہلے تھے سواصل تدبیر ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ” اور بلاشبہ وہ لوگ بھی تدبیریں کر چکے جو ان سے پہلے تھے“ رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ اس سے پہلے بھی انہوں نے رسولوں کے خلاف سازشیں کی ہیں اور وہ ان کے کسی کام نہ آئیں کیونکہ وہ رب العزت کے خلاف جنگ کرتے ہیں۔ (2) ﴿فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَعِيلاً﴾ ”سواصل تدبیر ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے“ یعنی ہر چال اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے تحت آتی ہے۔ کوئی ایسا نہیں جو اس کے حکم کے بغیر کوئی چال چلنے کا اختیار رکھتا ہو۔ (3) کافر اور مشرک اللہ تعالیٰ کے دین کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، ان کی سازشیں ضرور انہیں شرمندگی تک پہنچائیں گی۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَآتَى اللَّهُ بُيُوتَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥﴾﴾ یقیناً ان لوگوں نے خفیہ تدبیریں کیں جو ان سے پہلے تھے، تو اللہ تعالیٰ بنیادوں سے ان کی عمارت کو آیا، پس ان کے اوپر سے چھتیں ان پر گر پڑیں اور ایسے رخ سے ان پر عذاب آیا جہاں سے وہ سوچتے نہیں تھے۔ (النحل: 26) (5) ﴿وَإِذِمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْيَثَمِثُوكَ أَوْ يَفْتُوكَ أَوْ يُخْرُجُوكَ وَيَكْرَهُونَ وَيَكْرَهُونَ وَيَكْرَهُونَ﴾ ”اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ“ اور جب وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آپ کے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے کہ وہ آپ کو قید کر دیں، یا قتل کر دیں، یا جلاوطن کر دیں اور وہ خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ (بھی) خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ (الانفال: 30) (6) سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے: رَبِّ اَعِنِّي وَلَا تُعِنِّ عَلَيَّ وَاَنْصُرْنِي وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ وَاْمَكُرْ لِي وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ وَاِهْدِنِي وَيَسِّرْ الْهُدَىٰ اِلَيَّ وَاَنْصُرْنِي عَلَيَّ مَنْ مَبَغَى عَلَيَّ رَبِّ اجْعَلْنِي لَكَ شَكَارًا لَكَ ذَكَارًا لَكَ رَهَابًا لَكَ مَطْوَعًا اِلَيْكَ مُحِبًّا اَوْ اِهَامِيًّا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِي وَاغْسِلْ حَوْبَتِي وَاَجِبْ دَعْوَتِي وَتَبِّتْ حُجَّتِي وَاَهْدِ قَلْبِي وَسَدِّدْ لِسَانِي وَاَسْأَلُ سَخِيمَةَ قَلْبِي پُروردگار! میری مدد فرما اور میرے خلاف (دشمنوں کی) مدد نہ کرنا اور مجھے غلبہ دے اور (میرے دشمنوں کو) مجھ پر غلبہ نہ دینا اور میرے لیے تدبیر فرما اور (میرے نقصان پر) ان کے لیے تدبیر نہ کرنا اور مجھے ہدایت دے اور ہدایت کو میرے لیے آسان فرما دے اور میری مدد فرما اس کے خلاف جو مجھ پر ظلم کرے۔ اے میرے رب! بنا دے مجھ کو کہ میں ہوں تیرا بہت شکر کرنے والا، تیرا بہت ذکر کرنے والا، تجھ سے بہت ڈرنے والا، تیری بہت اطاعت کرنے والا، عاجزی کرنے والا، گڑگڑانے والا اور رجوع کرنے والا۔ اے میرے رب! میری توبہ قبول فرما اور میرے گناہ دھو دے اور میری دعا قبول فرما اور میری دلیل ثابت رکھ اور میرے دل کو ہدایت دے اور میری زبان سیدھی رکھ اور میرے دل سے کینہ نکال دے۔ (سنن ابوداؤد: 1510)

سوال 2: ﴿يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ﴾ ”وہ جانتا ہے جو بھی ہر شخص کماتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”وہ جانتا ہے جو بھی ہر شخص کماتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہر نفس کے بارے میں جانتا ہے کہ اس نے آنے والے کل کے لیے کیا کمایا ہے۔ وہ ہر ایک کے ارادوں، طاہری، باطنی اعمال کو جانتا ہے۔ (2) مگر بھی انسان کی کمائی ہے۔ مگر بھی اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں۔ اس لیے ان کی کوئی چال حق اور اہل حق کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

سوال 3: ﴿وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ لِمَنْ عَقِبَى الدَّارِ﴾ ”اور جلد ہی کافر جان لیں گے کہ کس کے لیے اس گھر کا اچھا انجام ہے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ﴾ ”اور جلد ہی کافر جان لیں گے“ اس میں کافروں کے لیے شدید وعید ہے اور نبی ﷺ کے لیے تسلی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اچھا انجام کافروں کا ہے یا رسولوں کا اور یہ بھی کہ اہل کفر کا انجام اچھا نہیں۔

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَ اللَّهِ عِلْمٌ الْكِتَابِ﴾ (43)

”اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہو۔ کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی گواہی دینے والا کافی ہے اور وہ بھی جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔“ (43)

سوال 1: ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا﴾ ”اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا﴾ ”اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہو“ یعنی کافر اس بات کو نہیں مانتے کہ آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یوں وہ حق کو جھٹلاتے ہیں۔ آپ ﷺ ان کی پرواہ نہ کریں۔

سوال 2: ﴿قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَ اللَّهِ عِلْمٌ الْكِتَابِ﴾ ”کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی گواہی دینے والا کافی ہے اور وہ بھی جس کے پاس کتاب کا علم ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ ”کہہ دو“ نبی ﷺ سے کہا گیا کہ آپ ﷺ کہہ دیں۔ (2) ﴿كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾ ”میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی گواہی دینے والا کافی ہے“ یہ گواہی قول، فعل اور اقرار کے ذریعے ہوتی ہے۔ قول کے ذریعے سے اس کی شہادت یہ ہے کہ اس نے یہ قرآن مخلوق میں سب سے سچی ہستی پر نازل فرمایا جو آپ ﷺ کی رسالت کو ثابت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اپنی تائید سے نوازا اور آپ کو ایسی فتح و نصرت عطا کی جو آپ کی، آپ کے اصحاب اور آپ کے متبعین کی قدرت و اختیار سے باہر تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فعل و تائید کے ذریعے سے شہادت ہے۔ اقرار کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی شہادت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خبر دی کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور اس نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ کی اطاعت کریں۔ پس جو کوئی آپ کی اطاعت کرتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور اس کی کرامت ہے اور جو کوئی آپ کی اطاعت نہیں کرتا تو اس

کے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور جہنم ہے اور اس کا خون اور مال حلال ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دعوے پر برقرار رکھتا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ پر کوئی جھوٹ باندھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں آپ کو عذاب دے دیتا۔ (تفسیر سعدی 2/1333، 1334) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِي مَنَّ عَلَيْنَا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا فِي قُلُوبِكُمْ﴾ (فتح: 28) وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے اور اس پر اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے۔ (الفتح: 28) (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ﴾ اللہ تعالیٰ نے اور فرشتوں نے اور اہل علم نے گواہی دی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (آل عمران: 18) (5) ﴿فَإِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلُوا الَّذِينَ آمَنُوا يَفْعَلُونَ الْكِتَابَ مِنْ قِبَلِكُمْ لَقَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ ﴿﴾ پھر اگر آپ اس بارے میں کسی شک میں ہو جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں، بلاشبہ یقیناً آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق ہی آیا ہے سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ (یونس: 94) (6) ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيَ إِلَيْهِمْ فَسْئَلُوا أَهْلَ الدِّمْرِ إِنِ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے نہیں بھیجے (رسول) مگر مرد، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، سو اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔ (النحل: 43) (7) ﴿وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمٌ الْكِتَابِ﴾ ”اور وہ بھی جس کے پاس کتاب کا علم ہے“ کہا گیا کہ اس سے مراد عبد اللہ ابن سلام، سلمان فارسی اور تمیم داری ہیں۔ (جامع البیان: 13/180) (8) یہ آیت کریمہ اہل کتاب کے تمام علماء کو شامل ہے کیونکہ ان میں سے جو کوئی ایمان لاکر حق کی اتباع کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی گواہی دیتا ہے اور نہایت صراحت سے آپ کے حق میں شہادت دیتا ہے اور ان میں سے جو کوئی گواہی کو چھپاتا ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی خبر کہ اس کے پاس شہادت ہے، اس کی خبر سے زیادہ بلیغ ہے۔ اگر اس کے پاس شہادت نہ ہوتی، تو دلیل کے ساتھ اپنے طلب شہادت کو رد کرتا۔ پس اس کا سکوت دلالت کرتا ہے کہ اس کے پاس رسول کے حق میں شہادت موجود ہے جو اس نے چھپا رکھی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل کتاب سے گواہی لینے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ وہ گواہی دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ہر معاملے میں صرف اسی شخص سے گواہی لی جانی چاہیے جو اس کا اہل ہو اور دوسروں کی نسبت اس بارے میں زیادہ علم رکھتا ہو۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو اس معاملے میں بالکل اجنبی ہوں، مثلاً ان پڑھ مشرکین عرب وغیرہ، تو ان سے شہادت طلب کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ انہیں اس معاملے کی کوئی خبر ہے نہ انہیں اس کی معرفت ہی حاصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر سعدی

(1333، 1334/2:

﴿ ابانها ۵۲ ﴾ ﴿ ۱۴ سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ ۲ ﴾ ﴿ رُكُوْعَاتُهَا ۷ ﴾

سوال 1: سورة ابراهيم کہاں نازل ہوئی؟

جواب: سورة ابراهيم مکہ میں نازل ہوئی۔

سوال 2: اس سورة میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: اس سورة میں سات رکوع اور باون آیات ہیں۔

سوال 3: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ سورة کس نمبر پر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 14 ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 72 ہے۔

رکوع نمبر 13

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو وسیع رحمت والا، نہایت رحم والا ہے۔

﴿ اَلرَّحْمٰنُ كَتَبَ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلَى صِرٰطٍ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۱ ﴾

”ال۔۔ یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکال

کر روشنی کی طرف لائیں، اس کے راستے کی طرف جو سب پر غالب، بے حد تعریف والا ہے۔“ (1)

سوال 1: ﴿ اَلرَّحْمٰنِ ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ اَلرَّحْمٰنِ ﴾ ”ال۔۔ ر“ حروف مقطعات میں ہے۔ ان کی مراد کو اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر جاننے والے ہیں۔

سوال 2: ﴿ كَتَبَ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلَى صِرٰطٍ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴾ ”یہ ایک کتاب ہے جس

کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں، اس

کے راستے کی طرف جو سب پر غالب، بے حد تعریف والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ كَتَبَ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ ﴾ ”یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے“، یعنی یہ عظیم کتاب ہے جو اے ہمارے

رسول! ہم نے آپ ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔ (2) ﴿ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ ”تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال

کر روشنی کی طرف لائیں، ظلمات سے مراد کفر، جہالت اور شرک کے اندھیرے ہیں، ان سے نکال کر نور یعنی ایمان اور شریعت کے علم کی طرف لاتی ہے۔ (3) اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے مخلوق کے فائدے کے لیے اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کو کفر و جہالت، اخلاق بد اور مختلف اقسام کے گناہوں کی تاریکی سے نکال کر علم و ایمان اور اخلاق حسنہ کی روشنی میں لے جائے۔ (تفسیر سعدی: 1334/2) (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿اللَّهُ وَرَى الَّذِينَ آمَنُوا يَخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ لَظُلُمَاتٌ لِيُخْرِجَهُمْ جُودُهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٥﴾﴾ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست باطل معبود ہیں، وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، یہی لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (البقرہ: 257) (5) ﴿هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَعَوِّفٌ سَجِيمٌ ﴿٦﴾﴾ وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل کرتا ہے تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بے حد نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (الحمدید: 9) (6) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقْوَاهُ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٧﴾﴾ یعنی ان کے رب کی توفیق سے۔ (7) یعنی اللہ تعالیٰ کی محبوب مراد صرف اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مدد ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں بندوں کے لئے ترغیب ہے کہ وہ اپنے رب سے مدد طلب کریں۔ (تفسیر سعدی: 1334/2) (8) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُوَدِّعَ مِنَ الْإِبَادَةِ اللَّهُ يُجْعَلُ الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٩﴾﴾ اور کسی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ ایمان لائے مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور وہ ان پر گندگی ڈال دیتا ہے جو لوگ نہیں سمجھتے۔ (یونس: 100) (9) ﴿إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿١٠﴾﴾ اس کے راستے کی طرف جو سب پر غالب، بے حد تعریف والا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستے کی طرف اور وہ اس کا دین ہے جس پر وہ راضی ہے۔ (10) اللہ تعالیٰ کے عزت و تکریم کے گھر تک۔ (تفسیر سعدی: 1334, 1335/2) (11) یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صراط، راستہ نور ہے اور اس کی طرف نکلنا رسول اور قرآن کے ذریعے ممکن ہے اور قرآن موجود ہے، سنت موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ کے وارث بھی موجود ہیں جو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالنے کے لیے رسول اللہ کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور یہ آیات دلالت کرتی ہیں کہ بیان سے حجت قائم ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو گمراہ کرنا یا ہدایت دینا اس کے عدل اور اس کے فضل میں سے ہے۔ تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکلنا اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے طریقہ کار اور اسباب مقرر کر دیے ہیں۔ ان آیات میں اللہ عز و جل نے ان طریقوں اور اسباب کو عام شکل میں بیان کیا ہے۔ (الاساس فی التفسیر: 2778, 2779/5)

﴿اللَّهُ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَوْ يَشَاءُ لَمَّا تَوَلَّى الْكُفْرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴿١١﴾﴾

”اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب کی وجہ سے تباہی

ہے۔“ (2)

سوال 1: ﴿اللّٰهُ اَلَّذِيْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ ”اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اسی کا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اللّٰهُ اَلَّذِيْ﴾ ”اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے“ یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی سچا معبود ہے جس کی ملکیت ہے، جو بادشاہ ہے۔ (2) ﴿لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ ”جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اسی کا ہے“ یعنی وہ تخلیق، ملکیت، تدبیر اور تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے، وہی سعادت اور کمال کے راستے پر چلاتا ہے۔ (الیر التفاسیر: 718)

سوال 2: ﴿وَوَيْلٌ لِّلْكَافِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ ”اور کافروں کے لیے سخت عذاب کی وجہ سے تباہی ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَوَيْلٌ لِّلْكَافِرِيْنَ﴾ ”اور کافروں کے لیے تباہی ہے“ رب العزت نے کافروں کو جہنم کی وادی کی وعید سنائی ہے جس میں اہل جہنم کی پیپ اور کچ لہو بہتا ہے۔ (2) ﴿مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ ”سخت عذاب کی وجہ سے“ ایسے عذاب کی وعید ہے جس کی شدت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ (3) وعید اس کے لیے ہے جس نے کتاب کا انکار کیا اور اندھیروں سے روشنی کی طرف نہ آیا۔ (تفسیر بیضاوی: 3/336)

﴿الَّذِيْنَ يَسْتَجِئِبُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنِ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عَوَجًا ۗ اُولٰٓئِكَ فِيْ صَلٰبٍ بَعِيْدٍ﴾
”جو لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روک دیتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں، وہی دور کی گمراہی میں ہیں۔“ (3)

سوال 1: ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَجِئِبُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ﴾ ”جو لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے ان لوگوں کا وصف بیان فرمایا ہے جو روشنی کی طرف آنے سے انکار کرتے ہیں کہ وہ دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو گئے ہیں اس لیے وہ دنیا کے کام کرتے ہیں اور آخرت کا انکار کرنے کی وجہ سے اس کے لیے عمل کرنا چھوڑ چکے ہیں۔ (2) انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿بَلْ تُوْشِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۗ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ (الاعلیٰ: 17، 16) (3) وہ آخرت کی زندگی کو فراموش کر دیتے ہیں، اور دنیا کی زندگی کو کامیاب بنانے میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ (تیسیر الرحمن: 722/1) (4) دنیا کی محبت اور آخرت کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ دنیا کی محبت ایمان کے تقاضوں سے ٹکراتی ہے اور دنیا کی محبت صراطِ مستقیم پر استقامت کے ساتھ چلنے کے خلاف ہے۔ (5) رسول ﷺ نے فرمایا کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے! (مسلم: 7417) (6) سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنی دنیا کو محبوب رکھتا ہے اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو شخص اپنی آخرت کو محبوب رکھتا ہے اور اپنی دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے اس چیز کو اختیار کرو جو باقی ہے اس چیز کو اختیار نہ کرو جو فانی ہے۔ (مشکوٰۃ: 4950)

سوال 2: ﴿وَيُضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا أُولَٰئِكَ فِي صُلْبٍ بَعِيدٍ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روک دیتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں، وہی دور کی گمراہی میں ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيُضِلُّونَ﴾ ”اور روک دیتے ہیں“ وہ اپنے آپ کو روکتے ہیں۔ (2) ﴿عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”اللہ تعالیٰ کے راستے سے“، یعنی اسلام سے۔ (ایسر التفسیر: 718) (3) وہ راستہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے اور اسے اپنی کتابوں میں اور اپنے رسولوں کی زبان پر خوب بیان کر دیا ہے، مگر یہ لوگ اپنے آقا و مولا کے مقابلے میں عداوت و محاربت کا اظہار کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1335/2) (4) اور وہ ان لوگوں کو روکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور جو اس کے رسول اس کی جانب سے کے کر آئے اس کی اتباع کا ارادہ رکھتے ہیں یعنی اس پر ایمان لانے اور اس کی اتباع کا۔ (جامع البیان: 185/13) (5) وہ اللہ تعالیٰ کے دین سے اور دین کی طرف بلانے والوں سے روکتے ہیں۔ (الاساس: 2777/5) (6) ﴿وَيَبْغُونَهَا﴾ ”اور تلاش کرتے ہیں“، یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿عِوَجًا﴾ یعنی وہ اس راستے کو خراب کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کفار کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔ (تفسیر سعدی: 1335/2) (7) توحید کی راہ نہ تو ٹیڑھی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ مخالفوں کی کوششیں اس میں خلل نہیں ڈال سکتیں۔ دراصل اس راہ کو ترچھا کرنے کی محض کوشش ہے۔ جو سیدھی راہ ہے وہ کیسے ٹیڑھی ہو سکتی ہے اور جو ٹیڑھے ہیں وہ کیسے سیدھے ہو سکتے ہیں؟ (مختصر ابن کثیر: 934/1) (8) ﴿أُولَٰئِكَ﴾ ”وہی“ جن میں تین اوصاف پائے جاتے ہیں۔ (i) وہ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ (ii) وہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں۔ (iii) وہ اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں۔ سارے کافروں کی یہ تین مشترکہ صفات ہیں۔ (9) ﴿فِي صُلْبٍ بَعِيدٍ﴾ ”دور کی گمراہی میں ہیں“ کیونکہ انہوں نے خود اللہ تعالیٰ کا راستہ گم کر دیا، انہوں نے دوسروں کو گمراہ کیا، رسول اللہ کی مخالفت کی، ان کے خلاف جنگیں تک کیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا گمراہی ہوگی؟ (10) اہل ایمان کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں، دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اس راستے کو خوب صورت بنانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے لیے اس راستے پر چلنا آسان ہو جائے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُبَيِّنَ لِقَوْمِهِ لِيُذَكِّرَهُمْ فَضْلَ اللَّهِ مِنْ بَيْنِ مَنْ يَشَاءُ وَيُذَكِّرَهُمْ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ

الْحَكِيمُ ﴿١٥﴾

”اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان ہی میں بھیجا تاکہ وہ ان کے لیے کھول کر بیان کر دے، پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا

ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخش دیتا ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“ (4)

سوال 1: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ ”اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان ہی میں بھیجا تا کہ وہ ان کے لیے کھول کر بیان کر دے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان ہی میں بھیجا تا کہ وہ ان کے لیے کھول کر بیان کر دے“ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ انسانوں کے پاس ان ہی کی قوم کی زبان میں رسول بھیجے۔ (2) ﴿لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ ”تا کہ وہ ان کے لیے کھول کر بیان کر دے“ تا کہ وہ پوری وضاحت کے ساتھ ان کو وہ امور سمجھا دیں جن کے وہ ضرورت مند ہیں۔ (3) عربی زبان دنیا کی سب سے گہری اور وسیع زبان ہے، اسی لئے قرآن عربی زبان میں نازل ہوا، اور دوسری قوموں تک قرآن کا پیغام بذریعہ ترجمہ پہنچا۔ ان قوموں نے اسلام لانے کے بعد حفظ قرآن اور فہم قرآن کے لئے خوب محنت کی، تراجم تیار کئے، تفسیریں لکھیں، عربی زبان میں دسترس حاصل کیا اور قرآن و سنت کو ان کی اصل زبان میں سمجھا اور اسلام کی دعوت کو اسی طرح سمجھا جس طرح عرب مسلمانوں نے سمجھا۔ (تیسیر الرحمن: 723/1)

(4) اس آیت کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ علوم عربیہ، جن کے ذریعے سے کلام اللہ اور کلام رسول کی توضیح و تبیین ہوتی ہے، امور مطلوبہ میں شمار ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں کیونکہ ان کے بغیر کتاب اللہ کی معرفت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ البتہ اگر لوگوں کی حالت یہ ہو کہ وہ ان علوم عربیہ کے محتاج نہ ہوں، اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ انہیں عربی زبان پر عبور حاصل ہو اور ان کے چھوٹے بچوں نے عربی زبان میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور عربی زبان ان کی طبیعت بن گئی ہو، تو اس صورت میں اس مشقت میں پڑنے کی ان کو ضرورت نہیں، اور ابتدا ہی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے دین اس طرح اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (بغیر علوم آلیہ اور عربیہ کے) دین اخذ کیا تھا۔ (تفسیر سعدی: 1336/2)

سوال 2: ﴿فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ ”پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخش دیتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ﴾ ”پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے“ یعنی جب رسول سارے امور کو واضح کر دیتا ہے تو لوگوں پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ تو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نہیں مانتے اللہ تعالیٰ انہیں گمراہ کر دیتا ہے کیونکہ وہ گمراہ کیے جانے کے حق دار ہیں۔ (2) ﴿وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ ”اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخش دیتا ہے“ اللہ تعالیٰ اس کو سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے جو اس راستے پر چلنے کا حق رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی رحمت کے لیے چن لیتا ہے اور انہیں ہدایت عطا فرماتا ہے۔

سوال 3: ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ”اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ﴾ ”اور وہی سب پر غالب ہے“ جس کے ارادے پر کوئی چیز غالب نہیں آسکتی۔ (2) اللہ تعالیٰ کمال درجے کا غلبہ رکھتا ہے۔ وہ لوگوں کی زندگیوں کو جیسے چاہے پھیر دیتا ہے۔ سارے معاملات اسی کے کنٹرول میں ہیں، جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ (3) جس کا غلبہ یہ ہے کہ وہ ہدایت اور گمراہی کو اسی مقام پر واقع کرتا ہے جو ان کے لائق ہے۔ (تفسیر سعدی 1336/2: (4) الْحَكِيمُ ”کمال حکمت والا ہے“ اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں بڑی حکمت والا ہے۔ اس کائنات میں کوئی واقعہ کسی سبب اور بغیر تدبیر کے رونما نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہر کام اپنی حکمت اور تقدیر سے کرتا ہے۔ (5) اور اس کی حکمت یہ ہے کہ وہ ہدایت اور گمراہی کو اسی مقام پر واقع کرتا ہے جو ان کے لائق ہے۔ (تفسیر سعدی: 1336/2)

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ وَذَكَّرَهُمْ بِآيَاتِنَا اللَّهُ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّحَلِّ صَبَآرٍ

شکوہ

”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لاؤ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے دنوں کی یاد دلاؤ، یقیناً اس میں ہر اس شخص کے لیے نشانیاں ہیں جو بہت صبر کرنے والا، بہت شکر کرنے والا ہے۔“ (5)

سوال 1: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ وَذَكَّرَهُمْ بِآيَاتِنَا اللَّهُ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لاؤ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے دنوں کی یاد دلاؤ“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو بھیجا“ رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ جیسے ہم نے آپ ﷺ کو لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں اسی طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے۔ (2) ﴿بِآيَاتِنَا﴾ ”اپنی نشانیاں دے کر“ یعنی ایسی نشانیاں کے ساتھ جو ان کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرتی تھیں۔ (3) یہ نو نشانیاں تھیں: طوفان، ٹڈی دل، مینڈک، جوئیں سرسریاں، لہو، عصا، ید بیضا، پھلوں کے نقصانات اور قحط۔ (ابن ابی حاتم: 2235/7) (4) ﴿أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ ”کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لاؤ“ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات کے ساتھ بنی اسرائیل کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں جہالت اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور ہدایت کی روشنی کی طرف لے آئیں اور انہیں خیر و برکت کی دعوت دیں۔ (5) یعنی اپنی قوم کو شرک کی تاریکیوں سے توحید کے نور کی طرف لے آئیں۔ (ایسران تفسیر: 719) (6) اللہ تعالیٰ نے یہ حکم جیسے محمد ﷺ کو دیا اسی طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اور سارے انبیاء کو بھی دیا۔ (7) ﴿وَذَكَّرَهُمْ بِآيَاتِنَا اللَّهُ﴾ ”اور انہیں اللہ تعالیٰ کے دنوں کی یاد دلاؤ“ ایام اللہ سے مراد تاریخ

کے وہ اہم واقعات ہیں جب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ظاہر ہوا، جب اللہ تعالیٰ کی مدد سے حق نے باطل پر فتح پائی۔ ایام اللہ دراصل تاریخی دلائل ہیں۔ اس کے ذریعے سے ہر قوم اپنے معاملے کا جائزہ لے سکتی ہے۔ جب کوئی قوم پچھلے لوگوں کے انجام کو سامنے رکھتی ہے تو وہ غلطیاں کرنے سے گریز کر سکتی ہے جو پہلے لوگوں نے کیں اور اس طرح قوم کے افراد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکتے ہیں۔ (8) ایام اللہ کے لفظی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے دن اور ایسے دن مراد ہوتے ہیں جو تاریخ انسانی میں یادگار بن جاتے ہیں خواہ یہ خوشی کے ہوں یا مصیبت کے بلکہ ایک ہی دن ایک فریق کے لیے خوشی کا دن ہوتا ہے اور دوسرے فریق کے لیے مصیبت کا۔ جیسے 10 محرم کو فرعونوں اور اس کے لشکری دریا میں غرق ہوئے۔ اب یہی دن بنی اسرائیل کے لیے تو انتہائی خوشی کا دن تھا کہ انہیں فرعونوں کے مظالم سے نجات ملی اور وہ اسی سال 10 محرم کا روزہ بھی رکھا کرتے تھے اور یہی دن فرعونوں کے لیے مصیبت کا دن تھا۔ یہی صورت 17 رمضان 2ھ کی ہے۔ غزوہ بدر میں مشرکین کو شکست فاش ہوئی۔ یہ دن مسلمانوں کے لیے انتہائی خوشی کا دن تھا۔ اسی طرح پہلی قوموں پر جو عذاب الہی نازل ہوتا رہا تو انہیں ایام اللہ کہا جاتا ہے۔ (تیسیر القرآن: 447/2) (9) یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور اس کے احسانات اور جھٹلانے والی قوموں (کفار) کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سلوک اور وقائع یاد دلائیے تاکہ یہ اس کی نعمت کا شکر ادا کریں اور اس کے عذاب سے ڈریں۔ (تفسیر سعدی: 1337/2)

سوال 2: ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾ ”یقیناً اس میں ہر اس شخص کے لیے نشانیاں ہیں جو بہت صبر کرنے والا، بہت شکر کرنے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ﴾ ”یقیناً اس میں“ یعنی ان اللہ تعالیٰ کے دنوں میں۔ (2) ﴿لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾ ”ہر اس شخص کے لیے نشانیاں ہیں جو بہت صبر کرنے والا، بہت شکر کرنے والا ہے“ یعنی ہر صبر اور شکر کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعامات پر شکر ادا کرنے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (3) یعنی بنی اسرائیل پر احسانات ہیں کہ انہیں فرعون کے ظلم سے چھڑایا اور انہیں ذلت والے عذاب سے بچالیا، ان میں مصائب پر صبر اور خوشی میں شکر ادا کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مصیبت میں اپنے اوپر کنٹرول کر کے صبر کرنے والا خود پر فتح حاصل کرتا ہے، اور خوشی میں اپنے اوپر قابو پانے والا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے مدد لیتا ہے اور خود پر فتح حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کامیاب ہو جاتا ہے۔ (4) سیدنا ابویحییٰ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے ہر کام میں اس کے لئے بھلائی ہے اور یہ چیز مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اسے خوش حالی نصیب ہو (اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے) تو (یہ شکر کرنا بھی) اس کے لئے بہتر ہے (یعنی اس میں اجر ہے) اور اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے، تو یہ (صبر کرنا بھی) اس کے لئے بہتر ہے (کہ صبر بھی بجائے خود نیک عمل اور باعث اجر ہے)۔ (مسلم 7500) (5) سیدنا سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اسلام میں ایک ایسی بات بتادجئے پھر میں آپ ﷺ کے بعد کسی سے نہ پوچھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو کہہ میں ایمان لایا پھر اس پر ڈٹ جا۔ (صحیح

مسلم: (159) (6) ﴿قُلْ لِيَا آدَمَ اذْذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِيْنَ اَخْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً ۗ وَ اَمْرًا مِّنَ اللّٰهِ وَاَسِعَةً ۗ لَّيْسَ لَكُمُ فِي الصُّلُوْدِ اَجْرٌ مِّنْهُمۡ بِعَيْرِ حِسَابٍ﴾ کہہ دو اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! اپنے رب سے ڈر جاؤ۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک عمل کیے، ان کے لیے بھلائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع ہے۔ یقیناً صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔ (الزمر: 10)

سوال 3: ﴿وَاذْكُرْ اٰتَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ اِذْ كُرُوْا اِنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ ”اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاذْكُرْ اٰتَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ﴾ ”اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا“ یعنی اے ہمارے رسول ﷺ! یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے کہا تھا۔ (ایسر التفسیر: 720) (2) ﴿اِذْ كُرُوْا اِنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ ”کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو“ یعنی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ نے اپنی قوم کو جو نصیحت کی تھی کہ اپنے دل اور زبان سے ان انعامات کو یاد کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیے۔ (3) سفیان بن عیینہ نے کہا ﴿اِذْ كُرُوْا اِنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں تمہارے پاس ہیں ان کو یاد کرو اور جو اگلے واقعات اس کی قدرت کے ہوئے ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر)

سوال 4: ﴿اِذْ اٰنٰجِكُمْ مِّنْ اِلٰ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَ لَكُمْ سُوْعَ الْعٰدَابِ﴾ ”جب اس نے تمہیں آل فرعون سے نجات دلائی جو تمہیں برا عذاب پہنچاتے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذْ اٰنٰجِكُمْ مِّنْ اِلٰ فِرْعَوْنَ﴾ ”جب اس نے تمہیں آل فرعون سے نجات دلائی“ یعنی یاد کرو تمہیں اللہ تعالیٰ نے کتنے بڑے دشمن سے بچالیا۔ (2) ﴿يَسُوْمُوْنَ لَكُمْ سُوْعَ الْعٰدَابِ﴾ ”جو تمہیں برا عذاب پہنچاتے تھے“ یعنی وہ تمہیں ذلت والے عذاب میں مبتلا رکھتے تھے یعنی سخت ترین عذاب میں۔

سوال 5: ﴿وَيَذُرُّنَّ حٰوْنَ اَبْنَآءِ كُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَ كُمْ ۗ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاٌۭءٌ مِّنْ سَرٰٓئِكُمْ عَظِيْمٍ﴾ ”اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَذُرُّنَّ حٰوْنَ اَبْنَآءِ كُمْ﴾ ”اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے“ یعنی وہ تمہارے نومولود بیٹوں کو مار ڈالتے تھے کیونکہ کانہوں اور اس دور کے سیاسی افراد نے فرعون کو بتا رکھا تھا کہ بنی اسرائیل کا کوئی فرد تمہارا تخت الٹ دے گا۔ اس وجہ سے فرعون نے ان کے بیٹوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالنے کا حکم دے دیا تھا۔ (ایسر التفسیر: 720) (2) ﴿وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَ كُمْ﴾ ”اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے“ وہ عورتوں سے بے خوف تھے اس لیے انہیں اپنی خدمت کے لیے زندہ رکھتے تھے۔ (3) ﴿وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاٌۭءٌ مِّنْ سَرٰٓئِكُمْ عَظِيْمٍ﴾ ”اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی“ یعنی اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے بڑی آزمائش تھی، آزمائش خیر میں بھی ہوتی ہے شر میں بھی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنَبِّئْكُمْ بِالشَّرِّ وَاَلْحَدِيْثِ فَنَسِيْتُ ۗ وَالْيٰنٰثِرِ جَعُوْنَ ۝﴾ اور ہم تمہیں اچھی اور بری حالت

انسان نیک کاموں میں آگے بڑھتا ہے۔ (6) شکر گزار انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت کا اچھا استعمال کرتا ہے۔ (7) شکر گزار انسان جب دولت کا اچھا استعمال کرتا ہے تو اس میں ترقی ہوتی ہے اور برکت ملتی ہے۔ (8) شکر گزار انسان اپنی دولت کو انسانوں کی بھلائی کے لیے خرچ کرتا ہے تو وہ بھی خوش ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ (9) شکر گزاری باہمی تعاون کا ماحول پیدا کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے امن قائم ہوتا ہے۔

سوال 3: ﴿وَلٰكِن كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابَ اِلٰهٍ لَشَدِيْدٌ﴾ ”اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بلاشبہ بڑا سخت ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلٰكِن كَفَرْتُمْ﴾ ”اور اگر تم ناشکری کرو گے“ یعنی اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا نہ کرو، میری اور میرے رسول کی نافرمانی کرو تو میں تم سے نعمتیں چھین لوں گا، اور تمہیں ضرور عذاب دوں گا۔ (2) ﴿اِنَّ عَذَابَ اِلٰهٍ لَشَدِيْدٌ﴾ ”تو یقیناً میرا عذاب بلاشبہ بڑا سخت ہے“ لہذا اس سے ڈرو اور میری نافرمانیوں سے بچو۔

سوال 4: کفران نعمت کیا ہے اور اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: (1) کفران نعمت سے مراد ہے دل سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اعتراف نہ کرنا، نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء نہ کرنا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق استعمال نہ کرنا۔ (2) کفران نعمت کرنے والے سے نعمتیں واپس لے لی جاتی ہیں۔ (3) نعمت کا اثر انسان کے دل سے مٹ جاتا ہے۔ (4) بعض اوقات نعمت کسی کے لیے مصیبت بنا دی جاتی ہے اور نعمت والے پر نعمت ہی کی وجہ سے مصیبتیں آ جاتی ہیں۔ (5) کفران نعمت کے نتیجے میں لوگ اس سے حسد کرنے لگ جاتے ہیں۔ (6) کفران نعمت کی وجہ سے دنیا میں عذاب آ جاتا ہے۔ (7) کفران نعمت کی وجہ سے آخرت میں عذاب ملتا ہے۔ (8) کفران نعمت زوال نعمت کا سبب ہے۔

سوال 5: کفران نعمت کی وجہ سے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: (1) کفران نعمت کی وجہ سے انسان تکبر کرتا ہے۔ (2) کفران نعمت کی وجہ سے انسان سرکشی کرتا ہے۔ (3) کفران نعمت کی وجہ سے انسان فساد پھیلاتا ہے۔ (4) کفران نعمت کی وجہ سے انسان عیش و عشرت کرتا ہے۔ (5) کفران نعمت کی وجہ سے انسان رشتہ داروں اور محروم طبقات کے پورے حقوق ادا نہیں کرتا۔ (6) کفران نعمت کی وجہ سے دوسروں کی نفرت کا نشانہ بنتا ہے۔ (7) کفران نعمت کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت کا اچھا استعمال نہیں کرتا۔ (8) کفران نعمت کی وجہ سے باہمی تعاون کا ماحول پیدا نہیں ہوتا۔ (9) کفران نعمت کی وجہ سے انسانوں کے اندر جھل، حرص جیسے رویے پیدا ہوتے ہیں۔ (10) کفران نعمت کی وجہ سے انسان کا مال بے حیائی اور برائی کے کاموں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے، ایک کوڑھی، دوسرا اندھا، اور تیسرا گنجا، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کا امتحان لے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ

بھجھا۔ فرشتہ پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے؟ اس نے جواب دیا: اچھا رنگ اور اچھی جلد کیونکہ مجھ سے لوگ پرہیز کرتے ہیں۔ بیان کیا کہ فرشتے نے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس کی بیماری دور ہو گئی اور اس کا رنگ بھی خوبصورت ہو گیا اور جلد بھی اچھی ہو گئی۔ فرشتے نے کہا کس طرح کا مال تم زیادہ پسند کرو گے؟ اس نے کہا: اونٹ یا اس نے گائے کہی۔ اسحاق بن عبداللہ کو اس سلسلے میں شک تھا کہ کوڑھی اور گنجنے دونوں میں سے ایک نے اونٹ کی خواہش کی تھی اور دوسرے نے گائے کی۔ چنانچہ اسے حاملہ اونٹنی دی گئی اور کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت دے گا۔ پھر فرشتہ گنجنے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا کہ عمدہ بال اور موجودہ عیب میرا ختم ہو جائے کیونکہ لوگ اس کی وجہ سے مجھ سے پرہیز کرتے ہیں۔ بیان کیا کہ فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کا عیب جاتا رہا اور اس کے بجائے عمدہ بال آ گئے۔ فرشتے نے کہا: کس طرح کا مال پسند کرو گے؟ اس نے کہا: گائے۔ بیان کیا کہ فرشتے نے اسے حاملہ گائے دے دی اور کہا اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت دے گا۔ پھر اندھے کے پاس فرشتہ آیا اور کہا کہ تمہیں کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے آنکھوں کی روشنی دے تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ بیان کیا کہ فرشتے نے ہاتھ پھیرا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی اسے واپس دے دی۔ پھر پوچھا کہ کس طرح کا مال تم پسند کرو گے؟ اس نے کہا کہ بکریاں۔ فرشتے نے اسے حاملہ بکری دے دی۔ پھر تینوں جانوروں کے بچے پیدا ہوئے یہاں تک کہ کوڑھی کے اونٹوں سے اس کی وادی بھر گئی، گنجنے کی گائے نیل سے اس کی وادی بھر گئی اور اندھے کی بکریوں سے اس کی وادی بھر گئی۔ پھر دوبارہ فرشتہ اپنی پہلی شکل میں کوڑھی کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک نہایت مسکین فقیر آدمی ہوں، سفر کا تمام سامان و اسباب ختم ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے حاجت پوری ہونے کی امید نہیں لیکن میں تم سے اسی ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہیں اچھا رنگ اور اچھی جلد اور مال عطا کیا، ایک اونٹ کا سوال کرتا ہوں جس سے سفر کو پورا کر سکوں۔ اس نے فرشتے سے کہا کہ میرے ذمہ اور بہت سے حقوق ہیں۔ فرشتے نے کہا: غالباً میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ کیا تمہیں کوڑھ کی بیماری نہیں تھی جس کی وجہ سے لوگ تم سے گھن کھاتے تھے؟ تم ایک فقیر اور قلاش تھے، پھر تمہیں اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں عطا کیں؟ اس نے کہا کہ یہ ساری دولت تو میرے باپ دادا سے چلی آرہی ہے۔ فرشتے نے کہا: اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری پہلی حالت میں لوٹا دے۔ پھر فرشتہ گنجنے کے پاس اپنی اسی پہلی صورت میں آیا اور اس سے بھی وہی درخواست کی اور اس نے بھی کوڑھی والا جواب دیا۔ فرشتے نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی پہلی حالت میں لوٹا دے۔ اس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس اپنی اسی پہلی صورت میں آیا اور کہا کہ میں ایک مسکین آدمی ہوں، سفر کے تمام سامان ختم ہو چکے ہیں اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے حاجت پوری ہونے کی توقع نہیں۔ میں تم سے اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہاری بینائی واپس دے دی ہے، ایک بکری مانگتا ہوں جس سے اپنے سفر کی ضروریات پوری کر سکوں۔ اندھے نے جواب دیا کہ واقعی میں اندھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے بینائی عطا فرمائی اور واقعی میں فقیر و محتاج تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مال دار بنایا۔ تم جتنی بکریاں چاہو لے سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! جب تم نے خدا کا واسطہ دیا ہے تو جتنا بھی تمہارا جی چاہے لے جاؤ

میں تمہیں ہرگز نہیں روک سکتا۔ فرشتے نے کہا کہ تم اپنا مال اپنے پاس رکھو۔ یہ تو صرف امتحان تھا اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی اور خوش ہے اور تمہارے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہے۔ (بخاری: 3464)

﴿ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرًا أَنتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَبِيحًا ۖ قَالَ اللَّهُ لَعْنَىٰ حَيِّدٌ ۝۸ ﴾

”اور موسیٰ نے کہا کہ اگر تم بھی کفر کرو گے اور زمین کی تمام مخلوق بھی تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ یقیناً بڑا بے پرواہ، بے حد تعریف والا ہے۔“ (8)

سوال 1: ﴿ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرًا أَنتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَبِيحًا ۖ قَالَ اللَّهُ لَعْنَىٰ حَيِّدٌ ﴾ ”اور موسیٰ نے کہا کہ اگر تم بھی کفر کرو گے اور زمین کی تمام مخلوق بھی تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ یقیناً بڑا بے پرواہ، بے حد تعریف والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَقَالَ مُوسَىٰ ﴾ ”اور موسیٰ نے کہا“ یعنی موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا۔ (2) ﴿ إِنَّ تَكْفُرًا أَنتُمْ ﴾ ”کہ اگر تم بھی کفر کرو گے“ یعنی تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پا کر ان پر دل سے اس کا شکر ادا نہیں کرو گے۔ (3) ﴿ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَبِيحًا ﴾ ”اور زمین کی تمام مخلوق بھی“ اور زمین کے سارے لوگ اس کا انکار کریں گے یعنی ساری زمین کے لوگ ناشکرے ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ (4) ﴿ قَالَ اللَّهُ لَعْنَىٰ ﴾ ”تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ یقیناً بڑا بے پرواہ“ یعنی وہ اپنی ساری مخلوق سے بے نیاز ہے، وہ کسی کا حاجت مند

نہیں، کسی کی نیکی اس کی بادشاہت میں اضافہ نہیں کر سکتی اور کسی کا گناہ اس کی بادشاہت میں کمی نہیں کر سکتا، وہ غنا میں کمال رکھتا ہے۔ (5) اللہ تعالیٰ کو کسی کے شکر کی ضرورت نہیں ہے، اسے اس کی پرواہ بھی نہیں ہے، اس پر کسی کی ناشکری کا کوئی اثر بھی نہیں ہوتا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ إِنَّ تَكْفُرًا أَفْأَنَ اللَّهُ عَنِّي عَنَّمُ ﴾ ”اگر تم کفر کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے۔ (الزمر: 7) (6) ﴿ فَكْفَرُوا وَتَوَلَّوْا وَأَسْتَعْنَىٰ اللَّهُ وَاللَّهُ

عَنِّي حَيِّدٌ ﴾ پھر انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ ان سے بے پرواہ ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، قابل تعریف ہے۔ (التغابن: 6) (7) سیدنا ابو ذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے، پس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو سوائے ان کے جن کو میں ہدایت سے نواز دوں، پس تم مجھ سے ہی ہدایت طلب کرو، میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوائے ان کے جن کو میں کھانا عطا کر دوں، پس تم مجھ سے ہی کھانا مانگو، میں تمہیں کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب برہنہ ہو سوائے ان کے جن کو میں پوشاک پہنا دوں، پس تم مجھ سے ہی پوشاک (لباس) مانگو، میں تمہیں لباس پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو معاف کرتا ہوں، پس تم مجھ سے ہی مغفرت (بخشش) طلب کرو، میں تمہیں بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم میرے نقصان کو نہیں پہنچ سکتے کہ تم مجھے نقصان پہنچا سکو اور تم میرے نفع کو نہیں پہنچ سکتے کہ تم مجھے نفع پہنچا سکو (یعنی تم مجھے نقصان یا نفع پہنچانے پر قادر نہیں)۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول

اور آخر، تمہارے انسان اور جنات سب اس شخص کی طرح ہو جائیں جس کے دل میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے تو یہ بات میری بادشاہی میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر، تمہارے انسان اور جنات اس شخص کی طرح ہو جائیں جو تم میں سے سب سے زیادہ فاجر و فاسق ہے تو یہ چیز میری بادشاہی میں کوئی کمی نہیں کر سکتی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے، انس و جن سب ایک کھلے میدان میں جمع ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر ایک کو اس کے سوال کے مطابق عطا کر دوں تو اس سے میرے خزانوں میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی کمی سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یقیناً تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لیے گن کر رکھتا ہوں، پھر تمہیں ان کا پورا بدلہ دیتا ہوں، پس جو بھلائی پائے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جو اس کے علاوہ پائے، پس وہ اپنے ہی نفس کو ملامت کرے۔“ سعید بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابو ادریس رضی اللہ عنہ نے کہا جب بھی یہ حدیث بیان کرتے تو اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑتے۔ (مسلم: 6572) (8) ﴿حَبِيبٌ﴾ ”بے حد تعریف والا ہے“ یعنی وہ اپنی ذات، اپنے اسماء و صفات اور اپنے افعال میں قابل حمد و ستائش ہے۔ اس کی ہر صفت، صفت حمد و کمال ہے، اس کا ہر نام اچھا نام ہے اور اس کا ہر فعل فعل جمیل ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1338)

﴿اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُوْدُ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ط جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوْا اَيُّدِيْهِمْ فِيْ اَنْفُوْسِهِمْ وَقَالُوْا اِنَّا كَفَرْنَا بِهَا اَمْ سَلَّمْتُمْ بِهَا اِنَّ الْفِرْسَ لَشَكٌّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿٩﴾

”کیا تمہیں ان کی خبر نہیں پہنچی، جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں؟ قوم نوح اور عاد اور ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ان کے رسول ان کے پاس روشن نشانیاں لائے تھے تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں لوٹا دیئے اور انہوں نے کہا کہ تمہیں جو دے کر بھیجا گیا ہے واقعتاً ہم اس کو نہیں مانتے اور بلاشبہ ہم یقیناً اس کے متعلق بے چین کرنے والے شک میں ہیں جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو۔“ (9)

سوال 1: ﴿اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُوْدُ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ط﴾ ”کیا تمہیں ان کی خبر نہیں پہنچی، جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں؟ قوم نوح اور عاد اور ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَلَمْ يَأْتِكُمْ﴾ ”کیا تمہیں نہیں پہنچی“ یہ موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے جب وہ انہیں نصیحت کر رہے تھے اور یاد دلا رہے تھے۔ (ایسر التفاسیر: 721) (2) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ پچھلی قوموں کے حالات بیان فرمائے ہیں جن کے پاس اس کے رسول آئے اور انہوں نے جھٹلا دیا تو ان قوموں پر اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل فرمایا۔ اب اپنے بندوں کو اس سے ڈراتے ہوئے فرمایا ہے کہ کیا

يَعْبُونَ ﴿ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ تمہارا رب اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب۔ بلکہ وہ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں۔ (الدخان: 8، 9) (7) سارے انبیاء کی قوموں نے اسی الزام کے ساتھ دین اور نبی کو جھٹلادیا۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ قَالُوا اِطِيعُوا مَا رَجُوا قَبْلَ هَذَا اَتْتَهُمْ اَنْ تَعْبُدُوا مَا يَعْجُبُ اَبَاؤُنَا وَ اَتْنَا لَعْنَةَ شَيْءٍ مِمَّا تَدْعُوْنَ اَلَيْهِمْ مُّرِيْبٌ ﴾ انہوں نے کہا اے صالح: یقیناً اس سے پہلے تم ہم میں سے ایسے تھے جس سے امیدیں تھیں کیا تم ہمیں ان کی عبادت سے روکتے ہو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کے بارے میں ہم تردد آمیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ (ہود: 62) (8) ﴿ وَ لَقَدْ اَتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۗ وَاُولَٰئِكَ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقَضَىٰ بِهِنَّ ۗ وَاِنَّهُمْ لَعَفَىٰ شَيْءٍ مِّنْهُ مُرِيْبٌ ﴿ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سوا اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے وہ بات نہ ہوتی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور بلاشبہ وہ لوگ یقیناً اس قرآن سے بے چین رکھنے والے شک میں ہیں۔ (ہود: 110) (9) ﴿ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِسُوْا الْكِتَابَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَعَفَىٰ شَيْءٍ مِّنْهُ مُرِيْبٌ ﴾ اور انہوں نے آپس میں تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا، آپس کی ضد کی وجہ سے اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات مدت مقرر تک طے نہ ہوتی تو ضرور ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، اور یقیناً جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب کا وارث بنا یا گیا وہ اس کے بارے میں بے چین کرنے والے شک میں ہیں۔ (اشوری: 14) (10) ﴿ فَاِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَفْقَهُوْنَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ ۗ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴾ پھر اگر آپ اس بارے میں کسی شک میں ہو جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں، بلاشبہ یقیناً آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق ہی آیا ہے سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ (یونس: 94) (11) ﴿ قُلْ يَاۤ اَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَا اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَلَكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَكَّلُكُمْ ۗ وَاَمْرٌ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ کہہ دو کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی شک میں ہو تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو لیکن میں اس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہو جاؤں۔ (یونس: 104)

﴿ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِى اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ يَدْعُوْكُمْ لِيُخَفِّرَكُمْ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخَّرَكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ

قَالُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۗ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْا عَنَّا كَاَنْ يَّعْبُدُ اٰبَاؤُنَا فَاقْتُوْا سُلْطٰنَ مُّبِيْنٍ ﴿

”ان کے رسولوں نے کہا کہ کیا اس اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی شک ہے جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے اور تمہیں ایک مدت مقررہ تک مہلت دے۔ انہوں نے کہا کہ تم اور کچھ نہیں مگر ہمارے جیسے انسان ہی ہو، تم چاہتے ہو کہ ان سے ہمیں روک دو، جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے چنانچہ تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لاؤ۔“ (10)

سوال 1: ﴿ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِى اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ”ان کے رسولوں نے کہا کہ کیا اس اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی

شک ہے جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَتْ سُرَّمُهَا﴾ ”ان کے رسولوں نے کہا“ یعنی رسولوں نے اپنی کافر قوموں سے کہا۔ (2) ﴿أَفِي اللَّهِ شَكٌّ﴾ ”کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی شک ہے“ یعنی کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کی توحید میں شک ہے اور اس میں کہ وہ زمین و آسمان کو بنانے والا ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید میں تو کوئی شک نہیں، اللہ تعالیٰ کا وجود تو سب سے واضح ہے۔ تمہارے ضمیر اسی کو پکار رہے ہیں۔ (4) ﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے“ یعنی جس کے وجود پر تمام اشیاء کے وجود کا دار و مدار ہے۔ تو اس کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہیں جو معلوم ہو، حتیٰ کہ امور محسوسہ بھی اس کی تائید نہیں کرتے۔ اس لئے انبیاء و مرسلین نے ان کو اس طرح خطاب فرمایا ہے کہ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ (تفسیر سعدی: 2/1340، 1339)

سوال 2: ﴿يَدْعُوْكُمْ لِيَعْفُوْا عَنْكُمْ مِّنْ دُوْنِكُمْ وَيُوْحِيْ حُرْمَۃَ اٰیٍ اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ”وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے اور تمہیں ایک مدت مقررہ تک مہلت دے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَدْعُوْكُمْ﴾ ”وہ تمہیں بلاتا ہے“ وہ تمہیں ایمان اور عمل صالح کی دعوت دیتا ہے۔ (2) ﴿لِيَعْفُوْا عَنْكُمْ مِّنْ دُوْنِكُمْ﴾ ”تاکہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے“ یعنی تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان جو بھی چھوٹے بڑے گناہ ہیں ان کو وہ بخش دے گا۔ جہاں تک لوگوں پر کیے جانے والے مظالم کا تعلق ہے تو وہ ان کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے تاکہ تم ان سے معاف کروالو۔ (ایسر التفاسیر: 721، 722) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيعُوْا لِيَعْفُوْا عَنْكُمْ مِّنْ دُوْنِكُمْ﴾ اور اس سے ڈر کر رہو اور میری اطاعت کرو، وہ تمہارے گناہوں میں سے معاف کر دے گا۔ (نوح: 3، 4) (4) ﴿يَقُوْمُ مِّنْ اٰجِبُوْا اِدْعٰى اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهِ لِيَعْفُوْا عَنْكُمْ مِّنْ دُوْنِكُمْ﴾ اے ہماری قوم اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کر لو اور اس پر ایمان لے آؤ وہ تمہارے گناہوں سے تمہیں معاف فرمائے گا۔ (الاحقاف: 31) (5) ﴿وَيُوْحِيْ حُرْمَۃَ اٰیٍ اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ”اور تمہیں ایک مدت مقررہ تک مہلت دے گا“ یعنی موت کے وقت تک تمہیں مہلت دے گا۔ (6) یعنی تمہیں رسول کی دعوت پر لپیک کہنے کے اجر میں دنیاوی اور اخروی ثواب عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لئے دعوت نہیں دی کہ تمہاری عبادت سے مستفید ہو بلکہ تمہاری عبادت کا فائدہ تمہاری ہی طرف لوٹے گا۔ انہوں نے اپنے رسولوں کی دعوت کو اس طرح ٹھکرا دیا جیسے جاہل اور بے وقوف لوگ ٹھکراتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2/1340)

سوال 3: ﴿قَالُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلٰهٌ مِّمَّنْ اٰنَاۤ اِلٰهٌ﴾ ”انہوں نے کہا کہ تم اور کچھ نہیں مگر ہمارے جیسے انسان ہی ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوْا﴾ ”انہوں نے اپنے رسولوں سے کہا۔ (2) ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلٰهٌ مِّمَّنْ اٰنَاۤ اِلٰهٌ﴾ ”کہ تم اور کچھ نہیں مگر ہمارے جیسے انسان ہی ہو“ جب صورت اور بہیت میں ہمارے جیسے انسان ہو فرشتے نہیں ہو تو تمہیں نبوت کی وجہ سے ہم پر کیسے فضیلت حاصل ہو سکتی ہے؟ تمہارے کہنے سے ہم تمہیں رسول کیسے مان سکتے ہیں؟

سوال 4: ﴿ثُرَيْدُونَ أَنْ كُفُّوا عَمَّا كَانُ يَعْبُدُ آبَاءَهُمْ وَإِنَّهٗمْ لَفِ سُلْطٰنٍ مُّبِينٍ﴾ ”تم چاہتے ہو کہ ان سے ہمیں روک دو، جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے چنانچہ تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لاؤ“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُرَيْدُونَ أَنْ كُفُّوا عَمَّا كَانُ يَعْبُدُ آبَاءَهُمْ﴾ ”تم چاہتے ہو کہ ان سے ہمیں روک دو“ تم چاہتے ہو کہ ہمیں روک دو ہمیں بتوں کی عبادت سے پھیر دو۔ (2) ﴿عَمَّا كَانُ يَعْبُدُ آبَاءَهُمْ﴾ ”جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے“ یعنی ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کی عبادت کو کیسے ترک کر سکتے ہیں؟ آپ کی رائے پر ہم آپ کی اطاعت کیسے کر سکتے ہیں؟ (3) ﴿فَأَنذَرْنَا سُلْطٰنٍ مُّبِينٍ﴾ ”چنانچہ تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لاؤ“ یعنی ایسی واضح دلیل، ایسا معجزہ، ایسی حجت پیش کرو کہ ہم پر حقیقت کھل جائے۔

﴿ قَالَتْ لَهُمْ مَرْسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لَكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِّنْ عِبَادِهِ ۗ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُم بِسُلْطٰنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَعَلَىٰ اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝﴾

”ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم کچھ نہیں مگر تمہارے ہی جیسے انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے اور ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم تمہارے پاس اذن الہی کے بغیر کوئی دلیل لائیں اور اللہ تعالیٰ ہی پر تو لازم ہے کہ ایمان والے بھروسہ کریں۔“ (11)

سوال 1: ﴿قَالَتْ لَهُمْ مَرْسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لَكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِّنْ عِبَادِهِ ۗ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُم بِسُلْطٰنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَعَلَىٰ اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝﴾ ”ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم کچھ نہیں مگر تمہارے ہی جیسے انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَتْ لَهُمْ مَرْسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ ”ان کے رسولوں نے ان سے کہا“ ان کے رسولوں نے ان کے اعتراضات اور مطالبات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ (2) ﴿إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ ”ہم کچھ نہیں مگر تمہارے ہی جیسے انسان ہیں“ یعنی واقعی ہم تمہاری طرح ایک انسان ہیں۔ (3) ﴿وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِّنْ عِبَادِهِ ۗ﴾ ”لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے“ مگر تمہارا اعتراض اس کو غلط ثابت نہیں کر سکتا جو ہم لے کر آئے ہیں۔ (4) جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی وحی اور رسالت سے نوازا دیا، تو یہ اس کا فضل و احسان ہے اور کسی کے بس میں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو روک سکے اور اس کو اس کی نوازشوں سے منع کر سکے۔ تم اس چیز میں غور کرو جو ہم تمہارے پاس لے کر آئے ہیں اگر وہ حق ہے تو اسے قبول کر لو اور اگر وہ حق نہیں ہے تو بے شک اسے ٹھکرا دو۔ مگر ہم جو کچھ لے کر آئے اسے ٹھکرانے کے لئے ہمارے حال کو اپنے لئے دلیل نہ بناؤ۔ (تفسیر سعدی: 2/1340)

سوال 2: ﴿وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ ” اور ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم تمہارے پاس اذن الہی کے بغیر کوئی دلیل لائیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ﴾ ” اور ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم تمہارے پاس کوئی دلیل لائیں“ یہ ہمارے بس میں نہیں کہ ہم کوئی دلیل، کوئی حجت، کوئی برہان لے آئیں جس کے ذریعے تمہیں دعوت دیں۔ (جامع البیان: 13/195) (2) ﴿إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ ” اذن الہی کے بغیر“ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اگر وہ چاہے تو تمہارے پاس معجزہ نہ لائے، اور وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اپنی حکمت اور رحمت کے تقاضے کے مطابق کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1341) (3) یعنی سوائے اس کے کہ اس پر ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہو۔ (جامع البیان: 13/195)

سوال 3: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ ” اور اللہ تعالیٰ ہی پر تو لازم ہے کہ ایمان والے بھروسہ کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَعَلَى اللّٰهِ﴾ ” اور اللہ تعالیٰ ہی پر“ یعنی جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔ (2) یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر نہیں۔ (3) ﴿فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ ” لازم ہے کہ ایمان والے بھروسہ کریں“ یعنی ایمان والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اس پر اعتماد کرتا ہے، اسی پر توکل کرتا ہے۔ (4) وہ اپنے مصالح کے حصول اور ضرر کو روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ انہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کفایت تامہ، قدرت کاملہ اور بے پایاں احسان کا مالک ہے۔ جلب مصالح اور دفع ضرر میں آسانی پیدا کرنے میں اہل ایمان اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں اور ان کا توکل ان کے ایمان کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے توکل کا وجوب مستفاد ہوتا ہے۔ نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ توکل لوازمات ایمان اور بڑی بڑی عبادات میں شمار ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور جن پر اللہ تعالیٰ راضی ہے کیونکہ تمام عبادات توکل پر موقوف ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2/1341) (5) مفسرین لکھتے ہیں کہ داعی الی اللہ کو ہر حال میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ ہر قوت و عزیمت کا سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (تیسیر الرحمن: 1/726) (6) سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ رات میں یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! تیرے ہی لیے تعریف ہے تو آسمان وزمین کا مالک ہے۔ حمد تیرے لیے ہے تو آسمان وزمین کا قائم کرنے والا ہے اور ان سب کا جو اس میں ہیں تیرے ہی لیے حمد ہے تو آسمان وزمین کا نور ہے۔ تیرا قول حق ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تیری ملاقات سچ ہے اور تیری جنت سچ ہے اور دوزخ سچ ہے۔ اے اللہ! میں نے تیرے ہی سامنے سر جھکا دیا میں تجھ پر ایمان لایا، میں نے تیرے ہی اوپر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا۔ میں نے تیری ہی مدد کے ساتھ مقابلہ کیا اور میں تجھ سے ہی انصاف کا طلب گار ہوں۔ پس تو میری مغفرت کر، ان تمام گناہوں میں جو میں پہلے کر چکا ہوں اور جو بعد میں مجھ سے صادر ہوئے ہوں جو میں نے چھپا رکھے ہیں اور جن کا میں نے اظہار کیا ہے، تو ہی میرا معبود ہے اور تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں، اور تو حق ہے اور تیرا کلام حق ہے۔ (صحیح بخاری: 7385)

﴿ وَمَا لَنَا آلَاتِنَا عَلَى اللَّهِ وَ قَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا وَ لَكُصُودِنَّ عَلَى مَا آدَيْتُونَا وَ عَلَى اللَّهِ فَيَسْتَوِي ﴾

الْمَسْوُكُونَ ﴿١٧﴾

”اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ اس نے ہمیں ہمارے راستے دکھائے ہیں؟ اور جو بھی تکلیف تم ہمیں دو گے اس پر یقیناً ہم ضرور صبر کریں گے پس بھروسہ کرنے والوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کریں۔“ (12)

سوال 1: ﴿ وَمَا لَنَا آلَاتِنَا عَلَى اللَّهِ وَ قَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا ﴾ ”اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ اس نے ہمیں ہمارے راستے دکھائے ہیں؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَمَا لَنَا آلَاتِنَا عَلَى اللَّهِ ﴾ ”اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کریں“، یعنی ہمارا راستہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عظمت کی پہچان اور اس کی بادشاہی کی عزت کی طرف لے جاتا ہے تو کون سی چیز ہمیں مجبور کر سکتی ہے کہ ہم اس پر توکل نہ کریں جو قوت والا اور غلبے والا ہے۔ (ایسر التفسیر: 722) (2) ﴿ وَ قَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا ﴾ ”حالانکہ اس نے ہمیں ہمارے راستے دکھائے ہیں“، یعنی کون سی چیز ہمیں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے سے روک سکتی ہے حالانکہ ہم واضح حق اور ہدایت پر ہیں اور جو کوئی حق اور ہدایت کی راہ پر گامزن ہوتا ہے تو یہ ہدایت اس کے لئے توکل کی تکمیل کی موجب بنتی ہے۔ اسی طرح یہ معلوم ہونا کہ، اللہ تعالیٰ راہ ہدایت پر چلنے والے کے بوجھ کی کفالت کرتا اور اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے، توکل کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے برعکس جو کوئی حق اور ہدایت کی راہ اختیار نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی کفالت و کفایت کا ضامن نہیں ہوتا، پس اس کا حال متوکل کے حال کے برعکس ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں، انبیاء و مرسلین کی طرف سے گویا اپنی قوم کے لئے ایک عظیم معجزے کی طرف اشارہ ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کی قوم غالب حالات میں، اقتدار اور غلبے کی مالک ہوتی ہے۔ اس کے رسول ان کو مقابلے کی دعوت دیتے ہوئے کہتے تھے کہ وہ ان کی چالوں اور سازشوں کو ناکام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی کفایت کا پورا یقین ہے اور کفار کی انبیاء و مرسلین کی بیخ کنی کی خواہش اور نور حق کو بجھانے کی حرص کے باوجود، اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کی کفایت کی اور انہیں کفار کے مکروکید سے بچایا۔ ﴿ وَ اَثَلْ عَلَيْهِمْ نَبَأُ نُوحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ لَيَقُوْنَنَّ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَ تَذَكَّرْتُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْعَلُوا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَاءَ كُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرَكُمْ عَلَيْكُمْ عُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا اِلَيَّ وَلَا تَنْظُرُوْنَ ﴾ اور آپ ان پر نوح کی خبر پڑھ دیں جب اس نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ میرا کھڑا ہونا اور میرا نصیحت کرنا تم پر بھاری گزرا ہے تو میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے، سو تم اپنے معاملے کا اپنے شریکوں سمیت کوئی منفقہ فیصلہ کرو پھر تمہارا معاملہ تم

پر چھپانہ رہے پھر مجھ پر کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔ (یونس: 71) اسی طرح ہود نے اپنی قوم سے کہا: ﴿إِنِّي أُرْسِلُ إِلَيْكُمْ رَسُولًا مِّنْ دُونِي يُبَيِّنُ لَكُمْ آيَاتِي وَيُزَكِّيكُمْ مِنَ الذَّنْبِ وَيُبَيِّنُ لَكُمْ صِرَاطِي وَيُخْرِجُكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ (یونس: 109) یعنی میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ اس کے سوا تم جو شریک بناتے ہو بلاشبہ میں ان سے بیزار ہوں۔ اس کے سوا، چنانچہ تم سب مل کر میرے خلاف تدبیر کرو پھر مجھے مہلت بھی نہ دو۔ (ہود: 54,55) (تفسیر سعدی: 2/1342)

سوال 2: ﴿وَلِكُلِّ صِدْقٍ عَلَىٰ مَا أَذِيقُوا﴾ اور جو بھی تکلیف تم ہمیں دو گے اس پر یقیناً ہم ضرور صبر کریں گے، کی وضاحت کریں؟
جواب: ”اور جو بھی تکلیف تم ہمیں دو گے اس پر یقیناً ہم ضرور صبر کریں گے، یعنی تمہاری زبانوں اور ہمارے ہاتھوں سے جو تکالیف پہنچتی ہیں اس بارے میں ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کریں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تم سے ہمارا انتقام لے لے۔ (ایسر التفسیر: 722)

سوال 3: ایذاؤں پر صبر کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟
جواب: (1) ایذاؤں پر صبر کے نتیجے میں مومن کمزوری نہیں دکھاتا۔ (2) جدوجہد میں کمی نہیں ہوتی۔ (3) انسان شک میں گرفتار نہیں ہوتا۔ (4) مخالف قوتیں مباحثہ اور مجادلہ چھوڑ دیتی ہیں۔

سوال 4: ﴿وَعَلَى اللَّهِ فَيْئُوتُ كُلُّ الشَّيْءِ﴾ ”پس بھروسہ کرنے والوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”پس بھروسہ کرنے والوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کریں“ یعنی جب وہ ہر اعتماد کرنے والے کا کفیل ہے اور اس پر توکل کرنے والے اپنے معاملات اس کے سپرد کرتے ہیں۔ (ایسر التفسیر: 722) (2) اللہ تعالیٰ پر توکل ہر بھلائی کی کنجی ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ انبیاء و مرسلین توکل کے بہترین مطالب اور بلند ترین مراتب پر فائز ہیں اور وہ ہے اقامت دین میں، اللہ تعالیٰ کی مدد میں، اس کے بندوں کی راہ نمائی اور ان سے گمراہی کے ازالے میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا اور یہ کامل ترین توکل ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1342) (3) سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جیسے میں (اس وقت) رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں آپ ایک پیغمبر (سیدنا نوح علیہ السلام) کی حکایت بیان کر رہے تھے ان کی قوم والوں نے ان کو اتنا مارا کہ لہو لہان کر دیا۔ وہ اپنے منہ سے خون پونچھتے تھے اور یوں دعا کرتے جاتے پروردگار میری قوم کو بخش دے وہ نادان ہیں۔ (بخاری: 6929) (4) ایک بارسیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ پر احد کے دن سے بھی زیادہ سخت دن کوئی گزرا ہے؟ فرمایا: تیری قوم کی طرف سے اور تو جو تکلیفیں پہنچیں مگر سب سے بڑھ کر سخت دن وہ تھا جب میں نے طائف میں عبدیلیل کے بیٹے کے سامنے دعوت رکھی اور اس نے اسے رد کر دیا اور اس درجہ صدمہ ہوا کہ قرن الثعالب کے مقام تک جا کر بمشکل طبیعت سنبھلی۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے آپ کے ٹڈھال اور بے ہوش ہو جانے پر طائف سے کندھوں پر آپ کو اٹھا کر

شہر کے باہر پہنچایا، دل اندوہ گیس کے ساتھ عرض کرنے لگے آپ ان لوگوں کے لیے خدا سے بددعا کریں۔ فرمایا: میں ان کے لیے کیوں بددعا کروں۔ اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو امید ہے کہ ان کی نسلیں ضرور خدائے واحد کی پرستار ہوں گی۔ اسی سفر میں جبرائیل آتے ہیں اور اطلاع دیتے ہیں کہ پہاڑوں کا انچارج فرشتہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اگر آپ اشارہ کریں تو وہ ان پہاڑوں کو آپس میں ملا دے جن کے درمیان مکہ اور طائف واقع ہے اور دونوں شہروں کو پیس کر رکھ دے۔ (حسن انسانیت: 212)

رکوع نمبر: 15

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِمْ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ لِيُظْهِرُوا لِيهِمْ أَنَّهُ لَأَنْبِيَاءٌ كَذَّابَةٌ ﴾

الطَّلَبِينَ (13)

”اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ یقیناً ہم تمہیں ضرور اپنی زمین سے نکال دیں گے یا لازماً تم ضرور ہماری ملت میں واپس آؤ گے، تو ان کے رب نے ان کی طرف وحی کی یقیناً ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے۔“ (13)

سوال 1: ﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِمْ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ لِيُظْهِرُوا لِيهِمْ أَنَّهُ لَأَنْبِيَاءٌ كَذَّابَةٌ ﴾ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ یقیناً ہم تمہیں ضرور اپنی زمین سے نکال دیں گے یا لازماً تم ضرور ہماری ملت میں واپس آؤ گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِمْ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ لِيُظْهِرُوا لِيهِمْ أَنَّهُ لَأَنْبِيَاءٌ كَذَّابَةٌ ﴾ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے اپنے رسولوں سے کہا“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کافر قوموں کی جانب سے رسولوں کو دی جانے والی دھمکی کے بارے میں خبر دی گئی ہے۔ (2) ﴿ نُزِّلَ عَلَيْهِمْ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ لِيُظْهِرُوا لِيهِمْ أَنَّهُ لَأَنْبِيَاءٌ كَذَّابَةٌ ﴾ ”یقیناً ہم تمہیں ضرور اپنی زمین سے نکال دیں گے“ یعنی ہم تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیں گے جیسا کہ شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان سے اور ایمان والوں سے کہا ﴿ نُزِّلَ عَلَيْكَ الْبُحْبُوبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَوْمِكَ ﴾ اے شعیب! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ضرور بہ ضرور اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ (الاعراف: 88) (3) اور لوط علیہ السلام کی قوم نے کہا ﴿ أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ﴾ اپنی بستی سے لوط کے گھر والوں کو نکال دو۔ (النمل: 56) (4) مشرکین قریش کے بارے میں رب العزت نے خبر دی ﴿ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوا مِنْهَا وَإِلَّا يَلْبَثُونَ خَلْقَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ اور بلاشبہ قریب تھا کہ وہ ضرور اس زمین سے آپ کے قدم اکھاڑ دیں تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں اور تب آپ کے پیچھے وہ بہت کم ٹھہر پائیں گے۔ (بنی اسرائیل: 76) (5) ﴿ أَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي مِلَّتِنَا ﴾ ”یا لازماً تم ضرور ہماری ملت میں واپس آؤ گے“ یہ انبیاء کی دعوت کو ٹھکرانے کا سب سے زیادہ بلیغ طریقہ ہے اور اس کے بعد ان پر کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ انہوں نے ہدایت ہی سے روگردانی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے رسولوں کو ان کے وطن سے نکال دینے کی بھی دھمکی دی اور وطن کو صرف

اپنی طرف منسوب کیا، ان کا زعم تھا کہ وطن پر رسولوں کا کوئی حق نہیں اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو روئے زمین پر پھیلا یا اور ان کو اپنی عبادت کا حکم دیا اور زمین کی ہر چیز کو ان کے لئے مسخر کر دیا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر ان چیزوں سے مدد لیتے ہیں۔ پس جو کوئی ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں استعمال کرتا ہے یہ اس کے لئے جائز ہیں اور اس پر کوئی گرفت نہیں اور جو کوئی ان کو کفر اور مختلف قسم کے گناہ اور معاصی میں استعمال کرتا ہے تو یہ اشیاء اس کے لئے خالص ہیں نہ اس کے لئے حلال ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ دشمنان انبیاء، درحقیقت زمین کی کسی شے کے مالک نہیں، وہ زمین سے جس سے وہ انبیاء کرام کو جلا وطن کرنے کی دھمکی دیتے ہیں اس کی کسی چیز کے بھی مالک نہیں۔ (تفسیر سعدی: 1343/2) (6) پیغمبر کی قوم نے دعوت دین سے اپنے بڑوں اور ان کے دین پر زد پڑتے دیکھی تو وہ ان سے بگڑ گئے۔ قوم کے افراد دلائل سے دعوت کو رد نہیں کر سکتے تھے لیکن ان کے پاس اختیارات تھے، اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا جس دعوت کا جواب دلیل سے نہیں دے سکے، طاقت کے زور سے اس کو روک دیں۔ لہذا انہوں نے جلا وطن کرنے کی دھمکی دے دی۔ (7) ہر پیغمبر کی قوم اسلام کے مقابلے میں جاہلیت کی علمبردار رہی ہے اور کوئی غیر اسلامی جاہلانہ نظام اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ اسلام کے پاس کوئی مستقل اقتدار اور اپنی قیادت ہو۔ اسی لئے پیغمبروں کی قوم نے ان سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ دعوت دینا بند کر دیں بلکہ یہ کہا کہ ہماری ملت میں واپس آ جاؤ تاکہ اسلام کا کوئی مستقل وجود باقی نہ رہے۔

سوال 2: ﴿فَاَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهَلِكَنَّ الظَّالِمِينَ﴾ ”تو ان کے رب نے ان کی طرف وحی کی یقیناً ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ﴾ ”تو ان کے رب نے ان کی طرف وحی کی“ جب رسولوں کے خلاف ان کی قوموں کی سازشیں ایسے مقام پر پہنچ گئیں تو اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مدد کرے اور اپنا حکم نافذ کر دے۔ (2) ﴿لَنُهَلِكَنَّ الظَّالِمِينَ﴾ ”یقیناً ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے“ یعنی ظالموں کو جو شرک اور فساد کرتے ہیں، انہیں عذاب کی مختلف قسموں سے ہلاک کر دے گا۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْيَوْمَ سَلِينٌ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا وَالنَّصُورُ مَأْوُونَ ۗ وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْعَلِيُونَ ۗ﴾ اور بلاشبہ یقیناً ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے ہمارا فیصلہ پہلے ہی صادر ہو چکا۔ یقیناً وہ وہی ہیں جن کو مدد دی جائے گی۔ اور بے شک ہمارا لشکر ہی یقیناً غالب آنے والا ہے۔ (الصف: 171, 173) (4) ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَبِينَ ۗ وَأَنَّا مُرْسِلِينَ ۗ﴾ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔ (المجادلہ: 21) (5) امام رازی لکھتے ہیں کہ اہل حق ہر زمانے میں کم ہوا کرتے ہیں، اور اہل باطل کی کثرت رہی ہے، اور حق کا چراغ بجھانے کے لیے ہمیشہ آپس میں تعاون کرتے رہے ہیں، اسی لئے انہوں نے کبر و غرور میں انبیاء کو ایسی دھمکی دی، تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو اطمینان دلایا اور کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں، ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے، اور زمین کا مالک آپ ہی کو بنا لیں گے۔ (تیسیر الرحمن: 726, 727/1)

﴿وَلَسْتُ كُنْتُ لَكُمْ إِلَّا مَرَضٌ مِنْ بَعْدِهِمْ ۗ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ﴾ (14)

”اور یقیناً ہم ان کے بعد تمہیں ضرور زمین میں بسائیں گے، یہ اس کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری وعید سے ڈرے۔“ (14)

سوال 1: ﴿وَلَسْتُ كُنْتُ لَكُمْ إِلَّا مَرَضٌ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ ”اور یقیناً ہم ان کے بعد تمہیں ضرور زمین میں بسائیں گے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ”اور یقیناً ہم ان کے بعد تمہیں ضرور زمین میں بسائیں گے“ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیاء سے وعدہ ہے کہ کافر قوم کے مقابلے میں ان کی مدد فرمائے گا۔ (2) یہ وعدہ محمد ﷺ سے بھی ہے کہ مشرکوں کے معاملے میں اسی طرح صبر کریں جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا تھا کیونکہ کافروں کا انجام ہلاکت ہے۔ رب العزت نے فرمایا ﴿سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۗ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ ﴿اللہ تعالیٰ کی سنت ہے ان لوگوں میں سے جو اس سے پہلے گزرے اور آپ اللہ تعالیٰ کی سنت میں کبھی کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔ (الاحزاب: 62) (جامع البیان: 197/14) (3) ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزُّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَمْرَ لِيَوْمِ الظُّلُمِوتِ ۗ﴾ اور بلاشبہ یقیناً زبور میں ہم نے اس نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ بے شک زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ (الانبیاء: 105) (4) ﴿كُتِبَ اللَّهُ لَا غُلْبَةَ إِلَّا عَلَىٰ مَنْ سَلَّمَ﴾ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔ (الجماد: 21)

سوال 2: ﴿ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ﴾ ”یہ اس کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری وعید سے ڈرے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذَٰلِكَ﴾ یہ انجام یعنی مومنوں کی نجات اور کافروں کی ہلاکت۔ (2) ﴿لِمَنْ خَافَ مَقَامِي﴾ ”اس کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے“ یعنی جو قیامت کے دن میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا۔ (3) ﴿وَخَافَ وَعِيدِ﴾ ”اور میری وعید سے ڈرے“ اور رسولوں کا انکار کرنے والوں اور میری عبادت میں شرک کرنے والوں کے لیے میرے عذاب دینے سے ڈر گیا۔ (ایسر التفسیر: 722) (3) یعنی قرآن میں جو وعیدیں ہیں ان سے ڈر گیا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر گیا۔ (فتح القدر: 125/3) (4) یعنی یہ اچھا انجام جس سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل اور ان کے پیروکاروں کو بہرہ ور کیا، اس شخص کی جزا ہے۔ لمن خاف مقامی یعنی جو دنیا میں، میرے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی نگہبانی کا اس شخص کی مانند خوف کھاتا ہو جسے علم ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ و خاف وعید یعنی میری وعید سے ڈرتا ہو جو میں نے اپنے نافرمانوں کو سنائی ہے، پس یہ ڈر اس بات کا موجب ہے کہ وہ ان امور سے رک جائے جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے اور ان کی طرف سبقت کرے جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1343/2)

سوال 3: اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دہی کا خوف اور اللہ تعالیٰ کی وعید کا خوف انسان کی زندگی میں کیا تبدیلی پیدا کرتا ہے؟
جواب: (1) جواب دہی اور وعید کے خوف کی وجہ سے ایک انسان کے اندر کی سرکشی ختم ہوتی ہے۔ (2) اس کی وجہ سے انسان ظلم کرنے سے رکتا ہے۔ (3) اس کی وجہ سے انسان خود فساد سے بچتا ہے اور زمین میں فساد کے پھیلاؤ کو روکتا ہے۔ (4) اس کی وجہ سے انسان خود ظلم کرنے سے رکتا ہے اور دوسروں کو ظلم کرنے سے روکتا ہے۔

﴿وَأَسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيبٍ﴾

”اور انہوں نے فیصلہ طلب کیا اور ہر سرکش، عنادر کھنے والا نامراد ہو گیا۔“ (15)

سوال 1: ﴿وَأَسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيبٍ﴾ ”اور انہوں نے فیصلہ طلب کیا اور ہر سرکش، عنادر کھنے والا نامراد ہو گیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَسْتَفْتَحُوا﴾ ”اور انہوں نے فیصلہ طلب کیا“، یعنی انبیاء نے فتح کی دعا مانگی یا خود انبیاء کی قوموں نے اپنے اوپر بددعا کی جیسا کہ ابو جہل نے بدر کی جنگ پر جانے سے پہلے کعبے کے پردے پکڑ کر یہ دعا کی تھی۔ ﴿اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ لَهَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَأَثْبِتْنَا بِعَذَابِ آلِيمٍ﴾ اے اللہ! اگر یہ واقعی تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسایا کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ۔ (الانفال: 32) (2) یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور دشمنوں کے درمیان فرق کرنے کے لیے جلدی فیصلہ طلب کیا تھا تو وہ ان کے پاس آ گیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ (3) ﴿وَعَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيبٍ﴾ ”اور ہر سرکش، عنادر کھنے والا نامراد ہو گیا“، یعنی ظالم، سرکش، حق کی مخالفت کرنے والے نے خسارہ پایا جو اللہ تعالیٰ، اس کے بندوں اور حق کے مقابلے میں سرکشی دکھاتا ہے اور زمین میں فساد کرتا ہے۔ جو انبیاء سے بغض رکھتا ہے، ان کی مخالفت کرتا ہے اور تکبر کرنے کی وجہ سے دنیا و آخرت میں ناکام ہو جاتا ہے۔ (4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک گردن قیامت کے دن دوزخ سے نکلے گی، اس کی دو آنکھیں ہوں گی کہ دیکھتی ہوں گی اور دو کان ہوں گے کہ سنتے ہوں گے اور ایک زبان کہ بولتی ہوگی، وہ کہے گی کہ میں تین قسم کے لوگوں کے لیے مقرر ہوئی ہوں، ایک جبار و سرکش، دوسرے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا اور تیسرے مصور لوگ۔ (ترمذی: 2574)

﴿مَنْ ذَرَأَهُمْ جَهَنَّمَ وَيُسْقَى مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ﴾

”اس کے پیچھے جہنم ہے اور اسے اس پانی سے پلایا جائے گا جو پیپ ہے۔“ (16)

پیپ۔ اور اس شکل کی دوسری اور کئی قسمیں ہیں۔ (ص: 55-58)

سوال 2: ﴿وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۚ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۝﴾ ”اور موت اس پر ہر طرف سے آئے گی حالانکہ وہ مرنے والا نہیں ہوگا اور اس کے پیچھے ایک سخت عذاب ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۚ﴾ ”اور موت اس پر ہر طرف سے آئے گی حالانکہ وہ مرنے والا نہیں ہوگا“، یعنی ہر عذاب اتنا سخت عذاب ہوگا کہ انہیں لگے گا کہ اب موت آگئی مگر اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق موت نہیں آئے گی۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُحْقَفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ۗ كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ۝﴾ وَهُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۗ أُولَٰئِكَ نُعَذِّبُكُمْ مَا يُكَفِّرُ عَنْكُمْ وَلَٰكِنْ أَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾ ”ان پر فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ مرجائیں اور نہ ہی جہنم کا عذاب ان سے ہلکا کیا جائے گا، ہر ناشکرے کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اور وہ اس میں چیخ رہے ہوں گے، اے ہمارے رب! ہمیں نکال اس کے برعکس ہم نیک عمل کریں گے، جو ہم کیا کرتے تھے۔ اور کیا ہم نے تمہیں عمر نہیں دی تھی جس میں کوئی نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر سکتا تھا؟ اور تمہارے پاس خبردار کرنے والا آچکا تھا، چنانچہ چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (فاطر: 36,37) (2) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی یعنی ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا کے گھر میں ٹپکا دیا جائے تو اہل دنیا پر ان کی معیشت بگڑ جائے پھر اس کا کیا حال ہوگا جس کی وہ غذا ہوگی؟؟؟ (ترمذی: 2585) (3) سیدنا نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن عذاب کے اعتبار سے سب سے کم وہ شخص ہوگا جس کے دونوں قدموں کے نیچے آگ کا انگارہ رکھا جائے گا اور اس کی وجہ سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (صحیح بخاری: 6562, 6561) (4) سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ دوزخیوں میں سے کچھ کو آگ ان کے ٹخنوں تک پکڑے گی اور ان میں سے کچھ کو ان کے گھٹنوں تک اور ان میں سے کچھ کو ان کی کمروں تک اور ان میں سے کچھ کو ان کی گردن تک آگ پکڑے گی۔ (صحیح مسلم: 7169) (5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری (دنیا کی) آگ جہنم کی آگ کے مقابلے میں (اپنی گرمی اور ہلاکت خیزی میں) ستر واں حصہ ہے، کسی نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! (کفار اور گنہگاروں کے عذاب کے لئے تو) یہ ہماری دنیا کی آگ بہت تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی آگ کے مقابلے میں جہنم کی آگ اہتر گنا بڑھ کر ہے۔“ (صحیح بخاری: 3265) (6) ﴿وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۝﴾ ”اور اس کے پیچھے ایک سخت عذاب ہے“، یعنی ہر حق کے دشمن کے پیچھے سخت عذاب ہوگا جس کی شدت کو رب العزت کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

﴿مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۗ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَيْهِ شَيْئًا ۗ﴾

ذٰلِكَ هُوَ الصَّلٰٓءُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾

”جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی طرح ہے جس پر ایک آندھی والے دن میں تندہوا چل پڑے جو بھی انہوں نے کمایا تھا اس میں سے وہ کسی پر قادر نہیں ہوں گے یہی دور کی گمراہی ہے۔“ (18)

سوال 1: ﴿مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَمَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ﴾ ”جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی طرح ہے جس پر ایک آندھی والے دن میں تندہوا چل پڑے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ﴾ ”جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا مثال ہے“ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے اعمال کی مثال دی ہے جو اپنے رب کو جھٹلاتے ہیں، اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ (2) ﴿اَعْمَالُهُمْ﴾ ”ان کے اعمال کی“ ان اعمال سے مراد یا تو وہ اعمال ہیں جو بظاہر اچھے ہیں یا وہ جو اپنے رب کی خاطر کیے مثلاً صلہ رحمی، والدین سے حسن سلوک، قیدیوں کو چھڑانا، قربانیاں وغیرہ۔ (3) ﴿كَمَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ﴾ ”اس راکھ کی طرح ہے جس پر ایک آندھی والے دن میں تندہوا چل پڑے“ ان کے عملوں کی عمارت کی بنیاد راکھ ہے یعنی ان اعمال سے نفع نہیں اٹھایا جاسکتا جیسے راکھ سب سے گھٹیا اور ہلکی چیز ہے۔ جیسے آندھی والے دن سخت ہوا سے راکھ میں سے کچھ باقی نہیں رہتا، ایسے ہی کافروں کے اعمال کا بھی انہیں کوئی ثواب ملنے والا نہیں۔

سوال 2: ﴿لَا يَقْدِرُونَ وَمَا كَسَبُوا عَلٰى شَيْءٍ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الصَّلٰٓءُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۹﴾ ”جو بھی انہوں نے کمایا تھا اس میں سے وہ کسی پر قادر نہیں ہوں گے یہی دور کی گمراہی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَا يَقْدِرُونَ وَمَا كَسَبُوا عَلٰى شَيْءٍ﴾ ”جو بھی انہوں نے کمایا تھا اس میں سے وہ کسی پر قادر نہیں ہوں گے“ یعنی وہ اپنے اعمال کا ثواب نہیں پاسکیں گے کیونکہ وہ شرک پر مبنی باطل اعمال ہیں۔ (ایسر التفسیر: 723) (2) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کسی مومن سے ایک نیکی کا بھی ظلم نہیں کرے گا۔ دنیا میں اسے اس کا بدلہ عطا کیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اسے اس کا بدلہ عطا کیا جائے گا اور کافر کو دنیا میں ہی بدلہ عطا کر دیا جاتا ہے جو وہ نیکیاں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب آخرت میں فیصلہ ہوگا تو اس کے لیے کوئی نیکی نہ ہوگی جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔ (مسلم: 7089) (3) ﴿ذٰلِكَ هُوَ الصَّلٰٓءُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۹﴾ ”یہی دور کی گمراہی ہے“ یعنی یہ کوشش اور عمل جس کی نہ کوئی بنیاد ہے اور نہ استقامت، یہاں تک کہ وہ اپنے ثواب کو مفقود پائیں گے۔ یہ حق سے دور کی گمراہی ہے۔ (تفسیر مرآئی: 119/5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَدْ مَنَّآ اِلٰى مَاعِمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاۗءً مِّنْثُوْرًا ﴿۲۰﴾ اور ہم ان کے ہر عمل کی طرف آئیں گے جو انہوں نے کوئی بھی عمل کیا تھا تو ہم اسے اڑتی ہوئی خاک بنا دیں گے۔ (الفرقان: 20)

(23) (4) ﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهِمَا صِخْرٌ ۖ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۗ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤﴾﴾ اس کی مثال جو وہ اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں، اس ہوا کی مثال کی طرح ہے جس میں شدید سردی ہو، جو ایسے لوگوں کی کھتی کو پہنچی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو اس نے اسے تباہ و برباد کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں۔ (آل عمران: 117)

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّلُوتِ وَالْأَمْرَ بِالْحَقِّ ۗ إِنَّ يَشَاءُ يَذْهَبَكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٩﴾﴾

”کیا آپ نے دیکھا نہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بلاشبہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے؟ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے۔“ (19)

سوال 1: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّلُوتِ وَالْأَمْرَ بِالْحَقِّ﴾ ”کیا آپ نے دیکھا نہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بلاشبہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَلَمْ تَرَ﴾ ”کیا آپ نے دیکھا نہیں؟“ اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو متنبہ فرمایا ہے۔ (2) ﴿أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّلُوتِ وَالْأَمْرَ بِالْحَقِّ﴾ ”اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بلاشبہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے“ اگر مخلوق غور کرے کہ وہ ہستی کتنی عظیم ہے جس نے وسعتوں والے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے تو وہ یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے تاکہ انہیں ان کے اعمال کی جزا دے۔ (3) وہ جس نے عظیم آسمان بنائے، جس نے متضاد حرکتیں رکھیں، بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں، وہ جو سب کچھ پیدا کر کے تھکا نہیں، یقیناً وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

سوال 2: ﴿إِنَّ يَشَاءُ يَذْهَبَكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٩﴾﴾ ”اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ يَشَاءُ يَذْهَبَكُمْ﴾ ”اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے“ یعنی وہ تمہیں معدوم کر دے اور تمہارے آثار مٹا دے۔ (الحجر الوجیر: 332/3) (2) ﴿وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٩﴾﴾ ”اور ایک نئی مخلوق لے آئے“ یعنی ایسے لوگوں کو لے آئے جو اس کی توحید کو ماننے والے، اس کے اطاعت گزار ہوں۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّلُوتِ وَالْأَمْرَ بِالْحَقِّ وَلَمْ يَكُنْ بِخَلْقِهِمْ يُقْدِرُ عَلَىٰ أَنْ يُبْعَثَ النَّبِيُّ عَلَىٰ مِثْلِ الَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا مِّنْ قَبْلِهِ ۗ لَوْلَا ضَلُّوا لَأَبْتَرَهُمْ خَالِدِينَ فِي السَّلْطِ ۗ وَمَا لَهُمْ لِيَأْتِيَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ بَعْدِ مُحَمَّدٍ ۗ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾﴾ اور کیا بھلا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو ان کی تخلیق سے تھکا نہیں، اس پر قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرے؟ ہاں! یقیناً وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ (الاحقاف: 33)

﴿وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌ ﴿٣٣﴾﴾

”اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل بھی دشوار نہیں ہے۔“ (20)

سوال 1: ﴿وَمَا لِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝﴾ ”اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل بھی دشوار نہیں ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا لِكَ﴾ یعنی موت کے بعد زندگی دینا، ایک قوم کے بعد دوسری کو اٹھانا۔ (2) ﴿عَلَى اللَّهِ﴾ ”اللہ تعالیٰ پر“ یعنی وہ رب جو آسمانوں اور زمین کو تخلیق کر سکتا ہے۔ جس کے لئے طوفانوں سے ہر چیز کا اڑا دینا ممکن ہے۔ اس کے لیے کسی قوم کو اٹھانا یا گرانا مشکل نہیں۔ (3) ﴿بِعَزِيزٍ﴾ ”بالکل بھی دشوار“ یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بہت آسان ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿مَا خَلَقْتُمْ وَلَا بَعَثْنَا إِلَّا نَفْسٍ وَاحِدَةً ۗ إِنَّ اللَّهَ سَبِيحٌ بَصِيصٌ ۝﴾ تم سب انسانوں کا پیدا کرنا اور تمہارا دوبارہ اٹھانا ایک ہی نفس جیسا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (لقمان: 28) (4) ﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور وہ اس پر آسان ترین ہے۔ (الروم: 27)

﴿وَبَرُّهُ وَاللَّهُ جَبِيحًا فَقَالَ الضُّعْفُؤَالَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا قَهْلَ أَنْتُمْ مُعْتُونَ عَنَّا مِنَ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۗ

قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا قَهْلَ أَنْتُمْ مُعْتُونَ عَنَّا مِنْ شَيْءٍ ۗ﴾

”اور یہ سب لوگ جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو کمزور لوگ ان سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ یقیناً ہم تمہارے پیروکار تھے تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں ہمارے کچھ بھی کام آنے والے ہو؟ وہ کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمہاری راہ نمائی کرتے ہم بے قرار ہوں یا صبر کریں ہم پر یکساں ہے، ہمارے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔“ (21)

سوال 1: ﴿وَبَرُّهُ وَاللَّهُ جَبِيحًا﴾ ”اور یہ سب لوگ جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور یہ سب لوگ جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے“ یعنی قیامت کے دن سب اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ (2) قیامت کے دن تمام انسان، مومن، کافر، نیک اور برے لوگ سب اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کے سامنے پیش ہوں گے۔ (3) سب ایک ہموار زمین پر کھڑے ہوں گے جس میں کوئی نہ خود چھپ سکے گا، نہ اس کے معاملات۔

سوال 2: ﴿فَقَالَ الضُّعْفُؤَالَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا قَهْلَ أَنْتُمْ مُعْتُونَ عَنَّا مِنَ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۗ﴾ ”تو کمزور لوگ ان سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ یقیناً ہم تمہارے پیروکار تھے تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں ہمارے کچھ بھی کام آنے والے ہو؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَقَالَ الضُّعْفُؤَالَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا﴾ ”تو کمزور لوگ کہیں گے“ یعنی پیروی کرنے والے کہیں گے۔ (2) ﴿الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا﴾ ”ان سے جو بڑے بنے ہوئے تھے“ یعنی ان لوگوں کو جن کی دنیا میں پیروی کی جاتی تھی، جو گمراہی میں لوگوں کی راہ نمائی کرتے تھے۔ (3) ﴿إِنَّا كُنَّا

﴿لَكُمْ تَبَعًا﴾ ”کہ یقیناً ہم تمہارے پیروکار تھے“ یعنی ہم تو تمہارا ہر حکم خوشی سے مانتے تھے۔ یعنی تمہارے کہنے سے ہم بتوں کی عبادت کرتے تھے، تمہارے حکم سے ہی ہم رسولوں کی بات نہیں مانتے تھے۔ (4) ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُّغْنُونَ عَنَّا مِنَ الْعَذَابِ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ ”تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں ہمارے کچھ بھی کام آنے والے ہو؟“ یعنی کیا اب تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہمیں بچا سکتے ہو، خواہ تھوڑا سا ہی بچالو۔

سوال 3: ﴿قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللّٰهُ لَهَدَيْنَاكُمْ﴾ ”وہ کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمہاری راہ نمائی کرتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا﴾ ”وہ کہیں گے“ یعنی ان کے سردار کہیں گے جیسے ہم سیدھے راستے سے بھٹک گئے تھے، تمہیں بھی بھٹکا دیا۔ (2) ﴿لَوْ هَدَانَا اللّٰهُ لَهَدَيْنَاكُمْ﴾ ”اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمہاری راہ نمائی کرتے“ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں ایمان کی نجات کے راستے کی، عذاب سے بچنے کی توفیق دی ہوتی تو ہم تمہیں بھی ہدایت دے دیتے۔

سوال 4: ﴿سَوَاءٌ عَلَيْكَ أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْبٍ﴾ ”ہم بے قرار ہوں یا صبر کریں ہم پر یکساں ہے، ہمارے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَوَاءٌ عَلَيْكَ﴾ ”ہم پر یکساں ہے“ یعنی ہم پر تو ہمارے رب کی بات واجب ہو چکی، ہم پر تقدیر غالب آگئی ہے۔ (2) یعنی کافروں پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ (3) ﴿أَمْ صَبَرْنَا﴾ ”آیا ہم بے قرار ہوں“ ہم عذاب کی وجہ سے جزع فزع کریں۔ (4) ﴿أَمْ صَبَرْنَا﴾ یا اس عذاب پر صبر کر جائیں۔ (5) ﴿مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْبٍ﴾ ”ہمارے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں“ کوئی جائے پناہ نہیں جہاں ہم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بھاگ کر جا سکیں۔ (6) سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دوزخی پہلے رونے پینے کی صلاح کریں گے، چنانچہ وہ پانچ سو برس تک خوب روئیں پینیں گے لیکن جب دیکھیں گے کہ کوئی فائدہ نہیں ہوا تو صبر کرنے کی صلاح کریں گے، چنانچہ پانچ سو برس تک صبر کئے رہیں گے۔ پھر جب دیکھیں گے کہ اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا تو کہیں گے: ﴿سَوَاءٌ عَلَيْكَ أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْبٍ﴾ (قرطبی) (اشرف) (7) ﴿وَإِذْ يَتَحَفَّصُونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُّغْنُونَ عَنَّا نَصِيْبًا مِنَ النَّارِ﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿رب العزت نے فرمایا: اور جب یہ لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑے کریں گے تو کمزور لوگ ان لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے: ”یقیناً ہم تمہارے پیچھے چلنے والے تھے، تو کیا تم آگ کا کچھ حصہ ہم سے ہٹانے والے ہو؟“ جو لوگ بڑے بنے ہوئے تھے وہ کہیں گے: ”یقیناً ہم سب اس میں پڑے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان بلاشبہ فیصلہ کر چکا ہے۔“ (نافر: 47، 48)

(8) ﴿قَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَصَلُّوْنَا لِلْسَّبِيْلَا رَبَّنَا اتَّبِعْنَا خُلَفَاءَنَا وَمَا نَحْنُ بِمُغْنِيْنَ عَنَّا مِنَ النَّارِ﴾ اور کہیں گے:

”اے ہمارے رب! یقیناً ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی تو انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے رب! انہیں دو ہر اعذاب دے اور ان پر لعنت کر، بہت بڑی لعنت۔“ (الاحزاب: 67، 68)

رکوع نمبر: 16

﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدَ لَكُمْ فَاصْلَبْتُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُمُونِي وَلَا تَلُمُوا أَنْفُسَكُمْ مَا أَكَا بُصِرَ حُكْمًا وَمَا أَنْتُمْ بِبُصِرَ شَيْئًا إِنْ كَفَرْتُمْ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (22)﴾

”اور شیطان کہے گا، جب کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا، وہ سچا وعدہ تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا سو میں نے تم سے خلاف ورزی کی اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں بلایا تو تم نے میرا کہا مان لیا، چنانچہ مجھے ملامت نہ کرو اور خود ہی کو ملامت کرو میں تمہاری فریاد رسی کرنے والا نہیں ہوں اور تم میری فریاد رسی کرنے والے نہیں ہو، یقیناً میں بالکل انکار کرتا ہوں کہ اس سے پہلے تم نے مجھے شریک بنایا تھا، ظالموں کے لیے یقیناً دردناک عذاب ہے۔“ (22)

سوال 1: ﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدَ لَكُمْ فَاصْلَبْتُمْ﴾ اور شیطان کہے گا، جب کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا، وہ سچا وعدہ تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا سو میں نے تم سے خلاف ورزی کی، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ﴾ اور شیطان کہے گا، یعنی بنی آدم کا دشمن جو دنیا میں ہونے والی ہر برائی کا سبب ہے، وہ اہل جہنم سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے انہیں افسوس دلانے کے لیے کہے گا۔ (2) ﴿لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ﴾ ”جب کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا“، یعنی جب جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں چلے جائیں گے۔ (3) ﴿إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا، وہ سچا وعدہ تھا“، یعنی جو ایمان لا کر نیک عمل کرے گا، شرک اور نافرمانیوں سے بچے گا میں اسے جنت میں داخل کروں گا اور جو کفر، شرک اور نافرمانیاں کرے گا میں اسے بربادی کے گھر میں، توہین آمیز عذاب دوں گا۔ اگر تم نے اطاعت کی ہوتی اور رسولوں کی جانب سے کیے گئے سچے وعدوں پر یقین کیا ہوتا تو تم بھی اس عظیم نعمت کو، عزت والے گھر کو حاصل کر لیتے۔ (4) ﴿وَوَعَدَ لَكُمْ﴾ ”اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا“، یعنی میں نے تم سے بھلائی کا جو وعدہ کیا، تمہیں جھوٹی امیدیں دلائیں۔ (5) ﴿فَاصْلَبْتُمْ﴾ ”سو میں نے تم سے خلاف ورزی کی“، تمہارے ساتھ میرے وعدے کبھی پورے نہیں ہوں گے، میں نے جو امیدیں دلائیں جھوٹی تھیں، جو وعدے کیے فریب تھے، وہ سب کچھ لا حاصل ہے کیونکہ میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔

سوال 2: ﴿وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُمْ فَاَسْتَجِبْتُمْ لِي﴾ ”اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں بلایا تو تم نے میرا کہا مان لیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ ”اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہ تھا“ یعنی میرے پاس اپنے وعدوں کے لیے کوئی دلیل نہیں تھی۔ یعنی میں کوئی قدرت، کوئی اختیار نہیں رکھتا تھا۔ (2) ﴿اِلَّا اَنْ دَعَوْتُمْ فَاَسْتَجِبْتُمْ لِي﴾ ”سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں بلایا تو تم نے میرا کہا مان لیا“ یعنی میرا زیادہ سے زیادہ یہ اختیار تھا کہ میں نے تمہیں سیدھے راستے سے ہٹانے کے لیے سبز باغ دکھائے، میں نے تمہیں بے دلیل اپنے مقصد کی طرف بلایا تو تم نے میری باتیں مان لیں۔ اس لیے کہ میں نے تمہارے سامنے تمہاری خواہشات کو مزین کیا تو تم نے میری دعوت پر بلیک کہا اور انبیاء کی جانب سے کیے گئے سچے وعدوں کی پرواہ نہیں کی۔

سوال 3: ﴿فَلَا تَكُوْمُوْنِيْ وَلَا مَوْا اَنْفُسِكُمْ﴾ ”چنانچہ مجھے ملامت نہ کرو اور خود ہی کو ملامت کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَا تَكُوْمُوْنِيْ﴾ ”چنانچہ مجھے ملامت نہ کرو“ سارا قصور تو تمہارا اپنا ہے اس لیے مجھے ملامت نہ کرو، اپنی غلطی کو میرے اوپر مت چپکاؤ۔ (2) ﴿وَلَوْ مَوْا اَنْفُسِكُمْ﴾ ”اور خود ہی کو ملامت کرو“ تم نے دلیل والا راستہ چھوڑا اور میری آواز پر میرا راستہ اختیار کیا جس کے لیے کوئی دلیل نہیں تھی، اس پر اپنے آپ کو ملامت کرو۔

سوال 4: ﴿مَا اَنَا بِصِرْخٰتِكُمْ وَمَا اَنْتُمْ بِبَصْرِ عٰی﴾ ”میں تمہاری فریادرسی کرنے والا نہیں ہوں اور تم میری فریادرسی کرنے والے نہیں ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا اَنَا بِصِرْخٰتِكُمْ﴾ ”میں تمہاری فریادرسی کرنے والا نہیں ہوں“ آج نہ میں تمہیں عذاب سے بچا سکتا ہوں نہ تمہاری مدد کو پہنچ سکتا ہوں۔ جس کرب میں تم مبتلا ہو، میں تمہاری فریادرسی نہیں کر سکتا۔ (2) ﴿وَمَا اَنْتُمْ بِبَصْرِ عٰی﴾ ”اور تم میری فریادرسی کرنے والے نہیں ہو“ تم بھی مجھے اللہ تعالیٰ کے غضب سے نہیں بچا سکتے۔ ہر ایک کے لیے عذاب کا اپنا اپنا حصہ ہے۔

سوال 5: ﴿اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَا اَشْرَكْتُمْ مِنْ قَبْلُ﴾ ”یقیناً میں بالکل انکار کرتا ہوں کہ اس سے پہلے تم نے مجھے شریک بنایا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”یقیناً میں بالکل انکار کرتا ہوں کہ اس سے پہلے تم نے مجھے شریک بنایا تھا“ یعنی میں تمہارے شرک کی وجہ سے تم سے نفرت کرتا ہوں۔ (2) تم نے اس سے پہلے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں تھی۔ اس لیے میں تمہاری بات کو نہیں مانتا۔ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہوں۔

سوال 6: ﴿إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”ظالموں کے لیے یقیناً دردناک عذاب ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) وہ اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا کر ظلم کیا ہے۔ (2) اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو شیطان کی بندگی سے ڈرایا ہے۔ اس نے شیطان کے طریقہ واردات کی وضاحت کی ہے کہ کیسے وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ اس کا مقصد تو نسل انسانی کو جہنم تک پہنچانا ہے۔ (3) آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطان کے پاس کوئی اختیار نہیں اور ایک دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿إِنَّمَا سُلِّطْنَا عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ﴾ یقیناً اس کا زور تو صرف ان ہی لوگوں پر چلتا ہے جو اسے اپنا سرپرست بناتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے ہیں۔ (سورہ النحل: 100) پس وہ ”زور“ اور ”تسلط“ جس کی اللہ تعالیٰ نے نفی کی ہے اس سے مراد حجت اور دلیل ہے، شیطان جس چیز کی طرف دعوت دیتا ہے، اس پر درحقیقت اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرتا ہے کہ ان کو شبہات میں مبتلا کرے، گناہوں کو ان کے سامنے مزین اور آراستہ کرے، جن سے متاثر ہو کر وہ گناہوں کے ارتکاب کی جسارت کر لیں۔ رہا وہ ”زور“ جس کا اللہ تعالیٰ نے اثبات کیا ہے تو اس سے مراد وہ تسلط ہے جس کے بل پر وہ اپنے دوستوں کو گناہوں پر آمادہ کرتا ہے اور ان کو نافرمانیوں پر ابھارتا ہے۔ بندے شیطان سے موالات پیدا کر کے اور اس کے گروہ میں شامل ہو کر اس کو اپنے آپ پر مسلط کر لیتے ہیں۔ اس لئے شیطان کا ان لوگوں پر کوئی زور نہیں چلتا جو ایمان لاتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ان الظالمین بے شک شیطان کی اطاعت کر کے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے، لہم عذاب الیم وہ اس عذاب میں ابدالاً باد تک رہیں گے۔ اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم ہے کہ اس نے انہیں شیطان کی اطاعت سے ڈرایا ہے، اس نے شیطان کے مقاصد اور ان راستوں کی نشاندہی کر دی ہے جہاں سے وہ داخل ہو کر انسان کو گمراہ کرتا ہے، اس کا مقصد صرف انسان کو جہنم کی آگ میں جھونکنا ہے۔ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر واضح کر دیا ہے کہ جب شیطان اپنے لشکر سمیت جہنم میں داخل ہوگا تو وہ اپنے تابعین سے بری الذمہ ہو جائے گا اور ان کے شرک سے صاف انکار کر دے گا۔ ﴿وَلَا يَنْبَغُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ باخبر کی مانند تمہیں کوئی خبر نہیں دے سکتا۔ (سورہ فاطر: 14) (تفسیر سعدی: 2/1348)

﴿وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا

سَلَامٌ﴾ (23)

”اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں انہیں ایسے باغوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اپنے

رب کے حکم سے ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، ان کی آپس کی دعا اس میں سلام ہوگی۔“ (23)

سوال 1: ﴿وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا

”اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں انہیں ایسے باغوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اپنے رب کے حکم سے ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، ان کی آپس کی دعا اس میں سلام ہوگی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے ظالموں کے عذاب کی وعید کے بعد ایمان والوں کو ثواب کی بشارت دی ہے۔ ﴿وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور جو لوگ ایمان لائے انہیں داخل کیا جائے گا“ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کی اور جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے اس پر دل سے یقین کیا اور اپنے قول سے اور اپنے عمل سے دین کو قائم کیا۔ ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں“ اور وہ عبادات اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کام ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جن سے روکا ہے۔ (جامع البیان: 207/13) (4) ﴿جَنَّاتٍ﴾ باغات میں۔ (5) ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں“ جن میں دودھ، شہد، شراب اور پانی کی نہریں بہتی ہوں گی۔ ایسی نعمتیں جو نہ کسی انسان کے احاطہ خیال میں آئیں، نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں۔ (6) ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں“ وہ اس سے نکالے نہیں جائیں گے نہ کہیں اور جانا چاہیں گے۔ (7) ﴿بِأَذْنِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے حکم سے“ یعنی ان کا رب ان کو جنتوں میں داخل کرے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (8) یعنی وہ اپنی قوت و اختیار سے جنت میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قوت و اختیار سے جنت میں داخل ہوں گے۔ (تفسیر سعدی: 1349/2)

(9) ﴿تَجِبْتُمْ فِيهَا سَلَامٌ﴾ ان کی آپس کی دعا اس میں سلام ہوگی“ وہ سلام اور اچھے کلام کے ساتھ ایک دوسرے کا استقبال کریں گے۔ انہیں فرشتے بھی سلام کریں گے اور رب العزت کی جانب سے انہیں سلام کیا جائے گا۔ (10) رب العزت نے فرمایا: ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ فَأَتَتْهُمْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ﴾ یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور جنت کے دروازے کھول دیئے ہوں گے اور اس کے محافظ ان سے کہیں گے: سلام ہو تم پر۔ (الزمر: 73) (11) ﴿وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ﴾ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے تم لوگوں پر سلامتی ہو۔ (الرعد: 23، 24) (12) ﴿وَيُلْقُونَ فِيهَا تَاجِبَةً وَسَلَامًا﴾ اور اس میں ان کا استقبال دعا اور سلام کے ساتھ ہوگا۔ (الفرقان: 75) (13) رب العزت بھی سلام کریں گے۔ فرمایا: ﴿سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَبِّ حَمِيمٍ﴾ رحم کرنے والے رب کی طرف سے ان کو سلام کہا جائے گا۔ (یس: 58) (14) ﴿دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَجِبْتُمْ فِيهَا سَلَامٌ﴾ وَأَخْرَجُوا عَنْهُمْ أَنْ الْخَصْدَةَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ان میں ان کی پکار یہ ہوگی کہ پاک ہے تو اے اللہ اور ان میں ان کی دعا ہوگی سلامتی ہو اور ان کی ہر بات کا اختتام اس پر ہوگا کہ تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے۔ (یونس: 10)

﴿الْمُتَرَكِّفُ كَيْفَ صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾ (24)

”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کلمہ کی مثال کیسے بیان کی ہے؟ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، جس کی جڑ مضبوط ہے

اور اس کی شانیں آسمان میں ہیں۔“ (24)

سوال 1: ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ صَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾ ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کلمہ کی مثال کیسے بیان کی ہے؟ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شانیں آسمان میں ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ ”کیا آپ نے نہیں دیکھا“ رب العزت نے فرمایا: اے رسول کیا آپ نہیں جانتے۔ (2) ﴿كَيْفَ صَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً﴾ ”اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کلمہ کی مثال کیسے بیان کی ہے؟“ وہ کلمہ ایمان ہے جو ایک مومن کہتا ہے۔ (جامع البیان: 13/202)

(3) کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ (ایسر التفاسیر: 726) (4) یہاں کلمہ طیبہ (ستھری بات) سے مراد ہے اس امر کی گواہی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (تفسیر سعدی: 2/1349) (5) ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ﴾ ”ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے“ اس سے مراد کھجور کا درخت ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: اچھا مجھے بتاؤ تو وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کی مانند ہے، جس کے پتے نہیں گرتے، ہر وقت میوہ دیے جاتا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میرے دل میں آیا وہ کھجور کا درخت ہے مگر میں نے دیکھا کہ سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے ہیں، انہوں نے جواب نہیں دیا تو مجھے ان بزرگوں کے سامنے کلام کرنا اچھا معلوم نہیں ہوا۔ جب ان لوگوں نے کچھ جواب نہیں دیا تو نبی ﷺ نے خود ہی فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔ جب ہم اس مجلس سے کھڑے ہوئے تو میں نے اپنے والد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔ ابا! اللہ کی قسم میرے دل میں آیا تھا کہ میں کہہ دوں وہ کھجور کا درخت ہے۔ انہوں نے کہا: پھر تم نے کہہ کیوں نہ دیا؟ میں نے کہا: آپ لوگوں نے کوئی بات نہیں کی میں نے آگے بڑھ کر بات کرنا مناسب نہ جانا۔ انہوں نے کہا: واہ اگر تم اس وقت کہہ دیتے تو مجھ کو اتنے اتنے (لال اونٹ کا) مال ملنے سے بھی زیادہ خوشی ہوتی۔ (بخاری: 4698) (6) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ﷺ کے پاس کھجور کا ایک گابھا لایا گیا۔ (اسے دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ درختوں میں ایک درخت ایسا ہے اس کی مثال مسلمان کی طرح ہے۔ (ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ سن کر) میں نے ارادہ کیا کہ عرض کروں کہ وہ (درخت) کھجور کا ہے مگر چونکہ میں سب میں چھوٹا تھا اس لئے خاموش رہا۔ (پھر) رسول اللہ ﷺ نے خود ہی فرمایا کہ وہ کھجور ہے۔ (بخاری: 72) (7) ﴿اَصْلُهَا ثَابِتٌ﴾ ”جس کی جڑ مضبوط ہے“ دل سے تصدیق یعنی دل کے اندر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی حقیقت مضبوطی سے گڑی ہوئی ہے۔ لا الہ الا اللہ کی شرائط کا علم بھی ہے اور ان پر عمل کرنے کے راستوں کا فہم بھی ہے۔ (8) ﴿وَفَرْعُهَا﴾ اور اس کی شانیں یعنی زبان سے اقرار بھی اور دیگر تمام اعمال بھی آسمان کی بلندیوں کو پہنچے ہوئے ہیں۔ یعنی ان اعمال کی کواٹھی عمدہ ہے۔ تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی خوشی اور محمد ﷺ کے طریقے کے مطابق ہیں۔ (9) کھجور کا درخت بہت سے فوائد رکھتا ہے۔ لوگ اس سے بہت نفع حاصل کرتے ہیں۔ کھجور کے پھل میں غذائیت بھی ہے اور قوت بھی اور دیکھنے والوں کو بہت پسند آتا ہے۔ اسی

طرح سچا مومن نفع مند ہوتا ہے۔ اس کا نفع ساری انسانیت کو پہنچتا ہے۔ مومن قوی اور خوش اخلاق ہوتا ہے۔ اس کا ظاہری حلیہ بھی اپنی نفاست اور نظافت کے اعتبار سے لوگوں کو بہت پسند آتا ہے۔ (10) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ اسی کی طرف پاکیزہ بات چڑھتی ہے اور نیک عمل اس کو بلند کرتا ہے۔ (فاطر: 10)

﴿تُؤْتِي أَكْثَرَ حِينٍ يَأْتِيَنَّهَا وَيُصِرُّ بِاللَّهِ إِلاَّ مَثَلاً لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (25)﴾

”وہ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“ (25)

سوال 1: ﴿تُؤْتِي أَكْثَرَ حِينٍ يَأْتِيَنَّهَا﴾ ”وہ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل دیتا ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿تُؤْتِي أَكْثَرَ حِينٍ يَأْتِيَنَّهَا﴾ ”وہ اپنا پھل دیتا ہے“ یعنی ہر وقت خشک اور تر پھل صبح و شام دیتا ہے۔ (2) ﴿كُلَّ حِينٍ يَأْتِيَنَّهَا﴾ ”ہر وقت اپنے رب کے حکم سے“ یعنی یہی حال شجر ایمان کا ہے، اس کی جڑیں علم و اعتقاد کے اعتبار سے بندہ مومن کے قلب کی گہرائیوں میں نہایت مضبوطی سے جمی ہوئی ہیں، اس کی شاخیں یعنی کلمات طیبات، عمل صالح، اخلاق جمیلہ، آداب حسنہ ہمیشہ آسمان کی طرف بلند رہتی ہیں۔ بندہ مومن کی طرف سے ایسے اعمال و اقوال بلند ہوتے ہیں، جو شجر ایمان سے نکلتے ہیں، جن سے بندہ مومن اور دیگر لوگ منتفع ہوتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2/1349)

سوال 2: ﴿وَيُصِرُّ بِاللَّهِ إِلاَّ مَثَلاً لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيُصِرُّ بِاللَّهِ إِلاَّ مَثَلاً لِلنَّاسِ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے“ جیسے اللہ تعالیٰ نے یہاں مومن اور کافر کی مثال دی ہے جو سب انسانوں کے لیے ہے۔ (2) ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ ”تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں“ ان سے جن کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے اور ان سے جن سے ان کو روکا ہے، کیونکہ ضرب الامثال میں، معانی معقولہ کو امثال محسوسہ کے ذریعے سے قریب لایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے معنی مراد کی غایت حد تک تمہین اور توضیح ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا حسن تعلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے پوری، کامل اور بے پایاں حمد و ثنا ہے۔ پس یہ بندہ مومن کے قلب میں کلمہ توحید کا وصف اور اس کے ثبات کا بیان ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1350, 1349)

﴿وَمِثْلَ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (26)﴾

”اور گندی بات کی مثال گندے پودے کی طرح ہے جو زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ لیا گیا، اس کے لیے کوئی استحکام نہیں۔“ (26)

سوال 1: ﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ السَّمَاءِ مِثْلُ مَالِهَامٍ قَرَامٍ﴾ ”اور گندی بات کی مثال گندے پودے کی طرح ہے جو زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ لیا گیا، اس کے لیے کوئی استحکام نہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ رب العزت نے کلمہ طیبہ کے مخالف کلمہ کفر اور اس کی شاخوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ﴾ ”اور گندی بات کی مثال“ یہ کلمہ کفر ہے جو کافر کے دل میں ہے۔ (ایسر التفاسیر: 727) (2) یعنی شرک کلمہ خبیثہ ہے جو شجر خبیثہ کی طرح ہے۔ (جامع البیان: 215/14) (3) ﴿كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ﴾ ”گندے پودے کی طرح ہے“ اس سے مراد اندرائن کا درخت ہے جو کھانے میں کڑوا ہے جس میں کوئی خیر نہیں نہ اس کی جڑ گہری ہے اور نہ شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہیں۔ (4) ﴿اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ السَّمَاءِ﴾ ”جو زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ لیا گیا“ اجْتُثَّتْ جڑ سے اکھاڑ لیا گیا۔ (بخاری کتاب الثفیر) یعنی اس کا پودا اکھاڑ لیا گیا ہو۔ شرک کی کوئی بنیاد ہوتی ہے نہ دلیل اور نہ اللہ تعالیٰ نے شرک کے ساتھ کوئی عمل قبول کرنا ہے۔ (5) کفر اور گناہ کی باتیں دل میں کوئی مضبوطی نہیں لاتیں، نہ ان میں ثبات ہوتا ہے، نہ کوئی نفع۔ (6) ﴿مَالِهَامٍ قَرَامٍ﴾ ”اس کے لیے کوئی استحکام نہیں“ خبیث بات سے خبیث عمل وجود میں آتا ہے۔ جس کا نہ عمل کرنے والے کو کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ کسی دوسرے کو اس کا کوئی نفع نصیب ہوتا ہے۔

﴿يُعِثُّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الْغَابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا

يَشَاءُ﴾ (27)

”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ایک پختہ بات سے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ

بھٹکا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔“ (27)

سوال 1: ﴿يُعِثُّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الْغَابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ ”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ایک پختہ بات سے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يُعِثُّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھتا ہے“ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ثابت قدمی عطا فرماتا ہے۔ (2) ﴿بِالْقَوْلِ الْغَابِتِ﴾ ”ایک پختہ بات سے“ وہ لا الہ الا اللہ ہے۔ (3) ﴿فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”دنیا کی زندگی میں بھی“ اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو ثابت قدمی عطا کرتا ہے جو کامل طور پر قلبی ایمان کو قائم کرتے ہیں، جو اعمال جو ارح کو مستلزم ہے۔ یہ اعمال اس ایمان کا ثمرہ ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دنیا کے اندر شبہات کے وارد ہونے کے وقت ہدایت اور یقین کے ذریعے

سے ثبات اور استقامت عطا کرتا ہے اور جب شہوات پیش آتی ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں قطعی اور پختہ ارادہ عطا کرتا ہے تب وہ خواہش نفس اور اس کی مراد پر اس امر کو مقدم رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1350) (4) ﴿وَفِي الْأَجْنَٰثِ﴾ اور آخرت میں بھی، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھے تھے اور ہمارے ساتھ اور آدمیوں میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ اٹھے (اور باہر تشریف لے گئے) پھر آپ ﷺ نے ہمارے پاس آنے میں دیر لگائی تو ہم کو ڈر ہوا کہ کہیں دشمن آپ کو اکیلا پا کر مار نہ ڈالیں۔ ہم گھبرا گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے میں گھبرایا تو میں آپ کو ڈھونڈنے کے لیے نکلا اور بنی نجار کے باغ کے پاس پہنچا۔ (بنی نجار انصار کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ تھا) اس کے چاروں طرف دروازہ کو دیکھتا ہوا پھرا کہ دروازہ پاؤں تو اندر جاؤں (کیونکہ گمان ہوا کہ شاید رسول اللہ ﷺ اس کے اندر تشریف لے گئے ہوں) دروازہ ملا ہی نہیں۔ (شاید اس باغ میں دروازہ ہی نہ ہوگا یا اگر ہوگا تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو گھبراہٹ میں نظر نہ آیا ہوگا) دیکھا کہ باہر کنوئیں میں سے ایک نالی باغ کے اندر جاتی ہے، میں لومڑی کی طرح سمٹ کر اس نالی کے اندر گھسا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ابو ہریرہ ہے؟ میں نے عرض کیا جی یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہم لوگوں میں تشریف رکھتے تھے۔ پھر آپ ﷺ باہر چلے آئے اور واپس آنے میں دیر لگائی تو ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں دشمن آپ کو ہم سے جدا دیکھ کر نہ ستائیں، ہم گھبرا گئے اور سب سے پہلے میں گھبرا کر اٹھا اور اس باغ کے پاس آیا (دروازہ نہ ملا) تو اس طرح سمٹ کر گھس آیا جیسے لومڑی اپنے بدن کو سمیٹ کر گھس جاتی ہے اور سب لوگ میرے پیچھے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! اور مجھے اپنے جوتے (نشانی کے لیے) دیئے (تاکہ لوگ میری بات کو سچ سمجھیں) اور فرمایا کہ میری یہ دونوں جوتیاں لے جا اور جو کوئی تجھے اس باغ کے پیچھے ملے اور وہ اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اس بات پر دل سے یقین رکھتا ہو تو اس کو یہ سنا کر خوش کر دے کہ اس کے لیے جنت ہے۔ (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جوتیاں لے کر چلا) تو سب سے پہلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملا۔ انہوں نے پوچھا کہ اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی جوتیاں ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ دے کر مجھے بھیجا ہے کہ میں جس سے ملوں اور وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہو، دل سے یقین کر کے، تو اس کو جنت کی خوش خبری دوں۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہاتھ میری چھاتی کے بیچ میں مارا تو میں سرین کے بل گرا۔ پھر کہا کہ اے ابو ہریرہ! لوٹ جا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس لوٹ کر چلا گیا اور رونے والا ہی تھا کہ میرے ساتھ پیچھے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی آ پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! تجھے کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ میں عمر رضی اللہ عنہ سے ملا اور جو پیغام آپ ﷺ نے مجھے دے کر بھیجا تھا پہنچایا تو انہوں نے میری چھاتی کے بیچ میں ایسا مارا کہ میں سرین کے بل گر پڑا اور کہا کہ لوٹ جا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، ابو ہریرہ کو آپ نے اپنی جوتیاں دے کر بھیجا تھا کہ جو شخص ملے اور وہ دل سے یقین رکھ کر لا الہ الا اللہ

کی گواہی دیتا ہو تو اسے جنت کی خوش خبری دو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ (آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں) ایسا نہ کیجئے کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس پر تکیہ کر بیٹھیں گے، ان کو عمل کرنے دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا ان کو عمل کرنے دو۔ (مسلم: 147) (5) سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بھی بندہ اس بات کی گواہی دے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم حرام کر دے گا۔ میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! کیا میں اس بات کی اطلاع لوگوں کو نہ کر دوں کہ وہ خوش ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر وہ اسی چیز پر بھروسہ کر لیں گے۔ (مسلم: 148) (6) سیدنا انس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص لا الہ الا اللہ کہہ دے اور اس کے دل میں ایک جو برابر نیکی (یعنی ایمان) ہو تو وہ بھی دوزخ سے نکل آئے گا۔ جو شخص لا الہ الا اللہ کہے اور اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر نیکی (یعنی ایمان) ہو تو وہ بھی دوزخ سے نکل آئے گا۔ اور جو شخص لا الہ الا اللہ کہے اور اس کے دل میں ذرے کے برابر نیکی (یعنی ایمان) ہو تو وہ بھی دوزخ سے نکل آئے گا۔ (بخاری: 44) (7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب میت کو قبر میں اتارا جاتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جن کا رنگ سیاہ اور آنکھیں نیل گوں ہوتی ہیں ایک منکر اور دوسرے کو تکبیر کہا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تو اس شخص کے متعلق کیا کہتا تھا؟ اگر وہ ایمان دار ہے تو وہ کہتا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم جانتے تھے کہ تو اس طرح کہے گا، پھر اس کے لیے قبر ستر گز تک فراخ کر دی جاتی ہے۔ پھر اس کے لیے اس میں روشنی کر دی جاتی ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو سو جا، وہ کہتا ہے کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس جاتا ہوں تاکہ ان کو خبر دوں۔ وہ کہتے ہیں: سو جا جس طرح دلہن سو جاتی ہے جس کو نہیں جگاتا مگر اس کی طرف لوگوں میں زیادہ پیارا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے سونے کی جگہ سے جگائے گا۔ اگر منافق ہوتا ہے، وہ (فرشتوں کے جواب میں) کہتا ہے: میں نہیں جانتا۔ میں تو وہی کہہ دیتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ ہم جانتے تھے کہ تو اس طرح کہے گا۔ زمین کے لیے کہا جاتا ہے اس پر مل جا وہ اس پر مل جاتی ہے۔ اس کی پسلیاں دوسری پسلیوں میں دھنس جاتی ہیں۔ یہ عذاب اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبر سے اٹھائے گا۔ (ترمذی۔ مشکوٰۃ) (8) سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تم لوگ قبروں میں فتنہ دجال کی طرح یا اس کے قریب قریب آزمائے جاؤ گے، میں (یعنی سیدنا انس رضی اللہ عنہ) نہیں جانتا کہ سیدہ اسماء نے کون سا لفظ استعمال کیا (یعنی فتنہ دجال کی طرح یا فتنہ دجال کے قریب)۔ (بخاری: ابواب الکسوف) (9) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ عذاب قبر اور فتنہ مسیح دجال سے پناہ مانگا کرتے تھے اور فرماتے ”تم لوگ قبروں میں آزمائے جاؤ گے۔“ (نسائی کتاب الجنائز) (10) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک جنازے میں ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے جب ہم اس کی تدفین سے فارغ ہوئے اور لوگ واپس جانے لگے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اب

یہ (تمہارے واپس پلٹنے پر) تمہارے جوتوں کی آواز سنے گا۔ اس کے پاس منکر اور نکیر آئے ہیں جن کی آنکھیں تاننے کے دنگے کے برابر ہیں، دانت گائے کے سینگ کی طرح ہیں اور ان کی آواز بجلی کی طرح گرج دار ہے۔ وہ دونوں اس کو بٹھائیں گے اور پوچھیں گے تم کس کی عبادت کرتے تھے اور تمہارا نبی کون تھا؟ (الترغیب والترہیب: 5223) (11) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قبر میں آزمائے جانے اور منکر اور نکیر کے سوال و جواب کے بارے میں آگاہ فرمایا تو انہوں نے پوچھا ”یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس وقت مجھے میری عقل لوٹا دی جائے گی؟“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”ہاں!“ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”پھر میں دونوں فرشتوں (منکر نکیر) کے لیے کافی ہوں گا، واللہ! اگر ان فرشتوں نے مجھ سے پوچھا (تمہارا رب کون ہے؟) میں جواب دوں گا، میرا رب تو اللہ ہے تم بتاؤ تم دونوں کا رب کون ہے؟“ (الذکرہ) (12) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میت جب قبر میں دفن کی جاتی ہے تو وہ پسماندگان کے (واپس لوٹتے وقت) جوتوں کی آواز سنتی ہے۔ اگر میت مومن ہو تو اسے (قبر میں) کہا جاتا ہے ”بیٹھ جاؤ“ وہ بیٹھ جاتا ہے اور اسے سورج غروب ہوتا دکھایا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے کہ وہ شخص جو بہت پہلے تمہارے ہاں مبعوث ہوئے، ان کے بارے میں تم کیا کہتے تھے اور تم ان کے بارے میں کیا گواہی دیتے ہو؟“ مومن آدمی کہتا ہے ”ذرا بیٹھو مجھے نماز عصر ادا کرنے دو۔ (سورج غروب ہونے والا ہے)“ فرشتے کہتے ہیں ”بے شک تو (دنیا میں) نماز پڑھتا رہا ہے ہم جو بات پوچھ رہے ہیں اس کا ہمیں جواب دو، بتاؤ وہ شخص جو بہت پہلے تمہارے درمیان مبعوث کیے گئے ان کے بارے میں تم کیا کہتے تھے اور کیا گواہی دیتے تھے؟“ مومن آدمی کہتا ہے ”وہ (محمد ﷺ) ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں“ تب اسے کہا جاتا ہے اسی عقیدہ پر تو زندہ رہا، اسی پر مرا اور انشاء اللہ اسی عقیدے پر اٹھے گا۔ پھر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اس کے لیے کھول دیا جاتا ہے اور اسے بتایا جاتا ہے ”جنت میں یہ تمہارا محل ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے جنت میں تمہارے لیے تیار کر رکھا ہے (وہ بھی دیکھ لو یہ سب کچھ دیکھ کر) اس کے شوق اور لذت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ (یعنی 105 فٹ یا 35 میٹر) کھلی کر دی جاتی ہے اور اسے منور کر دیا جاتا ہے۔ اس کے جسم کو پہلے والی حالت میں لوٹا دیا جاتا ہے (یعنی اسے سلا دیا جاتا ہے) اور اس کی روح کو پاکیزہ اور خوشبودار بنا دیا جاتا ہے اور یہ پرندے کی شکل میں جنت کے درختوں پر اڑتی پھرتی ہے۔ (قبر میں مومن کا نیک انجام) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر ہے ”اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو کلمہ طیبہ کی برکت سے دنیا اور آخرت کی زندگی (یعنی قبر) میں ثابت قدمی عطا فرماتے ہیں۔“ (الترغیب والترہیب: 5225/4) (13) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَالِ۔“ (اے اللہ! میں عذاب قبر سے اور عذاب دوزخ سے اور زندگی اور موت کی خرابی سے اور مسیح دجال کے فساد سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“ (بخاری: 1377)

سوال 2: ﴿وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ﴾ ”اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ بھٹکا دیتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: مومنوں کی ہدایت کے مقابلے میں ظالموں کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے گا اور انہیں قول ثابت کی توفیق نہیں دے گا۔ اس طرح وہ کفر پر وفات پائیں گے اور ہلاک ہوں گے اور خسارہ پائیں گے۔ یہ ان کے شرک پر اصرار اور اس کی دعوت اور مومنوں پر ان کے ایمان کی وجہ سے ظلم کرنے اور اذیتیں دینے کی وجہ سے ہوگا۔ (ایسرالتفاسیر: 727)

سوال 3: ﴿وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ثابت قدم رکھتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اس کی رحمت اور عدل ہے۔ (ایسرالتفاسیر: 727) (2) یہ آیت کریمہ، قبر کے امتحان، قبر کے عذاب اور اس کی نعمت اور آرام پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ قبر کے امتحان، اس کی صفت و کیفیت، قبر کے عذاب اور اس کے آرام کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے نہایت تواتر کے ساتھ نصوص وارد ہوئی ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1350/2)

رکوع نمبر 17

﴿الْمُتَكِرِّي الْإِنِّ بَدَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (28)﴾

”کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں

اتار دیا؟“ (28)

سوال 1: ﴿الْمُتَكِرِّي الْإِنِّ بَدَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ ”کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الْمُتَكِرِّي﴾ ”کیا آپ نے نہیں دیکھا؟“ الم تعلم کے معنی میں ہے یعنی آپ ﷺ کو معلوم نہیں۔ (2) ﴿إِلِ الْإِنِّ﴾ ”ان لوگوں کی طرف“ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آیت ”الْمُتَكِرِّي الْإِنِّ بَدَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا“ میں کفار سے اہل مکہ مراد ہیں۔ (بخاری: 4700) (3) ﴿بَدَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ ”جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا“ یعنی انہوں نے توحید اور اسلام کا انکار کیا اور اسے شرک سے بدل دیا۔ (ایسرالتفاسیر: 726) (4) یہاں اللہ تعالیٰ کی نعمت سے مراد محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت ہے۔ آپ انہیں دنیا و آخرت میں نیکیوں کے ادراک کی طرف دعوت دیتے تھے، مگر انہوں نے اس نعمت کو ٹھکرا کر، اس کا انکار کر کے اور اپنے آپ کو اس نعمت کو قبول کرنے سے باز رکھ کر اس نعمت کو بدل ڈالا۔ (تفسیر سعدی: 1351/2)

سوال 2: ﴿وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ﴾ ”اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں اتار دیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں اتار دیا“ بوار کا معنی ہلاکت ہے۔ قوم ما بوار کے معنی ہلاک ہونے والی قوم کے ہیں۔

(بخاری کتاب التفسیر) (2) دارالبوار سے مراد جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوں گے یعنی اس کی گرمی اور شعلوں سے جلیں گے۔ (ابیر التفسیر: 727) (3) اس سے مراد جہنم ہے، کیونکہ وہ ان کی گمراہی کا سبب بنے اور اپنی قوم کے لئے وبال بن گئے جب کہ ان سے نفع کی امید تھی۔ منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ غزوہ بدر کے لئے ان کو نکلنے پر آمادہ کرنے کے لئے جنگ پر نکلنے کے بڑے فوائد بیان کئے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کریں۔ پس ان کے ساتھ عبرت ناک سلوک ہو اور جنگ بدر میں ان کے بہت بڑے بڑے سردار اور بہادر مارے گئے۔ (تفسیر سعدی: 2/1351)

﴿جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَيَبْسُ الْقَرَارُ﴾ (29)

”جہنم میں، وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت بری قرار گاہ ہے۔“ (29)

سوال: ﴿جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَيَبْسُ الْقَرَارُ﴾ ”جہنم میں، وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت بری قرار گاہ ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا﴾ ”جہنم میں، وہ اس میں داخل ہوں گے“ یعنی ناشکری کرنے والے کافر ہلاکت کے گھر جہنم میں جائیں گے۔ (2) ﴿وَيَبْسُ الْقَرَارُ﴾ ”اور وہ بہت بری قرار گاہ ہے“ بہت ہی برا مقام ہے جہاں وہ اپنی قوم کو لے جائیں گے۔

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَسْبَعُونَ أَفَانَ مَوْصِيْرٌ كُمْ إِلَى الْآثَارِ﴾ (30)

”اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنا رکھے ہیں کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکادیں۔ آپ کہہ دیں مزے کرو! بلاشبہ آگ ہی کی طرف تمہیں پلٹنا ہے۔“ (30)

سوال 1: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ﴾ ”اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنا رکھے ہیں کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکادیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا﴾ ”اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنا رکھے ہیں“ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابل اور شریک بنا ڈالے جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ (2) ﴿لِّيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ﴾ ”کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکادیں“ اور لوگوں کو بھی شرک کی دعوت دیتے ہیں۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کے راستے سے بھٹکادیتے ہیں۔ (3) وہ لوگوں کو دین اسلام سے بھٹکادیتے ہیں۔

سوال 2: ﴿قُلْ تَسْبَعُونَ أَفَانَ مَوْصِيْرٌ كُمْ إِلَى الْآثَارِ﴾ ”آپ کہہ دیں مزے کرو! بلاشبہ آگ ہی کی طرف تمہیں پلٹنا ہے“ کی وضاحت

کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ ”آپ کہہ دیں“ آپ انہیں وعید سنا دیں۔ (2) ﴿تَسْتَعْتُوا﴾ ”مزے کرو“ جب تک زندہ ہو اپنی گمراہی سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لو اور جو چاہے کر لو، دنیا کا سامان ہے اس کا بہت فائدہ بھی تھوڑا ہے۔ (3) ﴿قُلْ اَنْتُمْ مِثْلُ نَجْمٍ﴾ ”بلاشبہ تمہیں پلٹنا ہے، یعنی تمہارے معاملے کی انتہا۔ (4) ﴿اِلَى النَّارِ﴾ ”آگ ہی کی طرف ہے،“ یعنی جو چاہو کر لو مگر تو تمہیں ایک دن جہنم میں جانا ہی پڑے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿لَنَسْتَعْتِبَنَّهُمْ قَلِيلاً ثُمَّ نَنظُرُهُمْ اِلَى عَذَابٍ غَلِيظٍ﴾ ہم انہیں بہت تھوڑا سامان دے رہے ہیں، پھر ہم انہیں ایک بہت سخت عذاب کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔ (لقمان: 24) (5) ﴿مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُنزِلُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ دنیا میں تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ہماری ہی جانب انہیں لوٹنا ہے پھر ہم انہیں سخت عذاب چکھائیں گے اس وجہ سے جو وہ کفر کرتے تھے۔ (یونس: 70)

سوال 2: رب العزت نے ان آیات میں جہنم جانے کے کیا اسباب ذکر کیے ہیں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر کو کفران نعمت اور انکار سے بدل ڈالنا۔ (2) اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا۔ (3) لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین قیم سے گمراہ کرنا۔

﴿قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا اَمْوَالَهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّآئِي يَوْمَ لَا يُبِيعُ فِيهِمْ وَلَا

خُلِّلْ﴾ (31)

”میرے بندوں سے کہہ دیں جو ان لوگوں میں سے ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز قائم کریں اور جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے کھلے اور چھپے خرچ کریں، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی۔“ (31)

سوال 1: ﴿قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا اَمْوَالَهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّآئِي يَوْمَ لَا يُبِيعُ فِيهِمْ وَلَا خُلِّلْ﴾ ”میرے بندوں سے کہہ دیں جو ان لوگوں میں سے ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز قائم کریں اور جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے کھلے اور چھپے خرچ کریں، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”میرے بندوں سے کہہ دیں جو ان لوگوں میں سے ایمان لائے ہیں“ رب العزت نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ میرے ان بندوں کو جو ایمان لائے ان امور کا حکم دے دیجیے جن میں ان کے لیے خیر، بھلائی اور اصلاح ہے۔ (2) ﴿يُقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ ”وہ نماز قائم کریں“ یعنی وہ نماز کو شریعت کے مطابق ادا کریں، اس کے رکوع اور سجدوں کو پورا کریں اور اس کو معین اوقات

میں کامل طہارت اور قبلہ رو ہو کر باجماعت اذکریں یہاں تک کہ اس کا پھل روح کی طہارت اور تزکیہ نفس کی صورت میں ملے۔ (ایسر التفسیر 728: (3) یعنی وہ ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ نماز قائم کریں۔ (تفسیر سعدی: 1352/2) (4) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نماز کے وقت اللہ تعالیٰ کا مقرر فرشتہ پکارتا ہے: لوگو! اٹھو اس آگ کو بھانے کے لیے جسے تم نے (اپنے گناہوں سے) جلایا ہے۔ (طبرانی) (5) سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: جس شخص نے نماز کی حفاظت کی اس کے لئے نماز قیامت کے روز نور برہان، اور نجات کا باعث ہوگی۔ جس نے نماز کی حفاظت نہ کی اس کے لیے نہ نور ہوگا نہ برہان اور نجات، نیز قیامت کے روز اس کا انجام قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (ابن حبان) (6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے۔ اگر نماز سنت کے مطابق درست ہوئی تو بندہ کامیاب و کامران ہوگا اور اگر نماز خراب ہوئی یعنی سنت کے مطابق نہ پائی گئی تو ناکام و نامراد ہوگا۔ اگر بندے کے فرائض میں کچھ کمی ہوئی تو رب العزت فرمائیں گے: میرے بندے کے نامہ اعمال میں دیکھو کوئی نفل عبادت ہے؟ اگر ہوئی تو نوافل کے ساتھ فرائض کی کمی پوری کر دی جائے گی۔ پھر اس کے تمام اعمال کا حساب اسی طرح ہوگا۔ (ترمذی: 413) (7) ﴿وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ﴾ اور اس میں سے خرچ کریں جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے، یعنی وہ ہر وقت کھلے، چھپے صدقہ کریں، کم ہو یا زیادہ جو بھی اللہ تعالیٰ نے نعمتیں دی ہیں اس میں سے خرچ کریں۔ (8) ﴿سِرًّا وَعَلَانِيَةً﴾ ”کھلے اور چھپے“ یہ حکم نفقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ اور نفقات کفالت اور نفقات مستحبہ مثلاً عام صدقات وغیرہ کو شامل ہے۔ (تفسیر سعدی: 1352/2) (9) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كُلُّ امْرِيٍّ فِي ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتَّى يُفْضَى بَيْنَ النَّاسِ جب تک لوگوں کے درمیان فیصلہ نہیں کر دیا جائے گا ہر شخص اپنے صدقے کے سائے تلے رہے گا۔ (متدرک حاکم) (10) سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”تم آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے (کے صدقے) کے ساتھ ہی۔“ (بخاری: 6023) (11) سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رات کو نکلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تنہا چاندنی میں ٹہل رہے ہیں۔ میں سمجھا کہ شاید آپ ﷺ اس وقت تنہائی چاہتے ہیں اور کسی اور کا یہاں ہونا پسند نہ فرمائیں گے چنانچہ اسی خیال سے میں سائے میں ہو گیا لیکن آپ ﷺ کی نگاہ پڑ گئی، پوچھا: کون ہے؟ عرض کیا: آپ ﷺ پر قربان ابو ذر ہوں۔ آپ ﷺ نے مجھے ساتھ لے لیا اور تھوڑی دیر تک ٹہلتے رہے۔ پھر فرمایا: ”جو آج دولت مند ہیں وہی کل قیامت میں غریب ہوں گے لیکن وہ شخص کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے دولت دی اور وہ اس کو دائیں بائیں آگے پیچھے پھینک دے اور اس میں نیکی کے کام کرے۔“ (سیرت النبی ﷺ) (12) ﴿مَنْ قَبِلَ أَنْ يَأْتِي يَوْمَهُ﴾ ”اس سے پہلے کہ وہ دن آئے“ وہ قیامت کا دن ہے جب کوئی چیز فائدہ نہ دے گی۔ (13) ﴿لَا يَنْفَعُ فِيهِ وَلَا خَلْدٌ﴾ ”جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی“ اس دن نہ کسی خرید و فروخت کا فائدہ ہوگا، نہ کوئی دوست کام آئے گا۔ ہر شخص کا معاملہ ایسا ہوگا کہ وہ دوسروں سے بے نیاز ہوگا۔ اس لیے ہر شخص کے لیے

لازم ہے کہ وہ اس دن کے لیے آج کمانی کر لے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَتَذَكَّرُوا نَفْسَ مَقَادِمَتِهَا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿14﴾﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے نکل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ یقیناً اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ (الحشر: 18) (14) ﴿وَاتَّقُوا يَوْمَ مَا أَتَى النَّفْسَ عَنْ نَفْسٍ سَيِّئًا وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةً وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿15﴾﴾ اور ڈرو اس دن سے جب کوئی جان کسی جان کے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ (البقرہ: 48) (15) ﴿فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ مَأْوَاكُمْ النَّارُ ۗ هِيَ مَوْلَاكُمْ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿16﴾﴾ سوا آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ہی ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا، تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے، وہی تمہارا دوست ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ (الحدید: 15) (16) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۗ إِنَّمَا أَتَى النَّفْسَ الْيَمِينُ مِنَ اللَّهِ ۗ إِنَّهَا لَكَلِيمٌ مُّبِينٌ ﴿17﴾﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی تجارت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی سفارش اور کافر ہی ظالم ہیں۔ (البقرہ: 254) (17) ﴿أَلَا خَلَا عَرِيَّةٌ مِمَّنْ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿18﴾﴾ تمام دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقی لوگوں کے۔ (الزخرف: 67) آج اپنے اعمال کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور اس دن سے پہلے اپنا محاسبہ کرنے کی اور آج ہر شخص کو اپنے لیے کچھ آگے بھیجنے کی ضرورت ہے۔

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الْعِبَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۗ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْفَلَكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۗ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْإِلَهَامَ ﴿32﴾﴾

”اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے کچھ پانی نازل کیا پھر اس سے تمہارے لیے پھلوں میں سے کچھ رزق نکالا اور اس نے کشتیوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں اور تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر کر دیا۔“ (32)

سوال 1: ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الْعِبَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۗ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْفَلَكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۗ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْإِلَهَامَ ﴿32﴾﴾ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے کچھ پانی نازل کیا پھر اس سے تمہارے لیے پھلوں میں سے کچھ رزق نکالا، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الْعِبَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۗ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْفَلَكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۗ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْإِلَهَامَ ﴿32﴾﴾ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے، وہ جو تمہاری عبادت اور اطاعت میں اخلاص کا حق رکھتا ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو اپنی ذات کے لیے یا کسی اور کے لیے نفع یا نقصان کا اختیار رکھتا ہو۔ (جامع البیان: 1230/13) (2) ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَالْإِلَهَامَ﴾ جس نے

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان دونوں کی تخلیق کی ابتدا کی۔ (ایسراف: 728) (3) اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو یاد دلایا ہے اور نوع انسانی پر اپنی قدرت کو حجت بنایا ہے۔ (الحجر: 339/3) (4) وہی ہے جس نے آسمانوں کو محفوظ چھت بنایا اور ان کو وسعتوں کے ساتھ پیدا کیا اور زمین کو فرش کی طرح بچھا دیا۔ (5) ﴿وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ﴾ ”اور آسمان سے کچھ پانی نازل کیا پھر اس سے پھلوں میں سے نکالا“ اللہ تعالیٰ بارش کے پانی کے ذریعے سے زمین سے مختلف قسم کے اناج اور پھل اگاتا ہے جن کے رنگ، ذائقے، خوشبوئیں اور فائدے جدا جدا ہیں۔ (6) ﴿مِرْدًا كَاللَّمَّةِ﴾ ”تمہارے لیے کچھ رزق“ یعنی تمہارے اور تمہارے جانوروں کے لیے اس کو رزق بنایا۔ تم ان کے ساتھ زندگی گزارتے ہو اور اسی کے ساتھ تمہاری زندگی کی تکمیل ہوتی ہے۔

سوال 2: ﴿وَسَخَّرْنَا لَكُمْ الْفَلَكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرٍ ۗ وَسَخَّرْنَا لَكُمْ آلَا نُهُمْ﴾ ”اور اس نے کشتیوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں اور تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر کر دیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَسَخَّرْنَا لَكُمْ الْفَلَكَ﴾ ”اور اس نے کشتیوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا“ یعنی جہاز اور کشتیوں کی صنعت پر تمہیں قدرت عطا کی۔ (2) ﴿تَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرٍ ۗ﴾ ”کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں“ اللہ تعالیٰ نے کشتیاں اور جہاز تمہارے اختیار میں دے دیے اور پانی کی موجوں پر ان کی حفاظت کی تاکہ وہ تمہیں اور تمہارے تجارتی مال کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے موجوں کو چیرتی پھاڑتی تمہاری منزل تک لے جائیں۔ (3) ﴿وَسَخَّرْنَا لَكُمْ آلَا نُهُمْ﴾ ”اور تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر کر دیا“ اللہ تعالیٰ نے دریا اور نہریں بھی تمہارے قبضے میں کر دیے تاکہ تم خود بھی بیٹھا پانی پیو، تمہارے جانوروں کو بھی پانی ملے اور تمہارے کھیت بھی سیراب ہوں۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے کائنات سے اپنے وجود کی گواہی کے لیے دلائل دیے ہیں، ان کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) آسمان اور زمین کی پیدائش یہ گواہی دیتی ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے۔ (2) پانی کے ذریعے زمین پر زندگی اور رزق کی فراہمی یہ گواہی دیتی ہے کہ کوئی فراہم کرنے والا ہے۔ (3) دریاؤں اور پہاڑوں کے ذریعے زمین کا انسان کے لئے موافق ہو جانا یہ گواہی دیتا ہے کہ کوئی موافق کرنے والا ہے۔ (4) خشکی، پانیوں اور فضا پر انسان کی قدرت ہونا یہ گواہی دیتا ہے کہ کوئی یہ قدرت دینے والا ہے۔ (5) سیاروں کی گردش یہ گواہی دیتی ہے کہ کوئی ان کو تباہی سے بچانے والا ہے۔ (6) سورج اور چاند کے ذریعے موسموں اور رات دن کا انتظام یہ گواہی دیتا ہے کہ کوئی انتظام کرنے والا ہے۔ (7) انسان کی ہر ضرورت کا انتظام یہ گواہی دیتا ہے کہ کوئی انتظام کرنے والا ہے۔ کائنات کی گواہیاں انسان کے اندر عبودیت کے جذبے کو بے دار کر سکتی ہیں۔

﴿وَسَخَّرْنَا لَكُمْ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبِينَ ۗ وَسَخَّرْنَا لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ (33)

”اور اس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ پے در پے چلنے والے ہیں اور تمہارے لیے اس نے رات اور دن کو مسخر

کیا۔“ (33)

سوال 1: ﴿وَسَخَّرْنَا لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ اور اس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ پے در پے چلنے والے ہیں اور تمہارے لیے اس نے رات اور دن کو مسخر کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَسَخَّرْنَا لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ اور اس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کر دیا“ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے سورج اور چاند کو تمہارا مطیع بنا دیا۔ (2) ﴿وَاللَّيْلَ﴾ ”پے در پے چلنے والے ہیں“ جو دن رات لگاتار چلتے چلے جاتے ہیں۔ (3) ان کی رفتار میں نرمی آتی ہے نہ وہ سست پڑتے ہیں بلکہ تمہارے مصالح یعنی زمان و اوقات کے حساب، تمہارے ابدان، تمہارے مویشی و حیوانات، کھیتوں اور باغات کے فائدے کے لئے رواں دواں رہتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2/1353) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ نہ ہی سورج کے لائق ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن سے پہلے آنے والی ہے اور سب ایک ایک مدار میں تیر رہے ہیں۔ (س: 40) (4) ﴿إِنَّ رَبَّكُمْ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَبِيبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مَسَجِّرَاتٍ بِأَمْرٍ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَاقُّ وَالْأَمْرُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ بلاشبہ تمہارا رب وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر بلند ہوا، وہ رات کو دن پر اوڑھاتا ہے وہ تیزی سے اس کے پیچھے چلا آتا ہے اور سورج، چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع کیے ہوئے ہیں، سن لو! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ (الاعراف: 54) (5) ﴿وَسَخَّرْنَا لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ ”اور تمہارے لیے اس نے رات اور دن کو مسخر کیا“ سورج اور چاند کے یکے بعد دیگرے آنے کی طرح دن رات بھی آگے پیچھے آتے جاتے رہتے ہیں، اگر دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے اور رات آتی ہے تو دن چلا جاتا ہے، کبھی دن بڑا ہوتا ہے اور رات چھوٹی اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يَكُونُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيَكُونُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلًّا يَجْرِئُ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ﴾ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے، ہر ایک اپنی مدت مقررہ تک چلتا ہے، سن لو! وہ سب پر غالب، نہایت بخشنے والا ہے۔ (الزمر: 5) (مختصر ابن کثیر: 1/950) (6) ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُؤَلِّمُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّمُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلًّا يَجْرِئُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا سب ایک مدت مقررہ تک چلتے جا رہے ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ (لقمان: 29) (7) ﴿وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَعَلَيْكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن بنائے ہیں تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور تاکہ تم اس کے

فضل میں سے تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو۔ (القصص: 73)

﴿وَاللّٰهُمَّ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۗ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصَوْنَهَا ۗ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرًا ۗ كَلَّا ۗ﴾ (34)

”اور اس نے تمہیں ہر چیز میں سے دیا جس کا بھی تم نے اس سے سوال کیا اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرو تو انہیں شمار نہیں کر پاؤ گے۔ بلاشبہ انسان یقیناً بڑا ظالم، بہت ناشکر ہے۔“ (34)

سوال 1: ﴿وَاللّٰهُمَّ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۗ﴾ اور اس نے تمہیں ہر چیز میں سے دیا جس کا بھی تم نے اس سے سوال کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاللّٰهُمَّ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۗ﴾ اور اس نے تمہیں ہر چیز میں سے دیا جس کا بھی تم نے اس سے سوال کیا“ مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا من کل ما سالتموہ کا معنی یہ ہے کہ جن جن چیزوں کی تم نے رغبت کی۔ (بخاری کتاب التفسیر) (2) یعنی اس نے تمہاری ضرورت کی تمام چیزیں پیدا کیں اور وہ کچھ تمہیں عطا کیا جو تم نے مانگا اور جس کی تم نے آرزو کی۔

سوال 2: ﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصَوْنَهَا ۗ﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرو تو انہیں شمار نہیں کر پاؤ گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، ان کا شکر ادا کرنا تو درکنار ان کو شمار بھی نہیں کر سکتے۔ (2) طلق بن حبیب فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا حق بہت بڑا ہے کیونکہ اس کی نعمتیں بے شمار ہیں، جنہیں انسان گن بھی نہیں سکتے لہذا صبح و شام اس کے آگے جھکتے رہو۔ (مختصر ابن کثیر: 951/1) (3) نبی ﷺ دعا کیا کرتے تھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَعْنَى عَنْهُ رَبَّنَا سَبِّحْ تَعْرِيفَ اللّٰهِ تَعَالَىٰ بِحَيْثُ كَانَ لِيْلَيْهِ تَعْرِيفٌ بَهْتٌ يُّبَاكِرُهُ، بَابِرْكَتٍ، نَاكَافِيٍّ اَوْ رَنَّهُ جَهْوَىٰ هُوْنَىٰ اَوْ رَنَّهُ هِي بِيْهِ يَرْوَاهِي بَرْتِيْ كُنَىٰ، اے ہمارے رب! (بخاری: 4584)

سوال 3: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرًا ۗ﴾ بلاشبہ انسان یقیناً بڑا ظالم، بہت ناشکر ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرًا ۗ﴾ بلاشبہ انسان یقیناً بڑا ظالم ہے، یعنی انسان بہت ظلم کرنے والا ہے، اپنے اوپر بھی اور دوسروں پر بھی۔ (2) ﴿كَفُوْرًا ۗ﴾ ”بہت ناشکر ہے“ یہ اس کی صفت ہے جو نہ ایمان لائے، نہ ہدایت پائے۔ پھر اگر وہ ایمان لائے اور ہدایت پائے تو یہ صفت ختم ہو جاتی ہے۔ (ایرالتفاسیر: 728) (3) یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے، کیونکہ وہ نہایت ظالم، معاصی کے ارتکاب کی جسارت کرنے والا، اپنے رب کے حقوق کے بارے میں کوتاہی کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف اور اس کا شکر وہی ادا کر سکتا ہے، جس کی اللہ تعالیٰ راہ نمائی کرے۔ تب وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے، اپنے رب

کے حق کو پہچانتا ہے اور اسے قائم کرتا ہے۔ پس ان آیات کریمہ میں بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بہت سی اصناف مجمل اور مفصل طور پر بیان ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس کا ذکر اور اس کا شکر ادا کریں اور وہ ان کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ دن رات اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے اور اس سے دعا مانگتے رہیں جیسے ہر وقت بتکران پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا فیضان رہتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1353/2)

رکوع نمبر 18

﴿وَادْعَالَ اِبْرٰهٖمَ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَاَجْنُبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (35)﴾

”اور جب ابراہیم نے کہا: ”اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دیجیے اور مجھے اور میری اولاد کو بچا لیجیے کہ ہم بتوں کی عبادت کریں!“ (35)

سوال: ﴿وَادْعَالَ اِبْرٰهٖمَ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَاَجْنُبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾ ”اور جب ابراہیم نے کہا: ”اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دیجیے اور مجھے اور میری اولاد کو بچا لیجیے کہ ہم بتوں کی عبادت کریں!“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَادْعَالَ﴾ ”اور جب“، یعنی یاد کرو اور اپنی قوم کو یاد دلاؤ، اللہ تعالیٰ کے دنوں ایام اللہ میں سے ابراہیم علیہ السلام کی خبر کو۔ (2) ﴿اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾ ”ابراہیم نے کہا:“، یعنی یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ نبی ﷺ وحی کے بغیر کیسے جان سکتے تھے اور کیسے تذکرہ کر سکتے تھے؟

(3) ﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾ ”اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دیجیے“، یعنی جس نے مکہ کو بلدا میں بنایا ہر اس شخص کے لیے جو اس میں داخل ہو۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس کے امن کے لیے دعا کی تھی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَادْعَالَ اِبْرٰهٖمَ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾ ”اور جب ابراہیم نے کہا: ”اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے۔“ (البقرہ: 126) (4) رہنے والوں کے لیے بھی مکہ بلدا میں ہے اور باہر سے آنے والوں کے لیے بھی امن والا شہر ہے۔ (5) اللہ تعالیٰ نے شرعاً اور قدراً آپ کی دعا قبول فرمائی اور اس کی حرمت کے اسباب میسر فرمائے جو کہ ہمیں معلوم ہیں حتیٰ کہ اگر کوئی ظالم حرم میں برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا قلع قمع کر دیتا ہے جیسے اصحاب قبیل کے ساتھ کیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لئے، اپنے بیٹوں کے لئے اور اس ارض محترم کے لئے امن کی دعا کی۔ (تفسیر سعدی: 1354/2)

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَوْ لَمْ يَرَوْا اَنْنَا جَعَلْنَاهُمْ اٰمِنًا﴾ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ یقیناً ہم نے حرم کو پر امن بنایا ہے؟ (العنکبوت: 67) (7) ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا﴾ اور جو اس میں داخل ہو وہ امن والا ہو گیا۔ (آل عمران: 97) (8) ﴿وَاَجْنُبْنِي وَبَنِيَّ﴾ ”اور مجھے اور میری اولاد کو بچا لیجیے“، یعنی مجھے اور میرے بچوں کو دور رکھ۔ (9) ﴿اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾ ”کہ ہم بتوں کی عبادت کریں!“، یعنی بتوں کے قریب جانے اور ان کی عبادت کے فتنے سے بچالے۔ (10) اس آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ دعا کرنے والے کو اپنی اولاد کے لیے دعا کرنی چاہیے۔

﴿رَبِّ اِنَّهُمْ اَصْلٰنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ عَصٰنِىْ فَاِنَّكَ عَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (36)

”اے میرے رب! بلاشبہ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا پھر جس نے میری پیروی کی یقیناً وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی بلاشبہ آپ تو بے حد بخشنے والے، نہایت رحم والے ہیں۔“ (36)

سوال 1: ﴿رَبِّ اِنَّهُمْ اَصْلٰنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ ”اے میرے رب! بلاشبہ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿رَبِّ اِنَّهُمْ﴾ قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ان بتوں نے تو لوگوں میں سے بہت سوں کو گمراہ کر دیا۔ (الدر المنثور: 4/162) (2) ﴿اَصْلٰنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ ”ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا“ یعنی ان بتوں کی وجہ سے بہت لوگ گمراہ ہوئے۔ انہوں نے ان بتوں کی عبادت کی۔

سوال 2: ﴿فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ﴾ ”پھر جس نے میری پیروی کی یقیناً وہ میرا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَنْ تَبِعَنِىْ﴾ ”پھر جس نے میری پیروی کی“ یعنی جس نے ایمان اور تیرے لیے عبادت میں اخلاص میں اور بتوں کو چھوڑنے میں میری پیروی کی۔ (2) ﴿فَاِنَّهٗ مِنِّىْ﴾ ”یقیناً وہ میرا ہے“ یعنی اس نے میرے جیسا عمل کیا وہ مجھ سے ہے، میرے دین سے ہے۔ (3) یعنی توحید الہی اور اخلاص اللہ میں جس نے میری پیروی کی، یعنی کامل موافقت کی وجہ سے وہ مجھ سے ہے۔ جو کوئی جس قوم سے محبت کرتا ہے اور اس کی پیروی کرتا ہے، وہ اسی قوم سے ملحق شمار ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1355)

سوال 3: ﴿وَمَنْ عَصٰنِىْ فَاِنَّكَ عَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ”اور جس نے میری نافرمانی کی بلاشبہ آپ تو بے حد بخشنے والے، نہایت رحم والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَنْ عَصٰنِىْ﴾ ”اور جس نے میری نافرمانی کی“ معصیت سے مراد شرک کے علاوہ دوسرے گناہ ہیں۔ (تیسیر الرحمن: 1/734) (2) یعنی جس نے شرک پر اصرار کیا۔ (جامع الاحکام القرآن 5/259) (3) ﴿فَاِنَّكَ عَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بلاشبہ آپ تو بے حد بخشنے والے، نہایت رحم والے ہیں“ جس نے موت سے پہلے توبہ کر لی اس کے لیے وہ غفور و رحیم ہے۔ (تفسیر جامع الاحکام القرآن 5/259) (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشنے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے لیکن اس کے علاوہ جس کو چاہے وہ بخش دے گا۔ (النساء: 116) (5) اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی مغفرت شرک سے توبہ کے ساتھ متید ہے۔ یعنی اگر وہ شرک سے توبہ کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ بڑا مغفرت کرنے والا ہے۔ (تیسیر الرحمن: 15/734) (6) سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری اور جس دعوت کے ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اس کی مثال ایک ایسے شخص جیسی

ہے جو کسی قوم کے پاس آئے اور کہے کہ اے قوم! میں نے ایک لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں عیاں کر کے تم کو ڈرانے والا ہوں، پس بچاؤ کی صورت کرو۔ تو اس قوم کے ایک گروہ نے بات مان لی اور رات کے شروع ہی میں نکل بھاگے اور حفاظت کی جگہ چلے گئے، اس لیے نجات پا گئے لیکن ان کی دوسری جماعت نے جھٹلایا اور اپنی جگہ ہی پر موجود رہے۔ پھر صبح سویرے ہی دشمن کے لشکر نے انہیں آلیا اور انہیں مارا اور ان کو برباد کر دیا، تو یہ مثال ہے اس کی جو میری اطاعت کریں اور جو دعوت میں لایا ہوں اس کی پیروی کریں اور اس کی مثال ہے جو میری نافرمانی کریں اور جوحق میں لے کر آیا ہوں اسے جھٹلائیں۔“ (صحیح بخاری: 7283) (6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے انکار کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! انکار کون کرے گا؟ فرمایا: جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے گا اس نے انکار کیا۔“ (صحیح بخاری: 7280) (7) یہ سیدنا خلیل علیہ السلام کی شفقت ہے کہ انہوں نے گناہ گاروں کے لئے بخشش اور رحمت کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف اسے عذاب دے گا جو سرکشی اختیار کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1355)

﴿ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زُرْمَةٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ

تَهْوِي إِلَيْنَاهُمْ وَأْمُرْهُمْ مِنَ الْعِبْرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (37) ﴾

”اے ہمارے رب! یقیناً میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس اس وادی میں آباد کیا ہے جو کھیتی والی نہیں ہے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں، سو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دیں اور آپ انہیں پھلوں کا رزق دیں تاکہ وہ شکر ادا کریں۔“ (37)

سوال 1: ﴿ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زُرْمَةٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ﴾ ”اے ہمارے رب! یقیناً میں نے اپنی کچھ

اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس اس وادی میں آباد کیا ہے جو کھیتی والی نہیں ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ ﴾ ”اے ہمارے رب! یقیناً میں نے آباد کیا“ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دوسری دعا اس وقت کی جب

انہوں نے سیدہ ہاجرہ علیہا السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کی سرزمین میں لا کر آباد کیا تھا۔ اس وقت وہ دودھ پیتے بچے تھے۔ (3) ﴿ مِنْ

ذُرِّيَّتِي ﴾ ”اپنی کچھ اولاد کو“ یعنی ساری اولاد کو نہیں کچھ کو لا کر بسایا ہے کیونکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے باقی بچے شام میں تھے۔ (4) ﴿ بِوَادٍ غَيْرِ

ذِي زُرْمَةٍ ﴾ ”اس وادی میں جو کھیتی والی نہیں ہے“ وہ مکہ ہے جو اس دور میں سنسان جنگل تھا۔ تب وہاں نہ زراعت تھی، نہ پانی کا نام و نشان

تھا۔ (4) ﴿ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ﴾ ”تیرے حرمت والے گھر کے پاس“ اس گھر کو اللہ تعالیٰ نے برائی سے پاک کیا، اسے قبلہ بنایا، اسے حرم

بنایا، جس کو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کے لیے چنا۔ (جامع البیان: 13/237) (5) سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدہ ہاجرہ اور اپنے شیرخوار بچے کو

بیت اللہ کے پاس زمزم سے اوپر کی طرف موجودہ مسجد کے بالائی حصے میں ایک بڑے درخت کے پاس ٹھہرا دیا۔ اس وقت مکہ میں کوئی انسان نہیں رہتا تھا اور وہاں پانی بھی نہیں تھا۔ آپ نے انہیں وہاں اتارا اور ان کے پاس کھجوروں کا ایک تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام واپس چل پڑے۔ اسماعیل کی والدہ بھی ان کے پیچھے چلیں اور کہا: ”ابراہیم! آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں کوئی ساتھی (یا ہمسایہ) ہے نہ (ضرورت کی) کوئی چیز؟“ انہوں نے کئی بار یہ بات کہی، لیکن آپ ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ (آخر) انہوں نے کہا: ”کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے؟“ انہوں نے فرمایا: ”ہاں!“ وہ بولیں: ”تب وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔“ اور پلٹ گئیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے جب ثنیہ (گھاٹی) پر پہنچے، جہاں سے وہ لوگ نظر نہیں آ رہے تھے، تو انہوں نے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے ہاتھ اٹھادیں اور یہ دعا مانگی: ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ اے ہمارے رب! یقیناً میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس اس وادی میں آباد کیا ہے جو کھیتی والی نہیں ہے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں، سو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دیں اور آپ انہیں پھلوں کا رزق دیں تاکہ وہ شکر ادا کریں۔ (ابراہیم: 37)

سوال 2: بیت اللہ کی تعمیر کیسے ہوئی؟

جواب: پھر کچھ مدت کے بعد جتنی اللہ تعالیٰ کو منظور تھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام آئے تو اسماعیل علیہ السلام زمزم کے پاس ایک درخت کے تلے بیٹھے اپنے تیر درست کر رہے تھے۔ والد کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور باپ بیٹا بڑے پتاک سے ملے۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے کہا ”اسماعیل (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے کیا اس کام میں تو میری مدد کرے گا؟“ انہوں نے کہا: ”ضرور کروں گا۔“ ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس مقام پر ایک گھر بناؤں اور ایک اونچے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ باپ بیٹے دونوں نے اس گھر کی بنیاد اٹھائی۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے جاتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے جاتے۔ جب دیواریں اونچی ہو گئیں تو اسماعیل علیہ السلام یہ پتھر (مقام ابراہیم) لے آئے اور اسے وہاں رکھ دیا۔ اب ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر چٹائی کرتے اور اسماعیل علیہ السلام پتھر دیتے جاتے تھے اور دونوں یہ دعا پڑھتے ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ غرض وہ چاروں طرف سے بیت اللہ کی تعمیر کرتے جاتے اور یہی دعا پڑھتے جاتے۔ (بخاری، کتاب الانبیاء) (تیسیر القرآن: 2/466)

سوال 3: ﴿رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں، سو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دیں اور آپ انہیں پھلوں کا رزق دیں تاکہ وہ شکر ادا کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں، یعنی ان کو موحد اور نماز قائم کرنے والے بنا کیونکہ نماز سب سے زیادہ خصوصیت کی حامل اور سب سے افضل عبادت ہے اور جس نے نماز کو قائم کر لیا، وہ دین کو قائم کرنے والا ہو گیا۔ (تفسیر

سعدی: 1355/2) (2) ﴿فَجَعَلْ أَقْبِدًا قَرْنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ﴾ ”سو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دیں“، یعنی لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے کہ لوگ ان سے محبت کریں اور اس علاقے اور اس گھر سے محبت کریں جہاں میں نے انہیں لا کر آباد کر دیا ہے۔ رب العزت نے دعائے خلیل کو قبول فرمایا اور ان کی اولاد میں سے محمد رسول اللہ ﷺ کو پیدا فرمایا۔ آپ ﷺ کی دعوت کی وجہ سے اولاد ابراہیمی نے دین اسلام قبول کر لیا اور نماز قائم کرنے والے بن گئے۔ (3) اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی زیارت کو فرض قرار دیا جس کے پاس ابراہیم علیہ السلام کی اولاد آباد تھی اور اس میں ایک ایسا بھید پنہاں رکھا جو دلوں کے لئے کشش رکھتا ہے، دل اس گھر کی زیارت کا قصد کرتے ہیں اور اس کی زیارت سے کبھی سیر نہیں ہوتے بلکہ بندہ مومن جس قدر زیادہ اس گھر کی زیارت کرتا ہے اس کی آتش شوق اسی قدر زیادہ بھڑکتی ہے اور اس کا سر نہاں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف مضاف کیا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1356/2) (4) ﴿وَأَمَّا زُكْرَهُمْ فَكَرِهْتُمُ مِنَ الْعَمَلَاتِ﴾ ”اور آپ انہیں پھلوں کا رزق دیں“ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد کو اس علاقے میں کھانے کے لیے پھل دیں جہاں پیداوار نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا أَوْثَانًا يُحِبُّونَ إِلَيْهِ شِمَاتٍ كُلِّ شَيْءٍ رَّزَقَاهُمْ لَدُنَّا﴾ اور کیا ہم نے انہیں ایک پر امن حرم میں جگہ نہیں دی؟ جس کی طرف ہماری جناب سے رزق کے طور پر ہر قسم کے پھل کھینچ کر لائے جاتے ہیں۔ (القصص: 57) (5) ﴿لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ ”تا کہ وہ شکر ادا کریں“ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجے میں رب العزت نے ان کی اولاد کو شکرگزاری کی توفیق دی۔ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے سے جب کھانا اٹھایا جاتا تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، بہت زیادہ پاكيزہ اور برکت والی ہم اس کھانے کا حق پورے طریقے سے ادا نہ کر سکے اور یہ ہمیشہ کے لیے رخصت نہیں کیا گیا ہے اور یہ اس لئے کہا تا کہ اس سے ہم کو بے پرواہی کا خیال نہ ہو اے ہمارے رب! (بخاری: 5458) (6) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نماز میں رات بھر کھڑے رہے یہاں تک کہ آپ کے دونوں پاؤں سو جھ گئے۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی جھپلی تمام خطائیں معاف کر دی ہیں۔ رسول ﷺ نے فرمایا: کیا میں شکرگزاری بندہ نہ ہوں؟ (صحیح بخاری: 4836)

﴿رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا تُعْلِنُ ۗ وَمَا يُخْفِي عَلَيَّ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (38)﴾

”اے ہمارے رب! یقیناً آپ جانتے ہیں جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہ زمین میں پوشیدہ ہے

اور نہ آسمان میں۔“ (38)

سوال 1: ﴿رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا تُعْلِنُ﴾ ”اے ہمارے رب! یقیناً آپ جانتے ہیں جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿رَبِّئِنَّكَ تَعْلَمُ﴾ ”اے ہمارے رب! یقیناً آپ جانتے ہیں“ یعنی اے ہمارے رب تو جانتا ہے، ہمارے بارے میں ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ آپ اس دعا میں میرے ارادے کو بھی جانتے ہیں اور وہ آپ کی رضا اور آپ کے لیے اخلاص ہے۔ یقیناً آپ ہمارے مصالح اور ہمارے حالات سے واقف ہیں۔ ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ کیا وہی نہیں جانتا جس نے پیدا کیا؟ اور وہ نہایت باریک بین، خوب باخبر ہے۔ (الملك: 14) (2) ﴿مَا تُخْفِي وَ مَا تُعْلِنُ﴾ ”جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں“ یعنی جن کو ہم جانتے ہیں اور جن کو ہم نہیں جانتے اپنی تدبیر سے ان کو ہمارے لیے آسان فرمادے۔

سوال 2: ﴿وَمَا يُخْفِي عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہ زمین میں پوشیدہ ہے اور نہ آسمان میں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا يُخْفِي عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ”اور نہیں کوئی چیز پوشیدہ اللہ تعالیٰ سے“ اللہ تعالیٰ کا علم وسیع ہے اس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں۔ (2) ﴿فِي الْأَرْضِ﴾ زمین میں۔ (3) ﴿وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ ”اور نہ آسمان میں“ یعنی جہان میں کچھ بھی آپ سے پوشیدہ نہیں۔ اسی طرح کوئی شخص نہ اپنا ظاہر اس سے چھپا سکتا ہے نہ باطن۔ ہر چیز اس پر عیاں ہے۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ اِسْمِعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ۗ اِنَّ رَبِّيْ لَسَبِيْحُ الدُّعَاۗءِ (39) ﴾

”سب تعریف اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے بڑھاپے کے باوجود مجھے اسماعیل اور اسحاق دیے۔ بلاشبہ میرا رب تو یقیناً بہت دعا سننے والا ہے“

والا ہے۔“ (39)

سوال: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ اِسْمِعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ۗ اِنَّ رَبِّيْ لَسَبِيْحُ الدُّعَاۗءِ ﴾ ”سب تعریف اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے بڑھاپے کے باوجود مجھے اسماعیل اور اسحاق دیے۔ بلاشبہ میرا رب تو یقیناً بہت دعا سننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ ”سب تعریف اللہ تعالیٰ کی ہے“ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور اس کا شکر ادا کیا۔ (2) ﴿ اَلَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ اِسْمِعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ﴾ ”جس نے بڑھاپے کے باوجود مجھے اسماعیل اور اسحاق دیے“ جس نے بڑھاپے میں سعادت مند بیٹے عطا کیے۔ یہ سب سے بڑی نعمت ہے اور بڑھاپے میں، مایوسی کی حالت میں اولاد کا عطا ہونا ایک دوسری نعمت ہے۔ پھر ان سب کا صالح انسان اور نبی ہونا جلیل ترین اور افضل ترین مرتبہ ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1356) (3) ﴿ اِنَّ رَبِّيْ لَسَبِيْحُ الدُّعَاۗءِ ﴾ ”بلاشبہ میرا رب تو یقیناً بہت دعا سننے والا ہے“ جو کوئی اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ (4) اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہوتا۔ (5) ابراہیم علیہ السلام نے اولاد کے لیے یہ دعا مانگی تھی ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِيْنَ﴾ اے میرے رب! مجھے صالحین میں سے اولاد عطا فرما۔ (الصف: 100)

﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ﴾ (40)

”اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی، اے ہمارے رب! اور میری دعا قبول فرما۔“ (40)

سوال 1: ﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ﴾ ”اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری

اولاد میں سے بھی، اے ہمارے رب! اور میری دعا قبول فرما“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ﴾ ”اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا“ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی کہ مجھے نماز کا

پابند بنا دے۔ (2) بندہ جب نماز کو شرائط اور ارکان کے ساتھ قائم کرتا ہے تو وہ ذکر اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاتا ہے اور جب

نماز چھوڑ دیتا ہے تو وہ غافل اور کافروں میں سے ہو جاتا ہے۔ (ایسر التفسیر: 730) (3) ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِي﴾ ”اور میری اولاد میں سے بھی“

یعنی میری اولاد کو بھی نماز کا شوق عطا فرمائیے کہ وہ باقاعدہ وقت پر نماز ادا کرتے رہیں۔ (4) ﴿رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ﴾ ”اے ہمارے رب!

اور میری دعا قبول فرما“ یعنی اے میرے رب اعمال کو قبول فرمالے جو صرف آپ کی خوشی کے لیے ہیں اور میری عبادت کو بھی قبول کر لے۔

اے میرے رب میں نے جو کچھ مانگا میری دعا قبول فرمالے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اَلدُّعَاءُ هِيَ الْعِبَادَةُ دعا ہی تو عبادت ہے۔ (ابو

داؤد: 1479) (5) رَبِّ الْعِزَّةِ نَعَى فَرَمَا: ﴿وَقَالَ رَبُّنَا اذْعُوْنِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ اَللَّهَ بَيْنَ يَدَيْكُمْ وَاَنْتُمْ عَنِ عِبَادَتِي سَيِّدُونَ حُلُوْنَ جَهَنَّمَ ذٰخِرِيْنَ﴾

اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں جلد ہی وہ جہنم

میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔ (غافر: 60)

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ (41)

”اے ہمارے رب مجھے اور میرے والدین کو اور تمام مومنوں کو بخش دینا جس دن حساب قائم ہوگا۔“ (41)

سوال 1: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ ”اے ہمارے رب مجھے اور میرے والدین کو اور تمام مومنوں کو بخش

دینا جس دن حساب قائم ہوگا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ﴾ ”اے ہمارے رب مجھے اور میرے والدین کو بخش دینا“ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی کہ میری

اور میرے ماں باپ کی بخشش فرمادیجیے۔ (2) سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ!

میری مغفرت فرما میری خطاؤں میں، میری نادانی میں اور میرے کسی معاملے کی زیادتی میں، ان باتوں کو جو تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔

اے اللہ! میری مغفرت کر، میری ہنسی مزاح اور سنجیدگی میں اور میرے ارادے میں اور یہ سب کچھ میری ہی طرف سے ہیں۔ (صحیح

بخاری: 6399) (3) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ساری دعائیں قبول ہوئیں سوائے والد کی مغفرت کی دعا کے وہ بھی جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ

اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس سے برات کا اظہار کر دیا۔ (4) ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاٰتِيْنِهٖۤ اَلَّا عَنِ مَوْعِدٍ وَّوَعَدَهَا اِيَّاكَ فَلَئِمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهُۥ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَيَّرَ اٰمِنُهٗ ۗ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَكَوَالٌ حَلِيْمٌ﴾ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا صرف اس وعدے کے سبب تھا جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا چنانچہ جب اس کے لیے واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گیا، بے شک ابراہیم یقیناً بڑا نرم دل، بڑا بردبار تھا۔ (التوبہ: 114) (5) ﴿وَاللّٰهُ مُنِيْنٌ﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: امت محمد میں سے اور کہا گیا وہ سب مراد ہیں۔ (جامع الاحکام القرآن: 265/5) (6) ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدِيْٓ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيْ مُؤْمِنًا وَّ لِمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبٰتُرًا﴾ اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور جو میرے گھر میں مومن بن کر داخل ہو اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو اور ظالموں کو ہلاکت کے سوا کسی چیز میں نہ بڑھا۔ (نوح: 28) (7) ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ ”جس دن حساب قائم ہوگا“ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا مانگی کہ حساب کے دن تمام ایمان والوں کو بخش دینا۔ (8) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ننگے پاؤں، ننگے جسم، بلا ختنہ کئے اٹھائے جاؤ گے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس پر میں نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! تو کیا ہم مرد اور عورتیں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ رسول ﷺ نے فرمایا: اس وقت معاملہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔ اس کا خیال بھی کوئی نہیں کر سکے گا۔ (بخاری: 6527) (9) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) فرمائے گا کہ اے آدم! پس وہ کہیں گے کہ میں حاضر ہوں اور مستعد ہوں سب بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔“ پھر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ دوزخ کا لشکر نکال (دوزخی لوگوں کو نکال) وہ پوچھیں گے کہ کتنے لوگوں کو نکالوں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ پس اس وقت (مارے خوف کے) بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور ہر حاملہ عورت اپنا حمل گرا دے گی اور تو لوگوں کو دیکھے گا کہ جیسے وہ مست بے ہوش ہیں حالانکہ ان کو نشہ نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔“ صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہزار میں سے ایک (جنتی) ہم میں سے کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”خوش ہو جاؤ! تم میں سے ایک آدمی کے مقابلے میں یا جوج ماجوج (دوسرے کافروں) میں سے ہزار آدمی ہوں گے“ پھر فرمایا: ”قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے امید ہے کہ تم جنتی لوگوں کا ایک چوتھائی ہو گے۔“ ہم نے (مارے خوشی کے) اللہ اکبر کہا۔ پھر فرمایا: ”مجھے امید ہے کہ تم تمام جنتی لوگوں کا تہائی حصہ ہو گے۔“ ہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ”مجھے امید ہے کہ تم تمام جنتی لوگوں کے نصف برابر ہو گے۔“ ہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم (دنیا کے) لوگوں میں ایسے ہو جیسے سفید بیل کی کھال میں ایک کالا بال یا کالے بیل کی کھال میں ایک سفید بال۔“ (بخاری: 6530)

رکوع نمبر 19

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ عَاقِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۗ اِنَّمَا يُؤَخَّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ﴾ (42)

”اور آپ اللہ تعالیٰ کو ہرگز غافل خیال نہ کریں اس سے جو ظالم کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس

میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔“ (42)

سوال 1: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۗ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ﴾ ”اور آپ اللہ تعالیٰ کو ہرگز غافل خیال نہ کریں اس سے جو ظالم کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ﴾ ”اور آپ اللہ تعالیٰ کو ہرگز غافل خیال نہ کریں اس سے جو ظالم کرتے ہیں“ اللہ رب العزت نے ظالموں کو وعید سنائی ہے اور نبی کریم ﷺ اور ان کی امت کو تسلی دلائی ہے کہ آپ لوگ اللہ تعالیٰ کو ظالموں سے غافل نہ سمجھیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے۔ (2) ظالموں سے مراد مکہ کے مشرک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت دی، انہیں رزق میں وسعت دی تاکہ وہ اطمینان کی زندگی گزاریں اور ان کے گناہوں میں اضافہ ہو جائے پھر وہ انہیں پکڑ لے۔ (3) ﴿إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی“ اللہ تعالیٰ نے اس دن تک کے لیے ظالموں کو مہلت دی ہے جس کے ہول اور دہشت کی وجہ سے آنکھیں چڑھی رہ جائیں گی اور کلیجے منہ کو آجائیں گے۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ النُّفُوسَ وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۗ إِنَّ أَخْذًا أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾ ”اور آپ کے رب کی پکڑ اسی طرح ہوتی ہے جب وہ کسی ظلم کرنے والی بستی کو پکڑتا ہے، بلاشبہ اس کی پکڑ بہت دردناک، بڑی سخت ہوتی ہے۔ (ہود: 102) (5) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ننگے پاؤں، ننگے جسم، بلاخندہ کئے اٹھائے جاؤ گے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس پر میں نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! تو کیا مرد عورتیں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت معاملہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔ اس کا خیال بھی کوئی نہیں کر سکے گا۔ (صحیح بخاری: 6527) (6) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تب سے اس پر موت سے زیادہ سخت وقت کوئی نہیں آیا اور پھر موت کے بعد کے مراحل موت سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ بے شک لوگ حشر کے دن کی سختی سے دوچار ہونے والے ہیں جس سے پسینہ کی لگام آئی ہوگی (پسینہ اس قدر بہہ رہا ہوگا کہ) اگر اس پسینہ میں کشتیاں چلائی جائیں تو وہ چلنے لگیں۔ (طبرانی)

﴿مُهْطَعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ﴾ (43)

”اس حالت میں کہ تیز دوڑنے والے، اپنے سروں کو اوپر اٹھانے والے ہوں گے ان کی نگاہ ان کی اپنی جانب ہی نہیں لوٹے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے۔“ (43)

سوال 1: ﴿مُهْطَعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ﴾ ”اس حالت میں کہ تیز دوڑنے والے، اپنے

سروں کو اوپر اٹھانے والے ہوں گے ان کی نگاہ ان کی اپنی جانب ہی نہیں لوٹے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مُهْطِعِينَ﴾ ”اس حالت میں کہ تیز دوڑنے والے ہوں گے“ وہ پکارنے والے کی پکار پر بلیک کہیں گے اور بیچ نہیں پائیں گے۔ (2) اس دن مردے قبروں سے اٹھ کر میدانِ حشر کی طرف بھاگیں گے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكُفْرُونَ هَذَا يَوْمَ عَسَىٰ﴾ گردن اٹھا کر پکارنے والے کی طرف دوڑنے والے ہوں گے، کافر کہیں گے: ”یہ تو بڑا مشکل دن ہے۔“ (القم: 8) (3) ﴿يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ يَرَاءُ عَاكِلِهِمْ إِلَىٰ نُصَبٍ يُّؤْفُضُونَ﴾ جس دن یہ اپنی قبروں سے تیز دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی گاڑے ہوئے نشان کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ (المعارج: 43) (4) ﴿مُقْتَبِينَ مِنْ دُورِهِمْ﴾ ”اپنے سروں کو اوپر اٹھانے والے ہوں گے“ حسن نے کہا: قیامت کے دن کوئی کسی کو دیکھ نہیں پائے گا۔ (جامع البیان: 224/14) (5) ان کے ہاتھ ٹھوڑیوں سے بندھے ہوئے ہوں گے، جس کی وجہ سے ان کے سروں کو اٹھ جائیں گے۔

سوال 2: ﴿لَا يَزِيدُهُمْ ظُرْفُهُمْ وَأَقْدَانُهُمْ هُوَ آءٌ﴾ ”ان کی نگاہ ان کی اپنی جانب ہی نہیں لوٹے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَا يَزِيدُهُمْ ظُرْفُهُمْ﴾ ”ان کی نگاہ ان کی اپنی جانب ہی نہیں لوٹے گی“ یعنی خوف اور دہشت کے مارے پلکیں نہیں جھپک پائیں گے۔ (2) ﴿وَأَقْدَانُهُمْ هُوَ آءٌ﴾ ”اور ان کے دل خالی ہوں گے“ ان کے دل گھبراہٹ کی وجہ سے حلق کو آئیں گے۔ وہ غموں سے بھرے ہوئے گے۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْأُزْفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَظَلِيمِينَ ۖ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حِينٍ وَلَا لَشَيْءٍ يُطَاعُ﴾ اور آپ انہیں قریب آنے والی قیامت کے دن سے ڈرائیں جب دل حلق کے پاس غم سے بھرے ہوں گے اور ظالموں کا نہ کوئی جگری دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی، جس کی بات مانی جائے۔ (المومن: 18)

﴿وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا آخِرْنَا إِلَىٰ آجَلٍ قَرِيبٍ لَّعَجِبَ دَعْوَتِكَ وَتَكْتُمِ الرَّسُلُ ۖ أَوْلِمْتُمْ تَكْوُنُوا أَوْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلِ مَا لَكُمْ مِنْ ذَوَالِ (44)﴾

”اور آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں جب ان پر عذاب آجائے گا تو ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑا قریب کے وقت تک مہلت دے، ہم تیری دعوت قبول کریں گے اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے۔“ اور کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے کہ تمہارے لیے کوئی زوال نہیں؟ (44)

سوال 1: ﴿وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا آخِرْنَا إِلَىٰ آجَلٍ قَرِيبٍ لَّعَجِبَ دَعْوَتِكَ وَتَكْتُمِ الرَّسُلُ﴾ ”اور آپ

لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں جب ان پر عذاب آجائے گا تو ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑا قریب کے وقت تک مہلت دے، ہم تیری دعوت قبول کریں گے اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِنذِرْنَا النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ﴾ ”اور آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں جب ان پر عذاب آجائے گا“، یعنی دنیا میں ان

کے سامنے عذاب کا حال بیان کیجیے اور برے اعمال سے ڈرائیے تاکہ وہ اپنے عقائد، اقوال اور افعال کی اصلاح کر لیں۔ (2) ﴿فَيَقُولُ

الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”تو ظالم لوگ کہیں گے، یعنی جن لوگوں نے اپنے رب سے شرک کر کے ظلم کیا اور ایمان والوں کو ایذا میں دیں۔ اللہ تعالیٰ

اس کے رسول اور اس کے دین کو جھٹلایا اور نافریناں کیں وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مشاہدہ کر کے آرزو کریں گے۔ کاش تھوڑی سی مہلت مل

جائے۔ (3) ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا﴾ ”اے ہمارے رب! مہلت دے ہمیں“ مجرم اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگیں گے۔ (4) ﴿إِنِّي أَجَلٌ قَرِيبٌ﴾

تھوڑا قریب کے وقت تک، یعنی ہم دنیا میں لوٹ جائیں۔ جیسا کہ رب العزت نے ان کی دعاؤں کو ایک اور مقام پر واضح فرمایا: ﴿وَأَنْفِقُوا

مِنْ مَّا سَأَدْتُمْ لَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولُ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ اور خرچ کرو اس

میں سے جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو وہ کہے: ”اے میرے رب! تو نے مجھے قریبی مدت تک

مہلت کیوں نہ دی؟ کہ میں صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا۔“ (المنافقون: 100) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دوزخ کے سب سے کم عذاب پانے والے سے پوچھے گا: اگر تمہیں روئے زمین کی ساری

چیزیں میسر ہوں تو کیا تم ان کو فرو یہ میں اس عذاب سے نجات پانے کے لیے دے دو گے؟ وہ کہے گا: ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تم

سے اس سے بھی سہل چیز کا اس وقت مطالبہ کیا تھا جب تم آدم کی پیٹھ میں تھے کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا لیکن تم نے توحید کا انکار کیا اور

نہ مانا آخر شرک ہی کیا! (صحیح بخاری: 6557) (5) ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْحَمْنِي﴾ ”لَعَلِّي آتِي سَالِحًا فَيُنَازِلُنِي كَمَا نَزَلْتُ عَلَىٰ

إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمِنْ دُونِهِمْ بَدَّخُمُ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ ”یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک پر موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے اے

میرے رب! مجھے لوٹا دے۔ تاکہ میں اس (دنیا) میں نیک کام کروں جسے میں چھوڑ آیا ہوں۔ ہرگز نہیں، بس ایک بات ہے جو وہ کہنے والا

ہے اور اس دن تک ان سب کے آگے ایک برزخ ہے جب وہ اٹھائے جائیں گے۔ (المومنون: 99، 100) (6) ﴿لَوْ جِبْ دَعْوَتِكَ﴾ ”ہم تیری

دعوت قبول کریں گے، یعنی تیرے رسول کی زبان سے ہمیں جو دعوت دی گئی ہے ہم اسے قبول کر لیں پھر ہم تجھے ایک مان لیں اور تیری

عبادت کریں۔ (ایسراف: 73) (7) یعنی حق کی دعوت پر ہم ایمان لے آئیں اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ (جامع

البیان: 247/14) (8) ﴿وَنُفِخُ فِي الرُّسُلِ﴾ ”اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے، یعنی ہم تیرے نبیوں کی تعلیمات اور ان کے دین کی پیروی

کر لیں۔ ﴿وَيَوْمَ مَرَّعُضُ الظَّالِمِ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ لِيَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا﴾ ”يُؤْيَلِي لِيَلَيْتَنِي لِمَ اتَّخَذْتُ فُلَانًا حَلِيلًا﴾ ”لَقَدْ أَصَلَّنِي عَنِ

الدِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي“ ”وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَدًّا“ اور جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو چبائے گا، وہ کہے گا: اے کاش کہ میں رسول کے

ساتھ (ہدایت) کا کچھ راستہ اختیار کرتا! ہائے میری بربادی! کاش میں فلاں شخص کو دلی دوست نہ بناتا۔ بلاشبہ یقیناً اس نے مجھے اس کے بعد نصیحت سے بہکا دیا جب کہ وہ میرے پاس آچکی تھی اور انسان کو شیطان ہمیشہ چھوڑ جانے والا ہے۔ (الفرقان: 27، 29) ان کی آہ و پکار اور وعدے صرف عذاب سے بچنے کے لیے ہوں گے۔ وہ اپنے وعدوں میں سچے نہیں ہوں گے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ﴾ اور اگر وہ واپس بھیج دیے جائیں تو یقیناً دوبارہ وہی کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا۔ (الانعام: 28) (9) رب العزت نے ان کی آہ و زاریوں کو دوسرے مقام پر بھی واضح فرمایا ہے: ﴿قَالُوا مَرْبَّنَا آمَنَّا بِمَا آتَيْتَنَا وَآحْيَيْتَنَا أَتُتَّبِعُنَا وَمِنَّا مَن يَكْفُرُ بِمَا آتَيْنَاهُ إِنَّا نَبْأُ قَهْلٍ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ﴾ کہیں گے: ”اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور تو نے ہمیں دو دفعہ زندگی دی سو ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، تو کیا یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟“ (غافر: 11) (10) ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمَجْرُومُونَ نَاكِسُوا مُرَاءَٰهُمْ عُنْدَ رَبِّهِمْ تُرَابًا آْبَصْرًا وَآَسَمِعًا فَاذْهَبًا جَعَلْنَا صَالِحًا إِثْمًا مُّؤْتُونَ﴾ اور کاش آپ دیکھیں جب مجرم اپنے رب کے پاس سر جھکائے ہوں گے، ”اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن لیا چنانچہ ہمیں واپس بھیج دے ہم نیک عمل کریں گے بلاشبہ ہم یقین کرنے والے ہیں۔“ (السجدہ: 12)

سوال 2: ﴿أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّن قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّن زَوَالٍ﴾ ”اور کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے کہ تمہارے لیے کوئی زوال نہیں؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ اسی طرح کا قول ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ آيَاتِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ بَلَىٰ﴾ اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی پختہ قسمیں کھائیں کہ جو مر جائے گا اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ نہیں اٹھائے گا، کیوں نہیں! (الاحقاف: 38) (2) تمہارا خیال تو یہ تھا کہ تم اس دنیا میں رہو گے اور آخرت میں کبھی نہیں جاؤ گے۔ اب تمہیں پتہ چل گیا تمہارے دعوے اور تمہاری قسمیں جھوٹی تھیں۔

﴿وَسَكُنْتُمْ فِي مَسْكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْآمَالَ (45)﴾

”اور تم ان کی بستیوں میں آباد رہے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تم پر خوب واضح ہو گیا کہ ہم نے ان کے ساتھ کس طرح

کیا؟ اور ہم نے تمہارے لیے کئی مثالیں بیان کیں۔“ (45)

سوال 1: ﴿وَسَكُنْتُمْ فِي مَسْكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ﴾ ”اور تم ان کی بستیوں میں آباد رہے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَسَكُنْتُمْ فِي مَسْكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ﴾ ”اور تم ان کی بستیوں میں آباد رہے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا“ یعنی تمہاری بد اعمالیوں کا سبب یہ نہیں تھا کہ تمہارے پاس نصیحت اور واضح دلائل نہیں آئے تھے بلکہ تم ان بستیوں میں آباد تھے جنہوں نے شرک اور نافرمانیاں کیں۔

سوال 2: ﴿وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْاَمْثَالَ﴾ ”اور تم پر خوب واضح ہو گیا کہ ہم نے ان کے ساتھ کس طرح کیا؟ اور ہم نے تمہارے لیے کئی مثالیں بیان کیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَتَبَيَّنَ لَكُمْ﴾ ”اور تم پر خوب واضح ہو گیا“ یعنی تم پر یہ حقیقت کھل گئی۔ (2) ﴿كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ﴾ ”کہ ہم نے ان کے ساتھ کس طرح کیا؟“ یعنی ہم نے انہیں کیسے ہلاک کیا۔ (3) یعنی ان کو مختلف انواع کی سزائیں دے کر، اور جب انہوں نے واضح دلائل کی تکذیب کی تو کیسے ہم نے ان پر عذاب نازل کیا؟ (سعدی: 2/1359) (4) ﴿وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْاَمْثَالَ﴾ ”اور ہم نے تمہارے لیے کئی مثالیں بیان کیں“ ہم نے تمہارے سامنے واضح مثالیں بیان کر دی ہیں جو دل میں شک کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں رہنے دیتیں۔ پس ان آیات بینات نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ اس کے برعکس تم نے روگردانی کی اور اپنے باطل پر جمے رہے، حتیٰ کہ تم پر یہ روز بد آ گیا جس میں تمہاری جھوٹی معذرت خواہی کوئی فائدہ نہ دے گی۔ (تفسیر سعدی: 2/1359)

﴿وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۗ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ (46)﴾

”اور بلاشبہ انہوں نے تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ کے پاس اپنی تدبیر ہے اور ان کی تدبیر ہرگز ایسی نہ تھی کہ پہاڑ اس سے ٹل جائیں۔“ (46)

سوال 1: ﴿وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ﴾ ”اور بلاشبہ انہوں نے تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ کے پاس اپنی تدبیر ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَدْ مَكَرُوا﴾ ”اور بلاشبہ انہوں نے تدبیر کی“ یعنی کفار قریش نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف چال چلی جب دارالندوہ میں انہوں نے اس پر مشورہ کیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے، جلاوطن کیا جائے یا قیدی کیا جائے اور وہ کرنے پائے۔ (ایسر التفسیر: 732) (2) انبیاء کو جھٹلانے والوں نے چالیں چلیں۔ (3) ﴿مَكْرُهُمْ﴾ ”اپنی تدبیر ہے“ یعنی انہوں نے ایسی چالیں چلنے کا ارادہ کیا جو وہ چل سکتے تھے۔ (4) ﴿وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کے پاس اپنی تدبیر ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں کو جانتے تھے اور ان کے بدلے کو بھی۔ (5) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم اور اپنی قدرت کے ذریعے سے ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ان کی چالیں لوٹ کر انہی کے خلاف گئیں اور بری چال نہیں گھیرتی مگر اپنے چلنے والوں کو۔ (تفسیر سعدی: 2/1359)

سوال 2: ﴿وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ ”اور ان کی تدبیر ہرگز ایسی نہ تھی کہ پہاڑ اس سے ٹل جائیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ ”اور ان کی تدبیر ہرگز ایسی نہ تھی کہ پہاڑ اس سے ٹل جائیں“ یعنی انبیاء و رسل اور وحی کو جھٹلانے والوں کی چالیں اور سازشیں اتنی بڑی ہیں کہ ان کے سبب سے بڑے بڑے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔ یعنی ﴿وَمَكْرُوا مَكْرًا﴾

کبار! انہوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں۔ (نوح: 22) ان کی سازشیں اتنی بڑی تھیں کہ ان کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی سازشیں انہی پر الٹ دیں۔ اس آیت کریمہ کی وعید میں ہر وہ شخص شامل ہے جو باطل کی نصرت اور حق کے ابطال کے لئے انبیاء و رسل کے خلاف سازشیں کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کی چالیں ان کے کسی کام نہ آئیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان پہنچا سکے، بلکہ انہوں نے خود اپنا ہی نقصان کیا۔ (تفسیر سعوی 2/1359) (2) ایک بار ابو جہل نے کہا: برادران قریش! آپ دیکھتے ہیں کہ محمد ﷺ ہمارے دین کی عیب چینی ہمارے آباؤ اجداد کی بدگوئی، ہماری عقلوں کی تحریف اور ہمارے معبودوں کی تذلیل سے باز نہیں آتا، اس لئے میں اللہ تعالیٰ سے عہد کر رہا ہوں ایک بہت بھاری اور بمشکل اٹھنے والا پتھر لے کر بیٹھوں گا اور جب وہ سجدہ کرے گا تو اس پتھر سے اس کا سر کچل دوں گا۔ اب اس کے بعد تم لوگ مجھے بے یار و مددگار چھوڑ دو، چاہے میری حفاظت کرو اور بنو عبد مناف بھی اس کے بعد جو جی چاہے کریں۔ لوگوں نے کہا: نہیں واللہ! ہم تمہیں کبھی کسی معاملے میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے، تم جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو۔ صبح ہوئی تو ابو جہل ویسا ہی ایک پتھر لے کر رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ حسب دستور تشریف لائے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، قریش بھی اپنی اپنی مجلسوں میں آچکے تھے اور ابو جہل کی کاروائی دیکھنے کے منتظر تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ سجدے میں تشریف لے گئے تو ابو جہل نے پتھر اٹھایا پھر آپ کی جانب بڑھا لیکن جب قریب پہنچا تو شکست خوردہ حالت میں واپس بھاگا۔ اس کا رنگ فق تھا اور وہ اس قدر مرعوب تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پتھر پر چپک کر رہے گئے تھے۔ وہ بمشکل ہاتھ سے پتھر پھینک سکا۔ ادھر قریش کے کچھ لوگ اٹھ کر اس کے پاس آئے اور کہنے لگے ابوالحکم تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے رات جو بات کہی تھی وہی کرنے جا رہا تھا لیکن جب اس کے قریب پہنچا تو ایک اونٹ آڑے آ گیا بخدا میں نے کبھی کسی اونٹ کی ویسی کھوپڑی اور ویسی گردن اور ویسے دانت دیکھے ہی نہیں وہ مجھے کھانا چاہتا تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ اگر ابو جہل قریب آتا تو اسے دھر پکڑتے۔ (الرحیق المختوم: 142) (3) انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھ سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میں غار ثور میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا۔ میں نے کافروں کے پاؤں دیکھے (جو ہمارے سروں پر کھڑے ہوئے تھے) صدیق رضی اللہ عنہ گھبرا گئے اور بولے کہ یا رسول ﷺ! اگر ان میں سے کسی نے ذرا بھی قدم اٹھائے تو وہ ہم کو دیکھ لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا سمجھتا ہے ان دو آدمیوں کو (کوئی نقصان پہنچا سکے گا) جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔ (بخاری: 4663)

﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخَلَّفًا وَعَدَاهُ مُسَلَّةً ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ﴾ (47)

”پھر تم اللہ تعالیٰ کو ہرگز ایسا نہ سمجھو کہ وہ اپنے رسولوں سے کیے گئے وعدے کے خلاف کرنے والا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غالب ہے، اور

انتقام لینے والا ہے۔“ (47)

سوال 1: ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلَفًا وَعَدِّمْهُ رَسُولَهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ﴾ ”پھر تم اللہ تعالیٰ کو ہرگز ایسا نہ سمجھو کہ وہ اپنے رسولوں سے کیے گئے وعدے کے خلاف کرنے والا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غالب ہے، اور انتقام لینے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلَفًا وَعَدِّمْهُ رَسُولَهُ﴾ ”پھر تم اللہ تعالیٰ کو ہرگز ایسا نہ سمجھو کہ وہ اپنے رسولوں سے کیے گئے وعدے کے خلاف کرنے والا ہے“ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (آل عمران: 9) ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ﴾ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ (الرعد: 31) اس نے دنیا میں اپنے رسولوں کی مدد اور ان کی پیروی کرنے والوں کی نجات اور ان کے دشمنوں کی دنیا و آخرت میں ہلاکت کا جو وعدہ کر رکھا ہے وہ اس کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ یہ وعدہ اس ذات کا ہے جو سب سے سچی ہے۔ (2) ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا، قدرت والا ہے۔ (3) ﴿عَزِيزٌ﴾ ”سب پر غالب ہے“ سب پر غالب ہے اسے کوئی بے بس نہیں کر سکتا۔ (4) ﴿ذُو انتِقَامٍ﴾ ”انتقام لینے والا ہے“ جب وہ کسی سے انتقام لینے کا یا سزا دینے کا ارادہ کر لے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ (5) جو رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور انہیں جھٹلاتے ہیں اور شرک کرتے ہیں وہ ان سے انتقام لینے والا ہے۔

﴿يَوْمَ تَبْكَلُ الْأَرْضُ عَيْدًا الْأَرْضِ وَالسَّلْوٰتُ وَبَرُّوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (48)

”جس دن یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے، جو اکیلا ہے، بڑا زبردست ہے۔“ (48)

سوال 1: ﴿يَوْمَ تَبْكَلُ الْأَرْضُ عَيْدًا الْأَرْضِ وَالسَّلْوٰتُ وَبَرُّوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ ”جس دن یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے، جو اکیلا ہے، بڑا زبردست ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَ تَبْكَلُ الْأَرْضُ عَيْدًا الْأَرْضِ وَالسَّلْوٰتُ﴾ ”جس دن یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی“ آپ انہیں یاد دلائیں کہ جس دن آسمان وزمین کو فنا کر کے نئے سرے سے بنایا جائے گا۔ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن لوگ سفید زمین پر جو سرخی مائل ہوگی، جمع کئے جائیں گے۔ وہ زمین ایسی ہوگی جیسے میدے کی روٹی، اس زمین پر کسی کا کوئی نشان باقی نہیں رہے گا۔ (یعنی چٹیل میدان ہوگی)۔ (بخاری: 6521) (2) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ رب العزت کے قول: اس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان (بھی بدل دیے جائیں گے) کے متعلق پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (پل) صراط پر۔ (مسلم: 7056) (3) سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا ﴿وَالْأَرْضُ جَبِيْعًا قَوَّضَتْهُ﴾

(الزمر: 67) کے بارے میں پوچھا کہ اس دن لوگ کہاں ہوں گے فرمایا: جہنم کی پشت پر (مسند احمد) (4) اس دن زمین ہموار کر دی جائے گی اور آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ (5) ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۗ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُمْ وَعِنْدَنَا عِلْمُنَا إِنَّكُمْ لَأِنَّا لَفَاعِلِينَ﴾ جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے کتابوں کے لکھے ہوئے کاغذات لپیٹ دیے جاتے ہیں، جیسا کہ ہم نے پہلی تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم اس کا اعادہ کریں گے، یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے، یقیناً ہم کرنے ہی والے ہیں۔ (الانبیاء: 104) (6) ﴿يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالرَّهْلِ ۗ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ﴾ اس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔ (المعارج: 89) (7) ﴿وَيَوْمَ يُدْعَىٰ لِلَّهِ﴾ ”اور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے“ وہ اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کا حساب لے اور انہیں جزا دے۔ (8) اس دن کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکے گا۔ (9) ﴿الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ ”جو اکیلا ہے، بڑا زبردست ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات، اپنے اسماء و صفات کی عظمت اور اپنے افعال کی عظمت میں منفرد ہے۔ وہ تمام کائنات پر غالب ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کے دست تصرف اور تدبیر کے تحت ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز حرکت کر سکتی ہے نہ ساکن ہو سکتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 1360/2) (10) جیسا کہ رب العزت کا یہ قول ہے ﴿لَيْسَ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ آج بادشاہت کس کے لئے ہے؟ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جو اکیلا ہے، بہت دبدبے والا ہے۔ (المومن: 16)

﴿وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقْرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ﴾ (49)

”اور اس دن آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔“ (49)

سوال: ﴿وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقْرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ﴾ ”اور اس دن آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقْرَّنِينَ﴾ ”اور اس دن آپ مجرموں کو دیکھیں گے“ اس دن آپ ﷺ انہیں دیکھو گے جنہوں نے جرم کیے۔ (2) ﴿مُقْرَّنِينَ﴾ ”جکڑے ہوں گے“ کہ ان کے ہاتھ پاؤں گردن تک بندھے ہوئے ہوں گے۔ (3) ﴿فِي الْأَصْفَادِ﴾ ”زنجیروں میں“ آگ کی زنجیروں میں اور یہ عذاب کی فبیج ترین صورت ہے۔

﴿سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطَرِ اِنٍ وَتَعْلَمُونَ جُوهَرُهُمُ الْتَامِرُ﴾ (50)

”ان کے لباس تارکول میں سے ہوں گے اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ لے گی۔“ (50)

سوال 1: ﴿سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطَرِ اِنٍ وَتَعْلَمُونَ جُوهَرُهُمُ الْتَامِرُ﴾ ”ان کے لباس تارکول میں سے ہوں گے اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ لے گی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَرَابِیْهُمْ﴾ ”ان کے لباس“ یعنی ان کی قمیضیں، ان کے کپڑے۔ (2) ﴿مِنْ قَطْرَانٍ﴾ ”تارکول میں سے ہوں گے“، یعنی وہ جلتے ہوئے سیاہ مادے کے اندر ہوں گے جو جسموں کو جلانے گا۔ (3) قطران عرب میں ایک درخت ہوتا تھا جس کا سیال مادہ نکال کر اور پکا کر کھجلی والے اونٹوں کے جسم پر ملتے تھے جس کی تیزی کی وجہ سے کھجلی جل جاتی تھی جیسا کہ بعض علاقوں میں کھجلی سے چھٹکارا پانے کے لیے گندھک کو سیال کر کے ملا جاتا ہے۔ یہ قطران جو عرب میں ہوتا تھا آگ کو جلد پکڑتا تھا اور خوب زیادہ تیز ہوتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ مجرمین کے جسموں پر قطران ملا جائے گا جو ان کے جسموں پر کرتے کی طرح ہوگا۔ اسے دوزخ کی آگ بہت جلدی پکڑے گی جیسا کہ دنیا کی آگ دنیا والی قطران کو پکڑتی ہے۔ مفسر ابن کثیر نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قطران پگھلے ہوئے تانبے کو کہتے ہیں۔ دوزخیوں کے لباس تانبے کے ہوں گے۔ (تفسیر انوار البیان: 201/3) (4) سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں، جنہیں وہ نہیں چھوڑیں گے: (1) حسب پر فخر (2) نسب میں طعن زنی۔ (3) ستاروں سے بارش کی طلبی (4) اور میت پر نوحہ۔ پھر فرمایا: ”سنو! نوحہ کرنے والی نے اگر اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کی تو اسے قیامت کے دن گندھک کا قیص اور کھجلی کا دوپٹا پہنایا جائے گا۔“ (مسلم: 2160) (5) ﴿وَتَغْشَىٰ وُجُوهُهُمْ الْكَلْبُ﴾ ”اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ لے گی“، یعنی آگ ان کے چہروں کو جلا ڈالے گی۔ وہ آگ ان لوگوں کے لیے ہوگی جنہوں نے دنیا میں شرک اور نافرمانی کے کام کیے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿تَقْفَحُ وُجُوهُهُمْ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ﴾ ان کے چہروں کو آگ جھلسا دے گی اور اس میں وہ جبرے ٹکالنے والے ہوں گے۔ (المومنون: 104) (6) ﴿لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينٌ لَا يَكْفُونُ عَنْ وُجُوهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ ”کاش! جن لوگوں نے کفر کیا وہ جان پائیں جب وہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو روک سکیں گے اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔“ (الانبیاء: 39) (7) ﴿أَقْبَنُ بَيْتَقِي بُوْجُوْهُهُ سُوْءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَقَبِيْلٌ لِّلظٰلِمِيْنَ ذُوْ قُوٰا مٰا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ ”تو کیا وہ شخص جو اپنے چہرے کے ساتھ قیامت کے دن برے عذاب سے بچے گا (وہ جنت والے کی طرح ہو سکتا ہے؟) اور ظالموں کے لیے کہہ دیا جائے گا کہ چکھو جو تم کمایا کرتے تھے۔“ (الزمر: 24) (8) ﴿يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوْهِهِمْ ذُوْ قُوٰا مٰسَ سَقَمًا﴾ ”جس دن انہیں چہروں کے بل آگ میں گھسیٹا جائے گا، چکھو آگ کا چھونا۔“ (القر: 48)

﴿لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ (51)

”تا کہ اللہ تعالیٰ ہر جان کو اس کی کمائی کا بدلہ دے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔“ (51)

سوال 1: ﴿لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ ”تا کہ اللہ تعالیٰ ہر جان کو اس کی کمائی کا بدلہ دے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ﴾ ”تا کہ اللہ تعالیٰ ہر جان کو اس کی کمائی کا بدلہ دے“، یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے

اچھے برے اعمال کا بدلہ عدل کے ساتھ دے۔ (2) برے کا برابرہ ظلم نہیں ہے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ (3) ﴿إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے“ اللہ تعالیٰ سب کے اعمال کو جانتا ہے اس لیے وہ اعمال کے شمار کا محتاج نہیں۔ اس لیے حساب بہت تیزی سے ہوگا۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿مَا خَلَقْتُمْ وَلَا بَعَثْنَا إِلَّا نَفْسًا وَاحِدَةً إِنَّ اللَّهَ سَبِيحٌ مُّبِينٌ﴾ تم سب انسانوں کا پیدا کرنا اور تمہارا دوبارہ اٹھانا ایک ہی نفس جیسا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (لقمان: 28) جیسے اللہ تعالیٰ ایک ہی وقت میں رزق بھی دیتا ہے اور دوسرے کاموں کی تدبیر بھی کرتا ہے۔ اس کا ایک کام میں مشغول ہونا دوسرے سے غافل نہیں کرتا۔ (5) جب اللہ تعالیٰ کو حساب لیتے دیر نہیں لگتی تو لوگوں کو اس دن سے خوف کھانا چاہئے مگر حالات مخالف ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ﴾ لوگوں کے لیے ان کا حساب قریب آ گیا اور وہ غفلت میں منہ موڑنے والے ہیں۔ (الانبیاء: 1) (6) اللہ تعالیٰ جزا دینے کے لیے سرعت سے حساب کریں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاللَّهُ صَافِي السُّلُوبِ وَصَافِي الْأَمْرَضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا سَاءَ مَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ جنہوں نے برائیاں کیں انہیں اس کا بدلہ دے جو انہوں نے عمل کیا اور جن لوگوں نے بھلائی کی انہیں بھلائی کے ساتھ بدلہ دے۔ (النجم: 31)

﴿ هَذَا بَدَلُكُمْ لِلنَّاسِ وَلِيُنذِرُوا بِهِ وَيَلْعَلُكُمْ آتَاكُمْ هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴾ (52)

”یہ انسانوں کے لئے ایک پیغام ہے اور تاکہ وہ اس کے ساتھ ڈرائے جائیں اور تاکہ وہ جان لیں کہ بے شک وہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں۔“ (52)

سوال: ﴿ هَذَا بَدَلُكُمْ لِلنَّاسِ وَلِيُنذِرُوا بِهِ وَيَلْعَلُكُمْ آتَاكُمْ هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴾ ”یہ انسانوں کے لئے ایک پیغام ہے اور تاکہ وہ اس کے ساتھ ڈرائے جائیں اور تاکہ وہ جان لیں کہ بے شک وہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ هَذَا بَدَلُكُمْ لِلنَّاسِ ﴾ ”یہ انسانوں کے لئے ایک پیغام ہے“ یعنی یہ قرآن ساری انسانیت کے لیے پیغام ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ أُمِّي شَيْءٌ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأُوحِيَ إِلِيَ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَ بِكُمْ بِهِ وَمَنْ بَدَّلَكُمْ آيَاتِكُمْ لَتَشْهَدُنَّ أَنَّ مَعَ اللَّهِ الْهَيْهَةَ الْآخِرَى قُلْ لَا أَشْهَدُ قُلْ إِلَهُهُمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ﴾ ”آپ ان سے پوچھیں کون سی چیز گواہی میں سب سے بڑی ہے؟ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ساتھ تمہیں بھی خبردار کروں اور انہیں بھی جن تک یہ پہنچے، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ واقعتاً دوسرے معبود بھی ہیں؟ آپ کہہ دیں: میں تو گواہی نہیں دیتا، آپ کہہ دیں: وہ تو بس ایک ہی معبود ہے اور بلاشبہ میں ان سے بے تعلق ہوں جو تم شریک بناتے ہو۔“ (الانعام: 19)

(2) قرآن مجید کا علم حاصل کر کے، اسے زاد راہ بنا کر فضیلت والے مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔ (3) قرآن مجید میں وہ علوم ہیں جن کے بندے محتاج ہیں۔ (4) ﴿وَلْيُنذِرْهُمْ﴾ اور تاکہ وہ اس کے ساتھ ڈرائے جائیں، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے برے اعمال کے برے انجام سے ڈرایا ہے تاکہ لوگ برائی چھوڑ دیں۔ (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُنَزَّلُنَّهُمْ فِي سُلُوفٍ مِّنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ وَلَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ﴿الر﴾ ایک کتاب ہے جس کی آیات پختہ کی گئی ہیں پھر کمال حکمت والے، پوری خبر رکھنے والے کی طرف سے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بلاشبہ میں اس کی طرف سے ایک ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔ (ہود: 24) (6) ﴿كَلِمَاتٌ لَّيِّنَاتٌ لِّبَيِّنَاتٍ لَّيِّنَاتٍ يُورَثُهَا الْيَتَامَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالسُّبْحَانَ﴾ یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور و فکر کریں اور تاکہ عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔ (ص: 29) (7) تاکہ قرآن مجید کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے ڈرایا جائے۔ (8) ﴿وَلْيَعْلَمُوا﴾ اور تاکہ وہ جان لیں، تاکہ وہ دلائل سے جان لیں۔ (9) ﴿أَنَّهُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ﴾ کہ بے شک وہ ایک ہی معبود ہے، یعنی وہ ایک ہی معبود ہے۔ (10) کیونکہ اس میں برے اعمال اور اس عذاب سے ڈرایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بد اعمال لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1361/2) (11) ﴿وَلْيُنذِرْكُمْ أُولَ الْأَلْبَابِ﴾ اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں، یعنی عقل کامل کے حامل لوگ اس سے نصیحت پکڑیں، وہ کام کریں جو ان کے لئے فائدہ مند ہے اور وہ کام چھوڑ دیں جو ان کے لئے نقصان دہ ہے۔ ایسا کرنے سے وہ عقل مند اور اصحاب بصیرت بن جائیں گے۔ اس لئے کہ قرآن کے ذریعے سے ان کے معارف اور آراء صائبہ میں اضافہ اور ان کے افکار روشن ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے قرآن کے تازہ افکار حاصل کئے ہیں، قرآن انہیں بلند ترین اخلاق و اعمال کی طرف دعوت دیتا ہے اور وہ ان پر قوی ترین، واضح ترین دلائل سے استدلال کرتا ہے۔ ایک ذہین بندہ مومن جب اس قاعدہ کلیہ کو اپنا لائحہ عمل بنا لیتا ہے تو وہ دائمی طور پر ہر قابل ستائش خصلت میں ترقی کی راہوں پر گامزن رہتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1361, 1362)

سوال 2: یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے انسان سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟

جواب: (1) یہ عقیدہ صرف ذہنوں تک محدود نہیں۔ (2) یہ عقیدہ انسان کی پوری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے۔ (3) یہ عقیدہ انسان سے اسلامی اخلاق کا تقاضا کرتا ہے۔ (4) یہ عقیدہ انسان سے اسلامی اقدار کو اپنانے کا تقاضا کرتا ہے۔ (5) یہ عقیدہ انسان سے پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور غلامی کا تقاضا کرتا ہے۔

﴿ابن ماجہ ۹۹﴾ ﴿سورۃ الحجر ۵۲﴾ ﴿مکوعاھا ۶﴾

سوال 1: سورۃ الحجر کہاں نازل ہوئی؟

جواب: سورة الحجر مکہ میں نازل ہوئی۔

سوال 2: اس سورت کی کتنی آیات اور کتنے رکوع ہیں؟

جواب: اس سورت کی 99 آیات اور چھ رکوع ہیں۔

سوال 3: نزولی ترتیب اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: نزولی ترتیب کے اعتبار سے (52) بادوئیں سورت ہے اور مصحف میں اس کا نمبر 15 ہے۔

سوال 4: سورة الحجر کا موضوع کیا ہے؟

جواب: سورة الحجر میں عقیدہ توحید، نبوت اور بعثت کا ذکر ہے۔

آخری آیت

﴿الَّذِينَ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ ۝﴾

”الر۔ یہ کتاب الہی اور واضح قرآن کی آیات ہیں۔“ (1)

سوال 1: ﴿الَّذِينَ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ ۝﴾ ”الر۔ یہ کتاب الہی اور واضح قرآن کی آیات ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِينَ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ ۝﴾ ”الر۔ یہ کتاب الہی اور واضح قرآن کی آیات ہیں“ رب العزت نے

اپنی عظیم کتاب کے بارے میں خبر دی ہے کہ یہ اس کتاب کی آیات ہیں جسے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ (3) ﴿وَقُرْآنٍ

مُبِينٍ ۝﴾ ”اور واضح قرآن کی“ اور یہ روشن قرآن ہے۔ (4) جو بہترین الفاظ اور اپنے مقصد پر قوی ترین دلائل کے ذریعے سے حقائق

کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور یہ چیز اس بات کی موجب ہے کہ مخلوق اس کی اطاعت کرے، اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے

اور فرحت و سرور کے ساتھ اس کو قبول کرے۔ (تفسیر سعدی: 1362/2) (5) صاحب معالم التنزیل اس کا معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: یعنی

قرآن نے حلال و حرام کی تفصیلات خوب واضح کر کے بیان فرمائیں اور حق کو باطل سے جدا کر کے واضح طور پر بیان فرمایا۔ (انوار البیان:

203/3) (7) قرآن مجید ہر شخص کو باآسانی سمجھ آجاتا ہے۔ اس میں کوئی الجھن نہیں، یہ زندگی کی کتاب ہے، جنت کا نصاب ہے، رب

العزت نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّاكِرٍ ۝﴾ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو کیا ہے

کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟ (القمر: 17)